

8

331 2/2

شرف

انقلاب الحقیقت

مؤلفہ

صاحبزادہ محمد عمر صاحب کان اللہ لہ

سجادہ نشین پیرل شریف

یارب چه عهد بود که عهد وصال بود در گلشن امید نسیم وصال بود
آسوده بود دل ز فراق جدیت جان هر دم زد و سرت تازه نوید جمال بود

گیتی چنان ربود ز ما عهد آن وصال
گفتی مگر در آینه جان خیال بود

دستور تصوف

المعروف به

اقلاب الحقیقت

فی التصوف و لطائف
المعروف

مِصْبَاحُ السَّالِكِينَ

فی ذکر محبوب الصلین

مؤلفه

صاحبزاده محمد عمر صاحب کان الله له

سجاده شین بیرل شریف

عرض حال

86460

حامداً ومصلياً

زمانہ حاضرہ کی تالیفات کے لیے مقدمہ جزو لاینفک خیال کیا جاتا ہے اکثر صاحب فن سے مقدمہ کو زیب دیا جاتا ہے لیکن میری کتاب انقلاب الحقیقت نہ تو سوانحات کے زمرہ میں داخل ہونے کے لائق ہے نہ تذکروں میں! ورنہ ہی تصوف کی کوئی مستقل کتاب ہے بلکہ ایک معجون مرکب ہے۔

میں نے کئی بار اپنے دوستوں اور ہم خیالوں میں مقدمہ کے لکھوانے کے لئے نظر دوڑائی لیکن جو لوگ حقیقت تصوف کی مسند پر جلوہ فرما ہیں ان میں تجلی و تذلّی ایک آن بھر بھی فرصت نہیں دیتی۔ اور جو شاہسوار قلم ہیں وہ اس میدان کے شاہسوار نہیں مجبوراً آج تک التوار ہا۔

آج کتاب مطبع میں جا رہی ہے مجبوراً ایک دوست کے اصرار سے کچھ لکھنا پڑا۔ ورنہ میں نہ صاحب فن ہوں نہ صاحب قلم! اس لئے میرے دیباچہ کو وہ اہمیت نہیں جو فی زمانہ ہوا کرتی ہے۔

حضرت قبلہ مرشدیم رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات طیبہ لکھنے کا نہ میں اہل ہوں اور نہ میں حالات سے باخبر۔ کیونکہ مجھے صرف پانچ سال حضور کی غلامی کا فخر حاصل رہا اور وہ بھی ایسا کہ سال میں دو چار بار آیا اور گیا۔ میں اس حالت میں کس ہمت پر قلم بکڑ سکتا تھا۔

اصل بات یہ ہے کہ حضرت مکرمی صوفی محمد ابراہیم صاحب قصوری نوری سلمہ ربّ نے زبانی اور تحریری حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات و ارشادات اپنے تذکرہ کے لئے طلب فرمائیے۔ بندہ کچھ دن تو متروک رہا۔ آخر چار و ناچار ایک دن قلم لے کر مختصر یادداشت (نوٹ) لکھنے کا ارادہ کیا لیکن جو بن قلم کی نوک مرنی میرے دل و داغ کے پورے کھلتے جاتے تھے صفحوں کے صفحے لکھے گئے لیکن تہ بندہ ختم نہ ہوئی۔

اب میں حیران تھا کہ کیا کروں نہ اختصار سے کام چلتا ہے نہ تفصیل سے اختصار کرتا ہوں تو سمندر
کوزہ میں نہیں سما سکتا۔ تفصیل سے لکھتا ہوں تو ایک الگ ضخیم کتاب تیار ہو جاتی ہے لیکن میں ایشیش و پنج
میں لکھتا گیا۔ تاہم حصہ اول (ترتیب) سے پار نکل گیا۔

اس کے بعد میرا ارادہ ہو گیا کہ یہ اوراق الگ صورت میں ہی شائع کر دیئے جائیں اور کسی دوسری
کتاب کا ضمیمہ نہ بنائے جائیں حضرت صوفی صاحب مکہ رب نے بھی یہی مشورہ دیا۔ عجب یہ ہے کہ اڑھائی
تین سو صفحات سے زائد فلم سے نکل گئے لیکن ابھی نیسے حصے (فضائل و کمالات اخلاق و عادات) کی نویت
نہ آئی۔ سعدی رحمۃ اللہ نے کیا خوب کہا ہے

جنس غائتے دار و نہ سعدی را سخن پایاں

بمیرتشنہ مستسقی و دریا بچپناں باقی

واقعی نہ مجھے سیری ہوئی اور نہ ہی حضرت کے حالات۔ اوصاف و کمالات ختم ہوئے گو کتاب مکمل ہو کر نکل جائیگی
اور احباب یہ خیال کریں گے کہ بہت کچھ لکھا گیا۔ لیکن میری تشنہ کامی کی موجودگی اور حضرت مرحوم و مغفور کے اوصاف
و کمالات کا دریا پلے سے بھی زیادہ متلاطم نظر آئے گا۔

حیاتِ طیبہ سے انقلابِ حقیقت کو کوئی واسطہ نہیں بلکہ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ صرف آپ بنتی
ہے لیکن تاہم اس کے اندر حضرت قدوۃ السالکین زبدۃ العارفين و اصل باللہ فانی فی اللہ عالمِ حقانی عارف
ربانی قبلہ مرشد مے

ہزار بار بشوئم دہن ز مشک و گلاب

ہنوز نام تو گفتم کمال بے ادبی است

رحمۃ اللہ علیہ کے وہ تمام ارشادات آجائیں گے جو اپنی آنکھوں دیکھے یا کانوں سے سنے مگر بالذات وہ مقصود
نہیں بلکہ صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ سالک کو کون سے مراحل سلوک کے اندر پیش آتے ہیں اور کیونکر وہ اپنے
پیر و مرشد کی برکت سے انہیں طے کرنا ہے اور کہ مرید و پیر کے تعلقات کیسے اور کتنے گہرے اور محبت و اخلاص
سے پڑھتے ہیں۔

بعض مقامات پر فلم نے بلند پروازی بھی کی ہے لیکن بے اختیار جب ہوش آیا۔ پھر پستی پر لے آیا لیکن حق تو یہ

ہے کہ یہی بلند پروازی اور شوخی میری کتاب کی جان ہے گو مجھے خوف ہے کہ مقلد دوست میری اس روش پر پھینچیں اور ایں کے لیکن معارفِ حقہ کو دیکھتے ہوئے کو رازہ تقلید اختیار کرنا بھی تو پوری کج رفتاری ہے۔ کتاب سرسری نگاہ ڈالنے کے لئے نہیں لکھی گئی بلکہ ایک باریک بے عیب اور پاک حقیقت کے عیاں کرنے کے لئے لکھی گئی ہے جسے ملاحظہ کے لئے چشمِ دل سے کام لینا چاہئے صرف ظاہری آنکھ کام نہ دیگی۔

ع این سخن از گوشِ دل باند شنید

حضرت مرحوم و مغفور قبلہ مرشدِ رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرات اور سوانحیات کے پڑھنے کے لئے میری کتاب عینک اور خوردبین کا کام لے گی جس سے حضرت کے باریک سے باریک ذاتی اوصاف اور وہی کمالات روشن اور درخشاں نظر آئیں گے اور ایک فلسفی اپنی پوری نظر اور اپنی پوری فکر لڑا کر حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکات اور آپ کے اوصاف و کمالات کی حقیقت کا فلسفہ دیکھنے کے بعد آخری فیصلہ کرنے میں متروک نہ رہے گا اور نہ ہی حقیقت ولایت کے بے نقاب دیکھنے کے لئے بیاب ہوگا گو عوام اس سے کم فائدہ اٹھائیں گے لیکن دل سوز تحریر انہیں بھی متاثر کئے بغیر نہ چھوڑے گی۔ میری تحریر مبالغہ اور تصنیع سے پاک ہے گو عبارت میں سلاست نہ ہو۔ لیکن واقعات و کیفیات میں سرسوزی نہیں آنے دیا۔

تصنیف و تالیف میں سب سے مشکل کام ترتیب ہے جس تصنیف و تالیف کی ترتیب عمدہ ہوگی وہی مقبول و مرغوب طبائع ہوگی خصوصاً ایسی تصنیف و تالیف جس میں واقعات، حالات اور اوصاف قلبند کئے جائیں! اور استنباطی طریقہ سے مسائل حاصل کرنے مطلوب ہوں تو ایسی تالیفات کا مدار صرف ظاہری ترتیب پر ہونا ہے اور بس لیکن یہ کام بظاہر جتنا آسان اور سہل معلوم ہوتا ہے اتنا ہی مشکل۔ کیونکہ اس مکہ لطیف کا تعلق ذوقِ سلیم اور فطرتِ لطیفہ سے ہے نہ کہ تصنیع اور بناوٹ سے۔

”میں نہ تو کوئی مشتاقِ مصنف ہوں اور نہ ہی آج تک مجھے اس قسم کی تصنیف کا موقع ملا ہے اس وقت صرف اپنے مرتبی اور محسن کی یاد نے مجھے بے اختیار کر دیا اور میں اس بجز ناپیدا کنار میں کاغذی ناؤ کے سہارے بسم اللہ مجریہا و موسہا ان ربی لغفور الرحیم پڑھتا ہوا کود پڑا اور قلم کے چپو سے واقعات کے تلاطم اور فکار کے امواج سے بصد شکل چٹان پر پہنچا۔ الحمد للہ علیٰ ذلک لیکن میں اتنا کہتا

ہوں کہ اس چودھویں صدی میں کہ تصنیف و تالیف کے سیلاب نے دنیائے عالم کو محو حیرت کر دیا اور صرف سرزمین پنجاب سے بیسیوں نہیں بلکہ سینکڑوں روزانہ تصانیف کے انبار اٹھنے اور چلنے لگے۔ کسی کو یہ دولت نصیب نہ ہوئی جو آج مجھے عنایت فرمائی گئی وَاَنْتَ قَبِيحٌ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

جب سے مادیات نے ترقی اور عروج حاصل کیا۔ تو روحانیت سے بے التفاتی ہو گئی جہاں کہیں چار اہل باطن علم تفکر میں نظر آتے بھی ہیں تو وہ بھی گوشہ تنہائی میں۔ اور اتنی دلیری نہیں کہ کسی کو اپنے حال یا قال سے کچھ کہہ یا سن سکیں گو خاموشی اور سکنت علم روحانیت کے لئے نوش کا حکم رکھتا ہے لیکن خاموشی اور وہ سکنت جو مغلوبانہ ہو کیونکہ محمود کہلا سکتا ہے اگر کسی صاحب ہمت نے جرأت بھی کی تو بس اتنی کہ سلف صالحین کی تصانیف یا تالیفی دستار بندی سے ڈرے نکال کر اپنی تصانیف تالیف کے ساتھ واپس کر کے تازہ بھر پور دیا۔ کئی ایک رسالے تصوف کے شائع ہو رہے ہیں لیکن غور سے دیکھو تو سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی تصانیف کے تراجم کے سوا ایک حرف بھی نیا نظر نہیں آتا۔ علاوہ ازیں اگر موجودہ وقت میں کوئی اس فن شریف کے متعلق تصنیف نظر آتی ہے تو بزرگوں کے حالات سوانحات اور تذکرے ہیں لیکن وہ بھی ایسے روکھے پھیکے کہ نہ قال کی چاشنی نہ حال کا ذوق۔

ایسے وقت اور ایسے حال میں ایک ایسی تصنیف پیش کرنا جو قال اور حال کو یکساں متوازی صورت میں دکھائے اور اپنی مجتہدانہ تحریر سے تقلیدی راستہ چھوڑ کر ایک نرالا اور نیا ڈھنگ پیش کر کے دعوتِ حق کا پرچم ہلائے تو کیا ذلک فضل اللہ یونیۃ من یشاء کا نمونہ نہ ہوگا؟

بیشک میری ناچیز تصنیف کے اندر سینکڑوں لغزشیں ہوں گی بلکہ حرف حرف اپنے سقم کا خود شاہد عادل ہوگا لیکن دیکھنا یہ ہے کہ میں نے کس ہمت سے اپنا قدم بڑھایا اور کس دلیری سے دنیائے مادیات کو اپنا حال کہہ سنا یا اور اپنے حال کو دعوتِ شکریت فی العمل کا مخاطب ٹھہرایا اور تصوف کی صحیح شاہرہ کا خاکہ دکھایا۔ میں خود حیران ہوں کہ اس ناتواں اور کمزور دل سے اتنا بڑا کام کیونکر سرانجام ہوا لیکن حق تو یہ ہے کہ فیض روح القدس از بازمد فریاد دگیراں ہم بکبتند آنچه مسیحا میکرد

جب میں تہیدی اوراق کے بعد شرف یابی حضورِ قدس جنک کے واقعات لکھنے پایا تو کوئی ترتیب سوچتے

نہ بنی کیونکہ ایک اپنا قصہ کہنا تھا ایک حضرت قبلہ عام رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات و اوصاف دکھانے تھے یہ بھی مقصود تھا کہ تصوف کی کیفیات بھی ہاتھ سے گم نہ ہوں تاہم حقیقت جامعہ لیس کتلہ نشی کی حقیقت کبریٰ عیانی طور پر منکشف ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ کیونکہ اس کا ظہور فی النفس کا فلا تبصرون کے اندر مضمون ہے، اور کس طرح ہو بکل نشی شہید کی جلوہ نمائی ہوتی ہے اور کیونکہ ہو بکل نشی عجیبہ کا مصداق صحیح نظر آتا ہے تو ایسی صورت میں ترتیب کتاب کوئی آسان امر نہ تھا لیکن حضرت قبلہ مرشد م کی روحانی یاوری اور ہم غیبی کی مدد کامل نے بہری بخش اور ایک ایسی لکشت ترتیب داغ میں بچھڑی کہ میرے تمام مقاصد کو یکساں لپیٹتی ہوئی اپنی آخری سرحد پر جا پہنچی۔

خالق و مخلوق کا اولین تعلق عالم وجود میں آنے کے بعد وہ شان ربوبیت کا تعلق ہے جس کو اللہ جل شانہ کی ذات بابرکات نے سب سے پہلے اپنے وصف کے اندر بیان فرمایا اور انسان کو جنم دیا: کہ الحمد للہ رب العالمین کہہ کر اپنے اولین تعلق کی شکر گزاری سب سے پہلے واجب ہے۔

بعینہ اسی طرح پیر و مرشد کا اولین تعلق ہی ربوبیت ہے مرشد حق درحقیقت نائب حق ہوتا ہے اور روحانی تربیت کا ذریعہ ہوتا ہے جیسا کہ والدین مادی تربیت کا آلہ کار ہیں پہلی مہربانی اور عنایت جو مرشد سے مرید کو پہنچتی ہے تربیت ہے اور آخری شفقت و رحمت جو مرید کو پیر سے حاصل ہوتی ہے وہ تربیت ہے غرضیکہ مرید کا پہلا سبق بھی تربیت اور آخری سبق بھی تربیت ہے فرق اتنا ہے کہ ایک موثر ہے دوسرا متاثر۔ اسی پہلے شاندار تعلق سے حصہ اول کو تربیت کے نام سے موسوم کیا گیا اور تربیت کے تمام اقسام علمی، عملی، جلالی، جمالی، اور روحانی کے تمام حالات اور واقعات کو اس میں دکھایا گیا اور دوسرے حصہ کتاب میں اسی تربیت کے نتائج دکھائے گئے کیونکہ تربیت کا معیار نتائج پر ہوتا ہے۔

مرشد کامل وہ ہے جس کی تربیت کے ثمرات نتائج عمدہ ہوں اور مرید وہ اچھا جو تربیت کے قبول کرنے کی استعداد رکھتا ہو اگر حسن قسمت سے ایسا جوڑا میسر ہو جائے تو ثمرات نتائج دنیا اپنی آنکھوں دیکھ لیتی ہے۔ اور کامل کی تربیت کا اقرار کرتی ہے خود مرید اپنی حالت نفسی کے اندر ایک ایسا انقلاب پاتا ہے کہ اپنی پہلی ہستی گم کر کے ایک دوسری ہستی کا تحقق اپنے وجود میں پاتا ہے۔ اسی انقلاب عظیم کی رعایت سے میں نے اپنی کتاب کا نام انقلاب الحقیقت رکھا ہے کیونکہ تربیت کامل ہی جذبات کامل پیدا کر کے انسانی ہستی

کو سفل اسفلین سے نکال کر ملاء اعلیٰ تک پہنچا دیتی ہے اور انسان اپنے اندر وہ کچھ دیکھ پاتا ہے جو اس کے وہم و گمان سے بھی باہر تھا اور وہ تمام کچھ بھول بیٹھتا ہے جس کے نشہ میں خالق و رازق، مالک حقیقی اور رب الارباب سے بے پرواہ ہو کر آوارہ گمراہی تھا۔

جذبات کے تابع تمام جسم اور اس کے حس و حرکات ہیں جب جذبات بالکلیہ بدل جاتے ہیں تو افعال اوصاف اور احوال بھی ایک دوسرا رنگ (اتقا) اختیار کر لیتے ہیں۔ اور عوارضات روحانی رفع ہو جاتے ہیں۔ اس وقت اس انقلاب عظیم کو انقلاب الحقیقت نام سے تعبیر کرنا بیجا نہ ہوگا اور یہی میری تمام کتاب خلاصہ ہے لیکن ترتیب اور نتائج دیکھنے کے بعد فوراً ہر جی پر نظر جا پڑتی ہے کہ ایسی تربیت اور ایسے نتائج کا مرئی اور پھلتے پھولتے باغ کا مالی کون ہے اس لئے تیسرے حصہ میں مرئی یعنی حضرت قبلہ علم مرشد علیہ الرحمۃ کے عادات اخلاق اوصاف و کمالات کا تفصیلاً ذکر ہوگا اور آپ کے معمولات اور تعلیمات سلوک کا خلاصہ ج کیا جائیگا۔ گو ترتیب مروجہ طریقہ سے اُلٹی ہے لیکن لازم سے ملزوم کی طرف جانا ایک لطیف اور منطقیانہ ترتیب ہے نہ کہ ملزوم سے لازم کی طرف بڑھنا۔ کیونکہ اس صورت میں لازم و ملزوم میں کوئی اہمیت خاص نہیں رہتی، بلکہ ایک عام وصفانہ حیثیت صرف باقی رہ جاتی ہے۔

اگرچہ کتاب کا نام من حیث الظاہ انقلاب الحقیقت رکھا گیا ہے لیکن اپنی باطنی اغراض کے لحاظ سے مصباح السائکین فی ذکر محبوب الواصلین مناسب اور موزوں تر تھا۔ گو یہ اپنی رام کہانی ہے لیکن اس کے اندر کچھ اور ہی مطلوب و مقصود ہے مخلوق کی توصیف دراصل خالق کی توصیف ہے اور صنعت کی تعریف و حقیقت صانع کی تعریف کہلاتی ہے۔ غلام و شاگرد کا ذکر خیر حقیقتاً آقا و استاد کا نیک مذکور خیال کیا جاتا ہے اور مرید کا انقلاب فی الواقعہ پیر کی آبیاری تصور کی جاتی ہے۔ میری کیا حیثیت کہ اس کتاب کا شہ نشین (پیر و محلی عنہ) کہلاؤں ۵ ہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش من انداز قدرت رائے شناسم کے مطابق اجاب اور ناظرین سے کچھ بھولانہ رہے گا تاہم گستاخی سے بچنے کے لئے اتنا لکھ دیا گیا۔ ورنہ کون ہوگا جو میرے اس خاک کی لباس کے اندر اس محبوب الہی کے چمکتے دکتے انوار نہ دیکھے گا اور میرے سیاہ اور میلے کچیلے چولے کے تار و پود سے اس کی محبوبانہ لبلی صورت کے ناز و ادانہ دیکھ پائے گا۔ میرا وجود اگرچہ بے نقابانہ جلوہ نمائی

کا مانع ہے لیکن پرستارِ محبت بھی تو بے نقابانہ جلوے کی تاب نہیں لاسکتے اور نہ ہی بے نقابی معشوقِ دلنواز کی دلفریبی کا باعث ہوا کرتی ہے علاوہ بریں پرستارِ حرمِ کبریا کی کو بے نقاب کرنا اور بے نقاب دیکھنا بھی تو اکبرِ عظیم ہے۔ سب سے بڑھکر اس وقت مجھے اس مراکز سے کہ بنیادوں کے علاوہ وہ لوگ بھی جو کہ نیاے دوں سے تعلق توڑ کر وحدت کی گوشنہ میں سرحدیپ تفکر میں وہ اتنی سروردی گوارا نہیں کرتے کہ کسی اپنے عزیز کے کئے کرتے پر ایک نظر ڈالکر اسکے حسن و سچ سے کما ہی بخشش تا صلاح و راستی کا اندازہ ہو سکے۔ یہ سو وہ اپنے دوستوں کے پیش کیا گیا لیکن کسی نے اتنی ہمت بھی نہ کی کہ ایک صفحہ پڑھکر میرا اطمینان کرادے کہ میں براہِ راست جا رہا ہوں؟

اللہ تعالیٰ کے بندوں میں بسنیگروں ایسی پاک ہستیاں ہیں جو نئے تم سے گذر کر قبائے بدی کے سرمدی چشمہ حیات سے سیراب کرستے توجید میں اور عرفان کی پُرانوار فضا میں حیران نظر آتے ہیں اگر انہیں اپنی بے نیازی اور اپنا استغراق اس ناچیز لایف کی طرف ایک نظر ڈالنے کی فرصت نہ دے تو وہ مجبور ہیں اور میں اور میری یہ ناچیز تصنیف ان کی اس بے نیازی اور بے التفاتی پر سنیکروں بار قربان لیکن افسوس تو ان کی بے توجہی اور عدم التفاتی پر ہے کہ جو اپنی نیاز مندی کے باوجود ایسی تصانیف سے اپنی بے نیازی برتتے ہوئے اپنی سرمدی کا ثبوت دیتے ہیں اور اپنی سست رفتاری سے نہیں گھبراتے۔ فاللہ خیر حافظاً وھو ارحم الراحمین *

گو دیباچہ طویل ہو گیا لیکن اسکے بغیر چارہ نہ تھا اور نہ ہی اسکے بغیر کتاب لطف و سکنتی تھی۔ کیونکہ دیباچہ کتاب کھولنے کے لئے ایک قسم کی چابی ہوتی ہے اسلئے مجبوراً اتنا لکھنا پڑا۔ آخر میں ہم بارگاہِ مزیلیہ کی سرمدی حضرت بیت اللہ سے کہ اپنے حبیبِ پاک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے برگزیدہ ولیا رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی طفیل جس حضور اور جس شوق سے یہ ورق لکھوائے ہیں اسی شوق و ذوق سے اہل کعبے پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے ورنہ سیاہ ورق کو میری سیاہ اعمالیوں کو کفار گردانے اور اپنے ہادی اپنے پیشوا اپنے مرشد حضرت قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قدم بقدم چلنے کی توفیق بخشے اور تمام مراحلِ آخرت باطنیان طے کر کر قیامت کے دن آپ کے سایہ ہمایاں کے نیچے کھرا ہونا نصیب فرمائے آمین ثم آمین دَنَا قَبْلُ مَنَا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

غرض نقشے است کر یا یادمانہ کہ ہستی رائے عنیم بقائے

مگر صاحبِ دلے روزے رحمت کند در حق این مسکین دعائے

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ الْعَلِيِّمِ

بندہ بے نیاز و بایناز محمد عفی اللہ عنہ بیروبل ضلع شاہ پور ، ۲۰ صفر ۱۳۴۹ھ



مختصر حالات مصنف رحمۃ اللہ علیہ

قطب العالم محبوب الہی مرشدنا و مولانا حضرت محمد عمر صاحب بیر بلوئی

ذی الحجہ ۱۲۰۵ھ کو بیر بل شریف میں پیدا ہوئے۔ حضور کے دارا جان حضرت غلام مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے کامل ولی اللہ تھے اور بہت بڑے عالم، اس لئے بیک وقت ان کے زیر سایہ دینی مدرسہ اور خانقاہ دونوں چل رہے تھے۔ فقر کا ماحول بھی تھا اور علم کا ماحول بھی۔ گھر کے دستور کے مطابق پہلے آپ نے حفظ کلام اللہ کیا۔ جب آپ پندرہ برس کے ہوئے تو حضرت اعلیٰ بیر بلوئی نے وصال فرمایا۔ اس وقت تک آپ اپنے گھر میں شرح جامی تک نظامی درس کی کتابیں پڑھ چکے تھے۔ پھر علم کی تکمیل کے لئے لاہور تشریف لے گئے اور وہاں بھی قیام فرمایا۔ اور نیٹل کالج لاہور سے مولوی فاضل کیا۔ منشی فاضل اور ادیب فاضل بھی کیا اور انگریزی کے امتحانات بھی دئے۔ اس کے بعد اسلامیہ کالج پشاور میں آپ پروفیسر مقرر ہوئے سات سال تک وہاں پڑھایا۔ جب حضور کے والد ماجد حضرت احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین خانقاہ بیر بل شریف کا وصال ہوا تو حضور علی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو گئے اور مسند فقر کو زینت دی اور سجادہ نشین مقرر ہوئے۔ لیکن سجادہ نشین بن جانے پر بلندی استعداد اور رحمت الہی نے اکتفا نہ کرنے دی اور مرشد کی تلاش میں چل کھڑے ہوئے۔ گوشہ گوشہ ڈھونڈا، امید کی ہر جگہ تلاش کی اور اس سلسلے میں ہر تدبیر کو عملی جامہ پہنایا۔ آخر ”جویندہ یا بندہ“ غوث زمان مجدد و طریقت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اگرچہ حضرت اعلیٰ شرقپوری کی پہلی ہی صحبتوں سے فقر کی نسبت حاصل ہو گئی تھی لیکن اس نسبت کی پختگی کے لئے کامل مرد کی کامل جدوجہد جاری رہی۔ آخر ۱۹۲۸ء میں حضرت اعلیٰ شرقپوری کا وصال ہوا۔ اس وصال کے بعد حضرت پروردگاری نسبت کی دو گونہ ذمہ داری عائد ہو گئی۔ خانقاہ بیر بل شریف کی سجادہ نشینی اور غوث زمان میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت، حضور نے ان دونوں کو خوب نبھایا۔ خانقاہ بیر بل شریف پنجاب بھر میں ایک بہترین علمی مرکز کی حیثیت سے بھی مشہور تھی۔ اور ہر قسم کے فتوے اور مقدمات آپ کے پاس آتے اور حضور کے فتوے اور حضور کے فیصلے ایسے ہوتے کہ بڑے بڑے مفتی اور بڑے بڑے قاضی انگشت بدنداں رہ جاتے۔ حضرت اعلیٰ شرقپوری کے وصال کے بعد انقلاب الحقیقت حضور نے تصنیف فرمائی اور اپنے خرچ سے دونوں جلدیں

طبع کروا کر مفت تقسیم کیں۔ ۱۹۲۴ء کے بعد کا عرصہ فراق وصال کا زمانہ تھا۔ اپنے پیرو مشد سے ظاہری فراق تھا اور اپنے محبوب اللہ جل جلالہ سے وصال۔ وصال و فراق کی ملی جلی کیفیات نے نیاز و بے نیازی کا ایک ایسا خوبصورت مجسمہ حضورؐ کی ذات کو بنا دیا تھا کہ سابقین اولین میں ہو یہ مثالیں مل سکتی ہیں۔ فقر کے طالبین کو تربیت دینے کا طریقہ حضورؐ نے بالکل نیا لاپیدا کیا۔ بس نظر کا فیض تھا اور باتوں باتوں میں زائے اور سالک کی کایا پلٹ جاتی، طبیعت بدل جاتی، چہرہ پر انوارِ الہی کا جلوہ چمک اٹھتا اور اکثر اوقات آنکھیں بہ سڑتیں۔ وصال و فراق اگرچہ دونوں کیفیات بعض بزرگوں کی الگ الگ کیفیات رہی ہیں لیکن یہاں ان دونوں کیفیات کو باہم وصال کا درجہ نصیب تھا۔ غم اور خوشی حضورؐ کی نسبت پاک میں اکٹھے رہ سکتے تھے۔ یہ ناچیز ۱۲ سگہ میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر کہ محبت کی آنکھوں نے محبوب کو عجیب رنگ میں دیکھا۔ علم مکمل۔ فقر مکمل۔ تدبیر مکمل۔ تربیت مکمل۔ غرضیکہ ہر قسم کا حسن و کمال آپؐ کی ذات میں مکمل تھا۔ اور مردِ کامل کا لفظ آپؐ کی ذات پر خوب صادق آتا ہے۔ ۱۲ سگہ کے بعد یہ بندہ اپنے آقا سے بہت قریب رہا اور دوری میں بھی محمد اللہ قریب کی کیفیات سے مرشار۔ میں نے حضورؐ کو کیسا پایا اس کے لئے ایک دفتر چاہیے اور انشاء اللہ العزیز نے عنقریب حضورؐ کی سیرت پاک لکھی جائے گی۔ اور جزئیات کو بھی آجا کر کیا جائے گا اور یہ مسلم ہے کہ حسن جزئیات سے بنتا ہے ورنہ کلیات تو ایک منصب کے بہت سے آدمیوں میں تقریباً یکساں حیثیت میں رہتے ہیں حضورؐ کو جس کوشش سے دیکھا جائے عقل کو جیرانی کے سوا کچھ ملتا نہیں۔ کہ الہی یہ انفرادیت اور یگانگت تیری مہربانیوں کا وہ نمونہ ہے جو سالوں میں نہیں صدیوں میں دیکھا جاتا ہے۔

سہ قرنہا باید کہ تا صاحب دے پیدا شود بایزید اندر خراساں یا ادیسس اندر قرن

حضورؐ تے جذب و سلوک کی دونوں کیفیات کی خوب لاج رکھی۔ فندری کو بھی نبھا گئے اور سلوک کی منزلیں بھی آپؐ کو یاد کرتی رہیں گی۔ "کہ کوئی گزرا تھا" حضورؐ کی طبع مبارک ہمیشہ نجیٹ اور کمزور رہی۔ بیماری کو گویا حضورؐ سے محبت تھی پھر کسی نہ کسی جسمانی تکلیف میں مبتلا رہے۔ گرمی کے روزے کی شرت برداشت نہ تھی اس لئے ہمیشہ گرمی کے روزے ٹھنڈے مقامات پر رکھتے۔ دو مرتبہ کشمیر گئے۔ کوہ سکیسر پر قیام فرمایا۔ اور کھوڑہ تو گویا حضورؐ کا گرمیوں کا وطن بن گیا تھا۔ حج بیت اللہ کیا۔ کیا حج تھا اور کیا زیارت تھی۔ میں آپؐ کو کیسے بتاؤں کہ آپؐ کا حج اور زیارت کیسے تھے۔ سخاوت اور مروت میں آپؐ کی مثال دیکھنے میں نہیں آئی۔

دعا کا خاص انداز تھا ہاتھ اکثر لمبے ہو جاتے گویا ابھی ابھی اجابت کو ساتھ لاتے ہیں۔ اور جو ہاتھ اٹھا وہ کامیاب ہوتا۔ محبت الہی، قرب خداوندی اور معرفت الہی کا دریا سینے میں کھاٹھیں مار رہا تھا لیکن انہی کمالات کی تمنا بھی ہر وقت تھی۔ روحانی کمالات میں طبیعت مستحق بن جاتی ہے۔ کرامات کی کوئی حد نہیں۔ ہر آنے جانے والے نے دیکھا اور آزمایا۔ آپؐ کی ذات صبر و تحمل اور بردباری کا ایک عظیم پہاڑ تھی علم و عمل کا ایک خوبصورت مرکب

افراط و تفریط سے پاک اور مخلوقِ خدا کی بہترین خیر خواہ، آپ کی بصیرت قدرت کا ایک خوبصورت آئینہ تھی جس پر سامنے کی ہر تصویر نمایاں ہو کے آتی۔ اخفا کا یہ عالم تھا کہ کبھی اپنی زبان سے کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ دعویٰ تو کجا ہمیشہ کسر نفسی کے الفاظ سے رطب اللسان رہتے۔ حضور کی مجلس کا انداز بالکل نرالا تھا۔ حاضرین کی طبع گویا آپ کی طبع ہوتی۔ نہایت لطیف نرا منت تھی خود تبسم زیر لب ہو کر بات میں ایسی لطافت پیدا فرمادیتے کہ سننے والے ان کلمات سے جہاں خوش ہوتے وہاں حکمت کے موتی بھی رولتے۔ مریدین اور متوسلین و متعلقین کا غم خود حضور کا غم ہوتا تھا۔ اور کسی کی تکلیف سن کر چہرے کے آثار اور ہوجانے۔ حضور کے دو صاحبزادے حضرت بشیر احمد اور رشید احمد فوت ہو گئے۔ حضرت بشیر احمد کی وفات کے بعد ان کی یادگار ایک صاحبزادہ حضرت سعید احمد صاحب ہیں۔ حضور نے اپنے دامن تربیت میں لیا اور ہمیشہ پرانہ شفقت رحمت سے رکھا۔ حضرت خالد سیف اللہ صاحب حضور کے صاحبزادے ہیں تقریباً ساٹھ سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے آج ماشاء اللہ جوان ہیں۔ حضور نے ان کی دینی تعلیم کے لئے دنیوی تعلیم کو بھی ضروری سمجھا تھا اس لئے بی۔ اے تک تعلیم دلائی انہوں نے گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔ اے کا امتحان دیا۔ حضور کی طبع مبارک بیماروں کی عادی تھی بیماری آتی اور جاتی۔ اس مرتبہ بھی ہم اسی غلط فہمی میں رہے کہ چند روز کی تکلیف ہے چلی جائے گی لیکن یہ بیماری بیماری نہ تھی وصال محبوب کا پیغام تھا آئی اور اپنے ساتھ لے گئی۔ اور ہم غم نصیب ایک سال سے حضور کے فراق کی آگ میں جل رہے ہیں اور لطف یہ کہ آنکھوں کا پانی اس آگ کو اور بٹھکاتا ہے۔ حضور کا وصال ۱۹ جمادی الاول ۱۳۸۶ مطابق ۲۶ اگست ۱۹۶۶ء کو ہوا۔ اللہ تعالیٰ کوڑوں رحمتیں اس مقدس زمین پر نازل فرماوے جہاں حضور کا جسدِ اطہر زائرین کو گلاب کی خوشبو دے رہا ہے۔

انقلاب الحقیقت حضور کے قلم کا شاہکار ہے اور تصوف کی بہترین تعبیرات کا ایک خوبصورت مجموعہ اہل دل اور اہل ذوق کے لئے ایک بے بہا نعمت ہے، پڑھیں اور اپنے دل کی اصلاح کے لئے اس تقریر کو مرتبہ مشفق بنائیں۔ حضور کی بعض دوسری تصانیف بھی ہیں۔ مثلاً التوحید۔ طریقت کی حقیقت۔ قرآنی نظریہ حیات۔ سلوک و مقصد سلوک الہوی۔ صراطِ مستقیم۔ حقائق و معارف اور نسبیہ عمر۔ یہ سب تحریرات حقائق کے بیان میں اپنی مثال آپ ہیں اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ آپ پڑھنے کے بعد محسوس کریں گے کہ پہلے آپ کے اندر ایک کمی تھی۔ اور جب تک کوئی احساس بیدار نہیں ہوتا پہلی حالت اس بیداری احساں کے قائم مقام رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر غفلت سے بچائے اور ہر طرح کی بیداری عطا فرماوے۔ آمین۔

(فضل احمد)

گزارش احوال

حضور قبلہ عالم پیر و مرشد حضرت خواجہ محمد عمر بیر بلوچی رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کی بڑی خدمت کی۔ زندگی تصوف کی خدمت میں گزار دی۔ حقائق تصوف کی تعبیر جدید میں حضور سے بڑھ کر ہم نے نہ کوئی تحریر پڑھی، نہ کوئی تقریر سنی۔ اور حضور کو خود اس امر کا احساس تھا اور ہمیشہ خواہش رہی کہ لوگ حضور کی تحریریں پڑھیں اور سمجھیں۔ آپ فرماتے کہ لوگ تیرنی نگاہ سے اخبارات کی طرح فن کی کتابیں پڑھتے ہیں صاحب فن بھی اس طرح پوسے معانی اخذ نہیں کر سکتا چہ جائیکہ ملاپ فن حضور فرماتے "میری تحریریں بار بار پڑھیں تحریریں خود آپ سے ہم کلام ہوں گی اور اپنا مفہوم خود پیش کریں گی۔"

انقلاب الحقیقت میں نے اُس وقت پڑھی جب حضور کی محبت کی چوٹ دل پر تازہ لگی تھی۔ لفظ لفظ پر آنسو تھے اور فقرہ فقرہ پر گلگھی بندھ جاتی۔ بعد میں حضور کا دیدار ہی اور آپ کی گفتار ہی آپ کی تحریرات کی قائم مقام رہی۔ آپ جو کچھ لکھتے وہ بار بار بیان بھی ہوتا۔ صرف پڑھنے میں تو دیدار یار کی کمی بھی رہتی لیکن سننے میں تو یہ نسبت دو آتشہ جو مانی۔ سبحان اللہ! اب جبکہ حضور کی آواز لطیف پر دوں میں چلی گئی اور ہمارے کان مادی بندھنوں سے پوری طرح فارغ نہیں تھے۔ اب حضور کی تحریریں آپ کی مجلسوں کی قائم مقام ہیں اور حیرانی ہے کہ تحریریں مجلس کی پاشنی موجود ہے۔ اور دیدار کا لطف تو جن کا مراقبہ اور تصور سچتہ ہے وہ لے ہی لیتے ہیں۔

۵۔ دل کے آئینے میں ہے تصویر یار۔ جب ذرا گم دن جھکائی دیکھ لی

انقلاب الحقیقت ختم ہوئی تو حضور کو یہ دلی شوق تھا کہ اب کے اس کی کتابت و طباعت کی نوعیت پوری طرح نئے ذوق کے تقاضے اپنے اندر رکھتی ہو۔ لیکن حالات سازگار نہ تھے ادارہ تصوف سلسیل کی ذمہ داریوں سے بھی بصد مشکل عہدہ برآہور ہا تھا۔ تا آنکہ ملک محمد امین شرفپوری مرحوم نے کسی بھلے وقت میں اس کا مطالعہ کیا اور بہت محفوظ ہوئے اور کسی مجلس میں مجھے کہا کہ میں انقلاب الحقیقت کے تمام اخراجات برداشت کرونگا اب انقلاب الحقیقت اپنے جدید حاشیوں سے بھی مزین تھی۔ کسی کتاب کے حُسن کو کاتب کا فن کمال دو بالا کہہ دیتا ہے۔ میری نگاہ انتخاب وقت کے بہترین کاتب قریشی محمد صدیق صاحب المعروف الماس رقم پر پڑی وہ کافی مدت سے مجھے محبت اور عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ الماس رقم صاحب نے کتاب لکھی۔ جب امین شرفپوری کے سامنے کاپیاں مکمل پیش کی گئیں تو انہوں نے کتابت کی اجرت نواد اکر دی لیکن کاغذ کی مہنگائی سے وہ خائف تھے۔ تاخیر مناسب سمجھی۔ حاشیہ لکھنے اور کتابت میں اتنی دیر لگی تھی کہ حضور پیر و مرشد رحمۃ اللہ علیہ اس تاخیر پر

کچھ پریشان سے تھے جب میں نے ملک محمد امین صاحب کی ارادی تاخیر کا ذکر کیا تو حضور فرمانے لگے کہ
 ”اچھا چھپاتے رہنا“

میرا ماننا تھا وہیں ٹھنکا تھا کہ خدا خیر کرے یہ الفاظ کسی بھاری حادثے کی اطلاع دیتے ہیں۔ حکمت الہی محمد امین صاحب
 تو کتاب چھپواتے چھپواتے جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔ اور حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی وفات کا رنج
 بھی ہوا اور کتاب کی تاخیر کے لئے بھی آپ کچھ پریشان سے ہوئے۔ لیکن بہت ہی قلیل مدت گزرنے پائی تھی کہ
 قبلہ عالم جانِ جہان بھی ہمیں داغِ جدائی دے گئے۔ یہ سال سارا غم کا سال تھا۔ ہماری آہوں کے دھوئیں ابھی ختم
 نہیں ہوئے۔ اور دل کے ریزے ابھی جڑے نہیں تاہم حضور کی تمنا کہ انقلاب الحقیقت عمدہ روپ میں
 آئے۔ اس کے لئے ہم پوری جدوجہد کرتے رہے۔ اب عروسِ مبارک قریب تھا اور حضور کی روح مبارک
 کا فیض بھی ادھر متوجہ ہوا۔ اگرچہ مشکلات پہلے کی طرح موجود تھیں لیکن ہمت نے پھپھڑاٹے اور پتھر سے کی تیلا
 ٹوٹ گئیں۔ کاغذ ادھار مل گیا۔ اور باقی طباعت اور جلد وغیرہ کے مراحل بھی بفضلہ تعالیٰ اسی طرح طے ہو گئے۔
 تشبیہ۔ کتابت۔ طباعت۔ جلد وغیرہ سے مرکب آسمان کا ایک زیور آپ کے سامنے ہے۔ اس کو اپنے بازو کی زینت
 بنائیں اور انشاء اللہ یقین ہے کہ فیض کا یہ در بے بہا آپ کو فانی نہ چھوڑے گا اور روحانیت کی لطیف لہریں آپ
 کے طلبگار دل میں داخل کر دے گا۔ روحانیت کا راستہ طلب کی سوار سی سے اگر طے کیا جائے تو یہ کیسٹن منزل آسان
 ہو جاتی ہے۔

اب آپ انقلاب الحقیقت کے بارے میں قلم دیکھو پیر و مرشد مصنف علیہ الرحمۃ کی اپنے ہاتھ کی
 تحریر جو اپنی وفات سے چند ماہ پہلے آپ نے لکھی تھی اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں۔

(فضل احمد) مسجد عمر احمد پارک۔ موسیٰ روڈ لاہور۔ ۲ اگست، ۱۹۸۷ء بعد جمعہ

بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّیْ اللّٰهِ حَسْبِیْ اللّٰهُ، اَعْتَصَمْتُ بِاللّٰهِ، اَشَاءُ اللّٰهُ، لِقُوَّةِ اِلّٰہِ اللّٰہ۔ طالبان حقیقت کا سپہم مطالبہ تھا کہ
 ”انقلاب الحقیقت“ جلد شائع کی جائے۔ تبلیغ تصوف میں اس سے بڑھ کر کوئی کتاب نہیں ہے۔ لیکن مہنگائی کے
 اس دور میں فیقروں کے ادارے کے لیے اخراجات طباعت ہم پہنچا نا جوئے شیر لانے ہے۔ بعض مخلص احباب، مثلاً
 ڈاکٹر عبید الرحمن صاحب (ایم۔ بی۔ بی۔ ایس سرگودھا) میاں حمید الدین احمد صاحب (ماڈل ٹاؤن لاہور) اور
 سید عبد السلام صاحب (مالک آفتاب عالم پریس لاہور) کی مساعی نے ہمارے لیے یہ مشکل حل کر دی۔

فجزاءہم اللہ خیر الجزا۔
 الحمد للہ، تیسرا ایڈیشن شائع ہو گیا۔ آپ محبت اور توجہ سے پڑھیں۔ بار بار پڑھیں۔ تاثیریں آپ کے پڑھنے
 کی منتظر ہیں۔
 ناچیز، فضل احمد۔ مورخہ ۲۸ رجب المرجب، ۲ جون ۱۹۸۱ء

حضور قبلہ عالم

کے اپنے قلم سے



انقلاب الحقیقت کے طبعِ اول کے وقت فقر غالب تھا۔ فقر نے ہی جو کچھ لکھوایا، لکھوایا۔ نہیں خود نہ تھا اور ظاہری حال بھی فقر سے پر تھا۔ یعنی تنگ دستی اور تہی دستی۔ ہر طرف قرض ہی قرض تھا اور بیوی کے زیور بیچ کر طباعت کرائی گئی۔

خیال تو تھا کہ اشاعت کے ساتھ ہی مصارف بھی آجائیں گے کیونکہ حضرت قبلہ میاں صاحب کے چہلم پر جو کتابچہ میاں حسن علی نے شائع کیا تھا جس کے کل صفحات ساٹھ ستر کے قریب تھے وہ ایک ہی مہینہ میں تمام کا تمام نکل گیا۔ اب تازہ تاثرات نہ تھے۔ اہل طریقت کو دنیا جانتی ہے۔ کہ تصوف کی بنیاد مشاہدہ، محاذہ اور مکالمہ پر ہے یعنی مسند ارشاد کا دیکھنا رکھنا اور سنا سنانا۔ کسی صورت بھی وہ مطالعہ کتب کو مراقبہ حضور پر ترجیح نہیں دیتے۔ انہ کا وقتہ مراقبوں میں گزرتا ہے۔ مطالعہ میرے اپنا وقتہ لایگا ہے نہیں کرتے۔ بایں ہمہ متقدمین صوفیائے کرام اور اولیائے عظام پڑھنے پڑھانے تھے لکھتے تھے لکھواتے تھے بھلا کونسا مالک ہے جو قرآن حکیم، حدیث پاک، فقہ اور کیفیت تصوف سے بے نیاز ہو سکتا۔ سینکڑوں کتابیں تصوف پر صوفیائے کرام نور اللہ مرقدہم نے لکھیں اور ہزاروں کا مطالعہ فرمایا۔ وہ مراقب بھی ہوتے تھے اور مطالعہ بھی فرماتے تھے اور درس تدریس سے بڑھ کر مسند رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بیٹھ کر وعظ فرماتے تھے۔

اس صورت میں کتاب کیا فروخت ہوتی چنانچہ میں نے جب انقلاب کے چند نسخے حضرت شاہ صاحب کیلیا نوالے کی خدمت میں پیش کئے تو فرمایا کہ اگر حضرت میاں صاحب کے حالات ہیں تو ہم اس سے زیادہ جانتے ہیں۔ اگر کچھ اور

لے حضرت اعلیٰ میاں شہر محترم قہوری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں بعض اور کتابیں بھی لکھی گئیں۔ خزینہ معرفت، حیات جاوید۔
آفتابِ ولایت۔ شیر بانی وغیرہ۔

ہے تو ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔

لیکن مستعد اور صاحب ذوق طبائع جن کا میلان علمی ہوتا ہے وہ ہر صورت گاہ گاہ ذوق مطالعہ سے بھی مرشار ہوتے رہتے ہیں۔ میری کتاب کی قیمت تو وہی تھی جو پہلے دن مجھے پچاس ساٹھ روپے مل گئے باقی میں نے مفت تقسیم کی بفضلہ تعالیٰ کتاب میں جامعیت و جاذبیت کامل اور ترتیب اعلیٰ تھی۔ اس لئے صاحب ذوق اور صاحب علم حضرات نے اسے بہت پسند کیا۔ اور علمی حلقہء طریقت سے میرے دستورِ تصوف کے طور پر تسلیم کئے گئے۔

تین سال بعد حضرت نور الحسن شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں کسی غیر معروف ذریعے سے انقلاب پہنچی تو سرسری مطالعہ سے اس کی جاذبیت اور جامعیت پر آپ کی تیز نگاہیں پہنچ گئیں۔ مطالعہ کے بعد جو مکتوب آپ نے لکھا وہ قریباً چار صفحات کا ہے۔ جس میں لکھا "میں شکستہ مکرکضا۔ کتاب پڑھ کر کمر ہمت بندھ گئی" ایسے ہی بہت سے اکابرین کے خطوط موصول ہوئے۔ ملک محمد امین صاحب شرفپوری بھی اسی زمرہ کے اصحاب میں سے ہیں کہ جن کے دل پر انقلاب کی تخریب کا کامل اثر ہوا۔ ایک صاحب فن ادیب اور مصنف ہونے کی حیثیت سے ان کو اتنی پسند آئی کہ اکثر اپنی تخریبات میں اس کے اقتباسات اور حوالہ بات دیتے رہنے لگے۔

اب کتاب نایاب ہو گئی۔ اور اصحاب ذوق کو تلاش ہوئی جب ان کو پتہ دیا گیا کہ کتاب ختم ہے تو بعض اصحاب نے نہایت فراخ دلی سے اس کی اشاعت کی ذمہ داری پیش کی۔ لیکن سب سے بڑھ کر ملک محمد امین صاحب مدیر آئینہ وغیر نے کہا تمام اخراجات خود برداشت کریں گے۔ اور طباعت کے بعد تمام نسخہ جات ادارہ کے حوالہ کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے اور اس خدمت کے بدلے ان کے کاروبار میں برکت ہو۔ لیکن کتابت کا مرحلہ حاجی فضل احمد صاحب کے ذمہ ڈالا گیا۔ مولانا نفاست پسند ہیں اور انہیں اس کتاب کے ساتھ گہری دلچسپی ہے۔ اس لئے انہوں نے کتابت کے لئے الماس رقم کو منتخب کیا جو سینکڑوں کاتبوں کے استاد ہیں۔ چنانچہ ان کی کثرت کارگزاری کی وجہ سے ڈیڑھ دو برس میں کتابت تکمیل کو پہنچی۔ اور کتابت کی غلطیوں کی تصحیح کے بعد اب دفتر آئینہ میں بھجی جا چکی ہے اور جلد ہاتھوں میں پہنچے گی لیکن جیسا میں اپنے مضامین میں لکھ چکا ہوں کہ میری تخریبات بغیر توجہ نہیں سمجھی جاتیں۔ اور اس نکتہ پر بہت کم لوگ پہنچتے ہیں جس نقطہ نظر سے میں نے لکھا ہوتا ہے۔ اس لئے میں درخواست کروں گا کہ میری تخریبات کو بار بار پڑھا جائے۔ خصوصاً انقلاب کو۔ یہ بہت بڑی کتاب مسائل سلوک پر ہے اور میاں صاحب کے حالات کے خدو خال دکھانے کے لئے عوام الناس سے لے کر خواص تک اور شکی مزاج لوگوں سے لے کر صاحب یقین تک اپنے مطالب ان کے مزاج کے مطابق انشاء اللہ پیش کرتی رہے گی۔ طریقت سے ناواقف لوگوں کو طریقت سے روشناس کر لے گی۔ سالکوں کے لئے رہنمائی کریگی۔

اور شبکیوں کا شک دُور کرے گی اور صاحب یقین لوگوں سے خراجِ تحسین وصول کرے گی۔

طبع ہذا میں اسما ماکنہ اور مصطلحات تصوف کی وضاحت کے لئے ہر صفحہ کے نیچے تعلیقات دے دیئے گئے ہیں۔
تعلیقات مکہ می حاجی فضل احمد نے وضاحت کے لئے دے دیئے ہیں۔ بعض معلومات مہیا ہو گئے ہیں لیکن اصل افادیت اور مقصدیت کچھ آپ کی اس وقت پوری ہوگی۔ جبکہ کتاب ہذا کی فہرستیں مکمل ہوں گی۔ پہلی فہرست انقلاب کی حسب تخریب
دوسری فہرست ذکر محبوب الواصلین کی جس میں میاں صاحب کے حالات۔ افکار۔ تصرفات۔ عادات۔ انکشافات
ایک مجموعی صورت میں لکھے جائیں گے۔ اور تیسری صورت میں مسائل السلوک و التصوف مکمل طور کتاب ہذا سے دکھانے
کی کوشش کی جائے گی۔ یہ فہرستیں حاجی صاحب موصوف ہی تیار کر رہے ہیں ان کا خاتمہ لکھتے وقت ہی ذہن میں تھا۔
کہ ہر پیرا گراف کا خلاصہ عنوان کی صورت میں لکھایا جائے۔

آخر میں میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے مقبولیت سے عام نصیب فرمائے تاکہ لوگ
تصوف سے روشناس ہو سکیں۔ آمین !

طالب دعا: محمد عمر کار، اللہ اکبر



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط
وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ط

اگرچہ جو کچھ اب میں لکھنا چاہتا ہوں۔ وہ اسرار ہیں۔ اور اسرار کے ظاہر کرنے کا انجام بھی وہی ہے۔ جو منصور علیہ الرحمۃ کا ہوا۔ تاہم آیہ تشریفہ کو مد نظر رکھ کر اپنے مکرم بزرگ و دوست اور مہربان کا ارشاد بجا لاؤں گا تو شاید میرے لئے یہی وسیلہ نجات ہو اور کسی دوست کو اس سے فائدہ پہنچ جاوے

هوالمستعان وعليه التكلان ونبتعين

خوشتر آں باشد کہ سر لبر آں ^۵گفتہ آید در حدیث دیگر آں

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمُ الْآيَةُ الْحَقُّ

أَوَلَمْ نَكُفِّ بِرَبِّكَ أَنَّ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَاهِدٌ

۴
الَّا إِلَهُهُمْ فِي مَرِيَّةٍ مِنْ لِقَاءِ رَبِّهِمْ أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ

- ۱۔ اپنے رب کی نعمتوں کا بیان کرو۔
- ۲۔ منصور علاج علیہ الرحمۃ سابقین اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ جذب و مستی کی انتہا میں پہنچ کر انا الحق کہہ دیا۔ عطا وقت نے کفر کا فتویٰ لگایا اور حکومت وقت نے تختہ دار پر لٹکا دیا۔
- ۳۔ حضرت موصی محمد ابراہیم صاحب قصوری، مصنف "خزینۃ معرفت"
- ۴۔ وہی (اللہ تعالیٰ) مددگار ہے اور اسی پر بھروسہ ہے اور اسی ہی سے ہم مدد طلب کرتے ہیں۔
- ۵۔ بہتر یہی ہے کہ دوستوں کی رائے کی باتیں، دوسروں کی باتیں کہہ کر بیان کی جائیں۔
- ۶۔ عنقریب ہم ان کو جہان میں اپنی آیات دکھلائیں گے اور ان کے اپنے نفسوں میں (بھی دکھلائیں گے) یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے کہ وہی حق ہے۔ اور تیرے لیے اتنا کافی نہیں کہ وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔
- ۷۔ آگاہ ہو کہ وہ لوگ اپنے رب کی ملاقات کے سلسلے میں شک میں ہیں اور آگاہ رہو کہ وہ (اللہ تعالیٰ) ہر ایک چیز کو اپنے اعطی میں لیے ہے۔

چونکہ مضمون کا تعلق اور بیان اسی آیت شریفہ سے ہے۔ اس لئے تبرکاً اسے لکھ دیا گیا ہے۔

بارگاہ الہی سے استدعا ہے کہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے سچے تابعوں کی برکت سے نفس کے شرور اور دھوکوں سے مجھے محفوظ رکھے تاکہ جو کچھ قلم لکھے۔ وہ پاک و پاک ارادہ پاک خیال سے لکھے۔

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ نَفْسِي وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِي
وَمَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ
وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ
وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ

صلی اللہ علی نور کز و شد نور با پیدا زمین از حرب اوساکن فلک در عشق او شیدا

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس ذات بابرکات نے ہر ایک چیز کی تربیت اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ کیا انسان اور کیا حیوان اور کیا نباتات سب اس ذرہ نوازی سے سرفراز۔

جب اس نے مجھے ظاہری علوم ضروریہ سے فارغ کر لیا۔ اور کالج کی ملازمت سے سیر کر دیا۔ تو میری باطنی اور دینی علوم کے حصول کی نوبت آئی۔ میں حیران ہوں کہ کس طرح اس سب

۱۔ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں اپنے نفس کی شرارتوں سے اور اپنے اعمال کی بُرائیوں سے اور جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جس کو وہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت سید المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا درود اس نور مجسم پر ہو جس سے نور پیدا ہوئے۔ زمین اس کی محبت میں ساکن ہے اور آسمان اس کے عشق میں سرگرداں۔

سے بدل کر مجھے اس رُخ لے آئے۔

کالج کی ملازمت میں ہی مجھے ٹرنینگ کالج میں عربی زبان کی تعلیم کے لئے جانا پڑا۔ خوش قسمتی سے کالج کے پروفیسر قاضی ضیاء الدین صاحب ایم۔ اے مرحوم جو نہایت شریف النفس اور صوفی آدمی تھے۔ حضرت میروی علیہ رحمۃ اور خاندان لہبی علیہ الرحمۃ سے باطنی تعلق رکھتے تھے۔ اور دینیات کی سند دیوبند کی رکھتے تھے۔ گویا وہ ظاہری عالموں اور باطنی صوفیوں کی درمیانی کڑی تھے۔ ان کے ایما سے ترجمۃ القرآن المجید کے لئے مولانا حاجی احمد علی صاحب کی خدمت میں حاضر ہونا رہا۔ اور چھ ماہ کے عرصہ میں مجھے اتنی مہارت ہو گئی کہ بلا تردد مطالب قرآنی ذہن میں آنے لگے۔ **فللہ الحمد حمداً کثیراً۔**

واقعات کے تبدیل و تغیر نے بلا تکلیف اور بلا تکلف مجھے ملازمت سے الگ کر لیا اور گھر میں رہنے لگا۔ آبا و اجداد علیہم الرحمۃ کا پیشہ علم و فقر ہی ہو چکا تھا۔ علوم مشرقیہ کے علمی امتحانات کی سندیں لینے کے بعد گو مجھے اہل علم میں بیٹھنے سے جھجکا نہ رہی۔ لیکن میں خوب جانتا ہوں۔ کہ آبائی ورثہ سے مجھے بہت ہی کم حصہ ملا۔ تاہم شکر۔

مگر باطنی ورثہ سے ابھی تک بالکل محروم تھا۔ تاہم مرشد زادوں کی طرح سلسلہ بیعت جاری ہو گیا۔ اور مخلصین بزرگوں کی جماعت میں آنے جانے لگا لیکن اپنی کمی خوب محسوس تھی۔ تاہم ایسے مرشد کا داعیہ بھی پیدا ہو گیا۔

متواتر دو اڑھائی سال شب و روز یہ جذبہ ترقی کرتا گیا۔ اور اپنی محرومی پر کبھی کبھی سخت

۱۔ کالج (۱۹۱۳-۱۹۱۹) مراد اسلامیہ کالج پشاور۔ ۲۔ قاضی صاحب مرحوم ایم۔ اے، حکیم مولوی محمد حسین صاحب کے صاحبزادے تھے۔ چکوال ضلع جہلم کے علمی خاندان کے ایک عظیم فرد تھے۔ ۳۔ میر اثر شریف ضلع کیمیل پور سے نسبت سے جہاں حضرت مولانا خواجہ صاحب حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اس آخری دور میں بڑے کامل ولی اللہ گزرے ہیں وفات ۵ محرم ۱۳۲۵ھ۔ ۴۔ اللہ شریف سے نسبت ہے جہاں ایک مرد کامل اکمل حضرت غلام نبی لہبی رحمۃ اللہ علیہ ہوئے ہیں جو لہبی خاندان فقہ کے مورث اعلیٰ اور حضرت اعلیٰ مرشدنا غلام مرتضیٰ بیروبی کے پیر مرشد تھے (دقائق الیقین الاصل ۳۲۸) ۵۔ پس اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہر قسم کی زیادہ سے زیادہ تعریفیں ہیں ۶۔ اگرچہ اس اعلیٰ خاندان کے اکثر افراد علم و معرفت میں اپنے وقت میں مشہور ہوئے ہیں۔ لیکن حضرت مرشدنا غلام مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ تو علوم ظاہرہ و باطنیہ کے بحر فقار تھے۔ ۷۔ باطنی ورثہ سے مراد حقائق فقر و تقصوف ہے جو حضرت قبیلہ عالم (مصنف) دام ظلہ کے آبا و اجداد کی خاص دولت تھی (محشی) ۸۔ داعیہ: خواہش۔

مابوسی ہو جاتی تھی۔ تاہم دعا اور التجا کا پہلو ہاتھ سے نہ جانے دینا۔ بعض اوقات جب میں الگ بیٹھتا تو یہی خیال مجھے گھنٹوں گردش دیتا رہتا تھا۔ کہ الہ العالمین کب مجھ جیسے نسکی طبیعت کو اطمینان نصیب فرماویں گے۔

ساتھ ہی میں نے جستجو اور تلاش بھی شروع کر دی۔ کسی ایک بزرگوں کی زیارت اور نیاز صرف اسی غرض سے حاصل کی۔ جو اپنے فن میں باکمال تھے۔ اجاہل بھی دریافت کیا جو اس فن میں مدعی تھے۔ اپنے سلسلہ کے بزرگوں کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ کہ شاید وہ مقصود کو ہر سے بھر جائے۔

لیکن شبہاً طریقیت سرتاج عرفان و حقیقت حضرت قبلہ جدامجد حضرت مولانا و مرشدنا حافظ غلام مرتضیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت سے مشرف تھا۔ گو ابھی میرا سن شباب پندرہ سال کا ہی ہو گا کہ آپ کا وصال ہو گیا تھا تاہم آپ کے اخلاق و عادات نشرت و برخواست اور حال و قال کا دل پر گہرا اثر تھا۔ اور عالم و صوفی جانچنے کے لئے ہر وقت وہ تصویر اور نقشہ اور ترازو موجود تھا۔ گو کہ آپ کی ذات بابرکات دنیا میں مشہور نہیں لیکن اس آہستی علم کے برابر میں نے ابھی تک کسی ایک کو بھی متبحر نہ پایا۔ شاید بعض کے دلوں میں شک پیدا ہو جاوے کہ جس نے سمندر نہ دیکھا۔ وہ ایک حوض کو بھی سمندر جانتا ہے۔ نہیں بلکہ مجھے اپنے زمانہ کے بڑے بڑے علمائے کرام کی شاگردی اور تلمذ کا فخر حاصل ہے۔ اور بہت بزرگان علم سے نیاز خاص رکھتا ہوں۔ میرے اساتذہ میں سے مولانا عبداللہ ٹونکی مرحوم اور مولانا حافظ

۱۔ جب کوئی تمنا صحیح معنوں میں پیدا ہو جائے تو اس کے لیے دعائیں دل کی گہرائیوں سے نکلتی ہیں۔

۲۔ جتنا علم میں مرتبہ زیادہ ہو گا اتنا ہی طبیعت میں شکوک زیادہ ہوں گے کیونکہ ذرا علم شک ہی ہے۔

۳۔ اس سے مراد لہی خاندان ہے کیونکہ حضرت اعلیٰ غلام مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ کا پیرخانہ یہی ہے۔

۴۔ حضرت غلام مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ کامل ولی اللہ اور متبحر عالم تھے۔ کتاب انوار نقوی آپ کی مختصر سی سوانح عمری ہے۔ (وفات ۱۳۲۱ھ)

۵۔ مولانا عبداللہ ٹونکی اور نیٹیل کالج کے پرنسپل تھے اور ہمارے قبلہ و کعبہ ام طلقہ نے اور نیٹیل کالج ہی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔

۶۔ حافظ ذریعہ صاحب سے مراد شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد صاحب دہلوی مصنف کتب کثیرہ و ترجمہ القرآن ہے۔

نذیر احمد صاحب مرحوم جیسے منطقی اور ادیب اور فخر العلماء جناب مولانا کفایت اللہ صاحب جیسے محدث بھی ہیں۔ اکثر پر و فیسران علوم ترقیب سے مجھے نیاز حاصل ہے لیکن وہ ذات بابرکات کچھ اور ہی تھی۔ وہی فیصلہ کر سکتے ہیں۔ جن لوگوں نے آپ کی زیارت کی اور آپ کی علمی مجلسوں میں شامل ہوئے اور پھر دوسرے ائمہ فن کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کا علمی و عملی مقابلہ کرتے رہے صوفیائے کرام میں علم بھی ہیں اور عامل بھی کسی سے مجھے انکار نہیں۔ اور ہر ایک سے نیاز و عقیدت بھی ہے لیکن ان کے برابر کسی کو کہنا گناہِ عظیم جانتا ہوں۔

اس پر میں نے اکتفا نہ کی کہ بزرگانِ نقشبندیہ تک ہی تلاش محدود ہو بلکہ خاندانِ چشتیہ اور قادریہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے حضرات اور شیوخ کی زیارات بابرکات سے بھی شرف اندوز ہوا کہ شاید طبیعت کا میلان اور فاقم ہو جائے۔ اور کوئی کیریم النفس اس رو سیاہ کو اپنی غلامی کے حلقہ میں لے لے لیکن سولے حرمان کے کچھ نصیب نہ ہوا۔ کیونکہ اس عالی فطرت انسان جیسا کوئی مثال اور نظر نہ آیا۔

آخر عرس مجدد علیہ الرحمۃ پر حاضری کا ارادہ صرف اسی غرض سے کیا کہ صوفیوں کے مجمع میں کوئی ایسا شہ باز ہوگا۔ جو مجھے شکار کئے بغیر نہ چھوڑے گا۔ اور میری یہ پریشانی و نرد و جاتا رہے گا۔ چنانچہ قصور شریف کے مزارات پر انوار اور حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ مبارک پر یہی التجار ہی۔ روضہ کے آخری فاتحہ پر میرے آنسو گر رہے تھے۔ اور میری زبان اور دل یہی کہتا ہوا باہر نکلا۔ کہ الہ العالمین اپنے اس اولیائے مجدد و اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے مجھے

۱۔ مولانا کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ امینیہ دہلی کے شیخ الحدیث تھے۔

۲۔ فرق مراتب ضروریات عقلی اور دینی میں سے ہے۔

۳۔ نقشبندیہ۔ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب خاندان تصوف ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی

رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی نسبت میں تربیت سالکان فرمائی۔ وفات ۳ ربیع الاول ۷۹۱ھ

۴۔ چشتیہ۔ حضرت خواجہ احمد ابدال ساکن چشت (المتوفی ۷۳۵ھ) سے یہ سلسلہ فقر شروع ہوا۔

۵۔ قادریہ۔ حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب خاندان تصوف ہے۔

۶۔ مماثل۔ مانند، اس سے مراد حضرت غلام مرتضیٰ بیر بلوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۷۔ قصور شریف کے مزارات سے مراد حضرت خواجہ غلام محی الدین قصوری رضوی رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۲۲ ذیقعد ۱۲۰۷ھ) اور حضور کے ماجزادہ عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ

(وفات ۲۱ محرم ۱۲۹۵ھ) جو کمال ولی اللہ تھے۔ خواجہ غلام محی الدین قصوری: حضرت غلام نبی لہی کے پیر و مرشد تھے۔

ایسا رہنمائی جس پر میری تمام ارادوں کا خاتمہ ہو جاوے۔ اور میری طمانیت کا باعث ہو۔
 ایک طرف یہ حالت تھی۔ اور دوسری طرف میری نگاہیں تلاش میں تھیں۔ کئی ایک
 بزرگوں کی مجھ پر خاص طور پر نظر الفت بھی تھی۔ اور مجھے اُن سے نیاز بھی تھا۔ لیکن اُن کے حسن و
 جمال میں وہ ادا نہ تھی۔ جو مجھ جیسے فلسفی یا شکی طبیعت کو شکار کر سکتی تھی کہ بعض بزرگوں سے
 موذبانہ طریقہ سے میں نے یہ بھی عرض کر دیا۔ کہ موجودہ زمانہ میں کوئی ایسا نہیں ملتا جو صاحب
 حال و قال یکجا ہو۔ جتنے دیکھنے میں آئے یا صاحبِ قال ہیں یا صاحبِ حال۔ جواباً فرمایا۔
 کہ ایسی نسبت عنقا ہے۔ اب تو کسی کے پاس بیٹھنے سے کچھ فائدہ باطنی ہو جائے تو نعمت
 ہے۔ لیکن اس جواب نے مجھے کوئی تشفی نہ بخشی۔ بلکہ پہلے سے بھی زیادہ آتش اشتیاق بھڑک
 اٹھی۔ کیونکہ میں نے حضرت قبلہ جدامجد رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا تھا کہ وہ ایک طرف عالم قہر تھے
 اور تصوف کے باریک سے باریک مسائل کو معمولی اور آسان الفاظ میں ذہن نشین کر دیتے۔
 تو دوسری طرف آپ کی ایک ہی نظر مردہ دلوں کو زندہ کر دیتی تھی۔ ایک طرف وہ سنت کی
 پورے پیرو اور عاشق تھے۔ تو دوسری طرف خرق و کراوات کا سرچشمہ۔ عالم جاہل کیساں آپ
 سے فیض اٹھاتے۔ اور علمیت و جہلیت کی پیروی دونوں سے اٹھ جاتی۔ اور نبی کریم صلی اللہ
 علیہ وآلہ وسلم کی مجالس کی طرح کہ وہ صغیر و کبیر ادا نے والے فیض یاب ہوتے تھے۔ کسی سے
 خاص خطاب کرنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ اپنے اپنے فہم و ادراک کے مطابق لوگ مطالب و معافی
 سے لبریز ہوتے۔ جو نگاہ ایک جاہل کے مسحور کرنے کے لئے تھی۔ وہی ایک عالم کے شیدائی

۱۔ ارادت بمعنی عقیدت اور مرید کا لفظ اسی ارادت سے مشتق ہے۔

۲۔ حال و قال :- حال : نسبت باطن جب کسی سالک پر ظاہر ہو جائے تو اس ظہور کو حال کہتے ہیں اور جس پر ظاہر ہو وہ
 صاحبِ حال کہلاتا ہے۔ قال : نسبت باطن کا صرف علمی بیان قال کہلاتا ہے۔ قال کے معنی بات چیت اور بیان اور
 باطنی امور کے متعلق علمی بیان کرنے والا صاحبِ حال کہلاتا ہے۔

۳۔ نسبت : تعلق کو کہتے ہیں اور اصطلاح صوفیہ میں وہ باطنی تعلق باللہ ہے جو تمام احوال و کیفیات میں جان اور روح کی صورت قائم رہتا ہے۔
 ۴۔ مردہ دل سے مراد یاد خدا سے غافل اور غفلت کی انتہائی زد میں آیا ہوا کوئی محروم انسان ہے۔

۵۔ خرق : خرق کے لفظی معنی پھاڑنے کے ہیں۔ یہاں مراد عادت کے خلاف ظہور میں آنا۔

۶۔ علم کا تکبر نہیں رہتا تھا اور جہالت کی بے ادبیاں بھی نہ رہتیں۔

۷۔ مسحور : جس پر جادو کیا گیا ہو۔ سحر کے معنی جادو کے ہیں یہاں مراد ہے یورپی طرح متاثر ہونے والا۔

کرنے کو کافی تھی۔ سلف صالحین کا طریقہ تھا۔ بناوٹ اور تکلف کو اس میں دخل نہ تھا۔ دیکھ کر خدائے ذوالجلال یاد آجاتا تھا۔ ادب کی وجہ سے بے حس حرکت تمام دکھائی دیتے تھے۔ کسی دوست کو یہ وہم نہ اٹھے کہ جتنے سلاسل کے بزرگ ہیں وہ ان اوصاف سے بالکلہ خالی تھے معاذ اللہ خالی نہیں اپنی اپنی جگہ سب اچھے اور اپنے اپنے اخلاص مندوں کے لئے وہی آفتاب و مہتاب ہیں۔ لیکن ایک ایسی طبیعت کے لئے جس نے بچپن کی پرورش ایک صوفی کامل کے زیر سایہ پائی ہو۔ تعلیم و تعلم انگریزی کالجوں میں کی ہو۔ اور اس کی بود و باش و سیرت و فلسفیت کی فضا میں رہی ہو۔ جس کے دوست شیخہ۔ وہابی۔ نیچری وغیرہ رہے ہوں جہلا اس کی طبیعت کیونکر ظاہری نمود پر جم جائے۔ جب تک وہ ٹھوس نہ دیکھے اور نمود سے بڑھ کر اندر کی حقیقت نہ دیکھ پائے۔ جہاں کہیں ذرا خامی دیکھی بھاگ اٹھی۔

کسی زمانہ میں حضرت عبدالخالق صاحب کی لاہور میں زیارت ہوئی تھی جب کہ آپ بیمار تھے اور معالجہ کے لئے تشریف لائے تھے۔ میں اجنبی تھا۔ دُور سے سلام عرض کر کے چٹائی پر بیٹھ گیا۔ صورت سیرت سلف صالحین کی طرح تھی۔ اور پرانے بزرگوں کی بُو آتی تھی۔ کچھ دیر کے بعد جب دُور سے سلام و نیاز کر کے رخصت ہونے لگا۔ تو اپنے مصافحہ کے لئے دونوں ہاتھ بڑھا دئے۔ میں مجبوراً آگے بڑھا۔ مصافحہ کیا۔ آپ نے اپنا دست مبارک میرے چہرے پر میرے سینہ پر پھیرا۔ اور ایک طویل دُعا دست اٹھا کر التجا نکال کر فرمائی۔ اور مجھے ذکر و فکر میں رہنے کی تاکید فرمائی۔ ”کہ روزے چند است عاقبت با خداوند ہے“ اس کے علاوہ آپ نے مجھ سے

۱۔ سلف صالحین۔ سلف کے معنی گذشتہ بزرگ۔ یہ خلف کی ضد ہے اور خلف کے معنی بیٹا۔ صالحین صالح کی جمع ہے مراد نیک لوگ۔
 ۲۔ ذوالجلال۔ بزرگی والا (اللہ تعالیٰ)۔ سلاسل جمع سلسلہ اور سلسلہ کے معنی زنجیر، یہاں مراد خدا کو ڈھونڈنے اور پانے کے وہ سلسلے جو بعض خاص خاص بزرگوں کی نسبت سے منسوب کئے۔ مثلاً سلسلہ نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ وغیرہ۔ عکس دہریت۔ دہریر ہونا، یعنی خدائے وحدہ لاشریک کو زمانا اور زمانے کو قدیم ماننا اور ہر قسم کے تغیرات دہر (زمانہ) سے منسوب کرنا۔ فلسفیت یعنی معنی دلائل ہی سے ہر چیز کو سمجھنا اور مافوق الادراک اشیاء مثلاً جنات۔ ملائکہ اور عالم امر وغیرہ کا انکار کرنا ہے۔ نیچری۔ دہر ہر قسم کے لوگ۔
 ۳۔ حضرت عبدالخالق رحمۃ اللہ علیہ، ساکن بستی جہان خیلان ضلع ہوشیار پور، نقشبندیہ سلسلہ کے بزرگ تھے۔

۴۔ سیرت۔ اخلاق و عادات اور اس لفظ سے مراد تمام زندگی اور زندگی کا کردار ہے۔

۵۔ چند دن کی زندگی ہے پھر اللہ تعالیٰ کے پاس رہنا ہے۔

کچھ دریافت نہ فرمایا۔ اور یہی میری غرض تھی۔ ان کی صورت و سیرت کا نقشہ آنکھوں میں رہتا تھا۔ اور دل میں خلش تھی۔ عرس کے موقعہ آپ بھی تیمم خانہ عبدالحلیم صاحب میں اقامت پذیر تھے۔ ایک دو بار نیاز کے لئے حاضر ہوا۔ لیکن موقعہ نہ ملا۔ کیونکہ آپ کے گروا گروا امراء اور رؤساء کا جگھٹا تھا۔ اور اپنے مدرسہ خالقہ کے انتظام میں مصروف تھے۔ ایک دو اور بزرگ بھی ایسے تھے۔ جن کی صورت نے میرے دل پر اثر کیا۔ اور مجلس کے لئے دل میں کشش ہو گئی۔ مگر آخر کار روضہ اقدس سے بابو سانہ دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ حضرت خواجہ بانی باللہ اور حضرت نظام الدین اولیاء و حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہم جمعین کے مزارات پر حاضر ہوا۔ دل سوز و عا میں دل سے نکلتی۔ لیکن ساتھ ہی اپنی نامرادی پر ہزار ہا حسرتیں دل سے اٹھتیں اور مٹھتیں۔

واپسی پر اتر اپنے مکرم دوست مولانا الکل فاضل بے بدل مولوی محمد عالم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنے حیران کا تمام قصہ کہ سنایا۔ مولانا صاحب شاہ ابو الخیر شاہ صاحب دہلوی کے عقیدت مندوں سے تھے۔ مجھے بھی حضرت شاہ صاحب کی زیارت و وبال نصیب ہوئی تھی۔ اور میرے جد امجد رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کی بہت تعریف و توصیف فرمایا کرتے۔ اور اپنے دور دست احباب کو ان کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے ارشاد فرماتے۔ اور اپنے ایک مکتوب میں ان الفاظ سے آپ کا ذکر فرماتے ہیں۔ "گویا آیت من آیات اللہ" آپ نہایت اسی قوی النسبت تھے۔ آپ کا وصال بھی ہو چکا تھا۔ لیکن آپ کی زندگی میں متردد رہا۔ کیونکہ آپ میں استغناء زیادہ تھی۔ اور محویت تامہ۔ ارشاد و رشد کا دروازہ گو بہت وسیع تھا۔ مگر صرف خوش قسمت لوگ ہی داخل ہو سکتے۔ ہر کہ و مر کی کیا مجال کہ اندر دیکھ بھی سکے۔ محنت و

علا عرس مراد حضرت مجدد الف ثانی رحمہندی کا عرس مولانا عبدالحلیم صاحب بستی برہنہ کے ایک بہت بڑے متمول آدمی تھے۔ مولانا خواجہ باقی باللہ رحمہ علیہ نقشبندی سلسلہ کے بہت بڑے بزرگ ہیں حضرت مجدد الف ثانی رحمہندی کے پیر مرشد دہلی میں آپ کے مزار پر انوار سے علامت حضرت خواجہ نظام الدین چشتی سلسلہ کے بہت بڑے بزرگ ہیں سے سلسلہ چشتیہ کی ایک شاخ نظامی چلتی ہے۔ آپ حضرت باویشخ فرید گنج شکر کے مرید ہیں اور نظامی سلسلہ کے بانی ہیں یہ سلسلہ آپ کے خلیفہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی سے شروع ہوتا ہے علامت حضرت بختیار کاکی حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجیری کے خلیفہ ہیں اور حضرت باویشخ فرید گنج شکر کے پیر مرشد علامت مولانا محمد عالم اسی ضلع گوجرانوالہ کے رہنے والے تھے اتر سر میں عمر گزار دی بہت بڑے عالم تھے اور مستند دکت بزرگ مصنف ہیں علامت شاہ ابو الخیر دہلوی زمانہ حاضر کے بہت بڑے بزرگ تھے نقشبندی سلسلہ تھا صاحب جلال تھے خانقاہ حضرت باقی باللہ میں قیام تھا عوام سے ملتے تھے حضرت اعلیٰ پیر دہلی نے ان سے متعلق فرمایا "اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں علامت قوی النسبت، وہ ہادی طریقت جن کی نسبت باطنی طاقتور ہو اور نسبت باطنی جتنی زیادہ طاقتور ہوگی اتنی زیادہ اثر انداز ہوگی۔ علامت سے مراد بے نیازی ہے نہ کمال طور پر خیال کا کسب ہو جانا۔ باطنی صفائی کی طرف رہنا اور کرامات چھوٹا بڑا، مراد عوام سے ہے۔

ریاضت پر آپکی توجہ تھی، مجاہداتِ شاقہ کرنے کے عادی، میرے وجود میں اتنی طاقت تھی اور نہ ہی میں اس کا خوگر۔
لیکن اس وقت تو مجھے یہ دانا تھا۔ کہ کیوں نہیں نے دست بوسی کی۔ کہ اور نہیں تو قیامت میں اُن کے غلاموں کے نہ مرہ
میں تو ہوتا۔ اور کیا یہی کچھ کم تھا۔ کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں

حضرت قبلہ مولانا میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ شرفپوری کا ذکر اور آپ کے حالات ایام
اقامت لاہور میں بھی عوم سے سُنئے تھے۔ اور اپنے علاقہ میں بھی آپ کا چہرہ چاہتا۔ بلکہ عرسِ محمد
علیہ الرحمۃ پر بعض علماء سے تکرار بھی میری ہوئی کہ وہ صاحبِ حال اور صاحبِ برکت زمانہ حاضرہ
میں سُننا ہوں لیکن علمائے کرام میں سے بعض افراد کچھ ایسے ضدی واقع ہوئے کہ جہاں کہیں اُڑ گئے
صحیح کو غلط اور خطا کو صواب۔ نیکی کو بدی اور برائی کو بھلائی بنا دکھاتے ہیں۔ اور یہ نہیں جانتے کہ اس
علمی شبہ میں ایمان کیوں بہاتے ہیں۔ چنانچہ ایک لکھے پڑھے جہاں ندیدہ واعظ صاحب نے بدیں الفاظ
آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیا کہ وہ سنت کے تابع نہیں۔ آنے جانے والوں سے سلام و مصافحہ نہیں کرتے
بھلا ایسے لوگوں میں برکت کہاں۔ اور ایسے لوگ صاحبِ اثر کہاں۔ گو میں نے حضرت مرحوم و مغفور
کی زیارت نہیں کی ہوئی تھی۔ لیکن آپ کے فیضان اور آپ کے عرفان کا متواتر اثرات کی وجہ سے
فائل تھا۔ میں نے ہر چند ان سے کہا کہ ان دونوں صفات میں تلامذہ نہیں۔ اور نہ ہی ایک ہیں مگر
وہ ایک ہونے پر ہی زور دیتے گئے اور اجاب بھی اُن کے تھے۔ وہ اس تکرار کی حقیقت کو جانتے
بھی تھے۔ اور ان دونوں صفات کے الگ ہونے پر بھی یقین رکھتے تھے۔ لیکن دل لگی کی وجہ
سے خاموش تھے۔ آخر میں نے اُن سے معذرت کی۔ کہ جب آپ کی علمیت میں اتنی تمیز نہیں تو

۱۔ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے مراد ہے۔ آپ سلسلہ مجددیہ کے بانی ہیں۔ حضور کا مزار مبارک سرہند شریف میں ہے۔
آپ کا سلسلہ سند و پاک، افغانستان، ایران وغیرہ میں خوب پھلا پھولا اور آج کے مکتوبات سلوک و تصوف کی بہترین کتاب ہے۔ حضور کی
آرٹھ و ذات ۲۴ صفحہ پر سرہند شریف میں روضہ مبارک ہے۔ آپ کے مفصلی حالات روضہ قیومیہ میں دیکھئے۔
۲۔ حال: علم کی حقیقت اور تاثیرات: ذکر کی تاثیریں جب کسی ذکر میں نفوذ کرتی ہیں تو اس کے اندر ایک نہایت مؤثر قسم کی کیفیت پیدا
ہو جاتی ہے۔ اہل فقر کے نزدیک وہی حال ہے۔

۳۔ صواب: صائب۔ صحیح

۴۔ برکات و تاثیرات اور حال سے لوگوں کو فائدہ پہنچنا۔

۵۔ معرفت الہی: کسی سالک کا مقصود اور فقر کی انتہا ہے اور غیر محدود ذات کا عرفان۔ سالک کی استعداد کے مطابق ہوتا ہے۔

۶۔ مسلسل خبریں پہنچنا

۷۔ ایک چیز کا دوسری کے لیے ضروری ہونا۔

جو چاہتے سو کہئے۔

اب میں نے جو مولانا کی خدمت میں رونا رویا۔ تو آپ نے فرمایا۔ اچھے اچھے لوگ گذر رہے ہیں۔ قومی تو ضعیف ہو چکے ہیں۔ ریاضت و مجاہدہ مجھ جیسے اور تم جیسے سے ہونا محال ہے لیکن اس وقت ایک مرد کی زیارت غنیمت ہے۔ میں نے چند آدمیوں کو حضرت مولانا مبارکباد کی خدمت میں بھیجا تھا جو تصوف کے منکر تھے اور جو اس کو مکرو فریب جانتے تھے۔ لیکن واپس آئے۔ تو مسلمان ہو کر آئے۔ نماز روزہ کے پابند ہو گئے۔ سنت کے پیرو ہیں۔ اور دنیا سے پڑمردہ دل۔ سو ضرور جاتے ہوئے ان کی زیارت کرتے جانا۔ شاید طبیعت بٹھ جائے۔ موجود وقت میں آپ کا وجود غنیمت ہے۔ کسی دن اس کے لئے بھی روئیں گے۔ اور اسے بھلی ڈھونڈیں گے۔ سچ آپ نے سچ فرمایا تھا۔ آج اس پاک وجود کے لئے آنکھیں ترستی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے قرب میں جگہ دیوے۔

لاہور میں ایک بزرگ سجادہ نشین صاحب عرس سے واپس آتے ہوئے قیام پذیر تھے اور میرے بزرگوں کے سلسلہ کے مرشد زادوں سے تھے۔ آپ کے ہمراہ اپنے جد امجد علیہم الرحمۃ کے کئی ایک خلفا بھی تھے مجھے بھی آپ سے ارادت تھی۔ شرفیور تشریف کے ارادہ سے جب چلنے لگا۔ تو ایک دوست نے معلوم کر کے مجھے فرمایا۔ کہ ارادت سے آپ کا دامن پکڑ لو آپ عورت وقت ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ تم اپنے ارادہ میں کامیاب ہو گے۔ لیکن میں نے کہا۔ ”زیارت بزرگاں کفارت گناہ“ کے لئے جانا کیا عیب ہے۔ مگر دل اس حقیقت سے نا آشنا تھا کہ شیخ

حضرت مولانا محمد آسوی موضع راگھوسیداں ضلع گوجرانوالہ میں ۱۲۹۵ھ میں پیدا ہوئے، مدرسہ نعمانیہ لاہور سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد مولوی عالم مولوی فاضل حکیم حاذق۔ زبدۃ الحکماء۔ ادیب فاضل اور مختار عدالت (وکالت) وغیرہ کے امتحانات پاس کیے۔ آپ حضرت شاہ ابوالخیر دہلوی کے مرید خلیفہ ہیں، پچاس سے زائد کتابیں یادگار چھوڑیں۔ ۱۳۶۳ھ میں بمقام امیرسراصل بحق ہو کر مدفون ہوئے۔ عالم دنیا سے پزیردگی ہی اصل اسلام ہے اور یہی فقر کی حقیقی نسبت ہے، حدیث شریف میں ہے۔ یا عبد اللہ کون فی الدنیا کانت غریباً او عابراً سبیل اللہ عبد اللہ (ابن عمر) دنیا میں ایسے ہر جو گویا تم بکس ہو یا کوئی سفر طے کرے ہو۔ خدا کی قسم۔ حضرت صاحبزادہ مقبول الرسول صاحب رابع سجادہ نشین اللہ شریف۔ اب اللہ شریف کی خانقاہ کے سجادہ نشین آپ کے بڑے صاحبزادہ حضرت مطلوب رسول ہیں۔ عقیدت اور محبت اس مرید اسم فاعل ہے یعنی صاحب اراد۔ عالم اولیا اللہ کے درجات میں ایک بہت ہی بلند درجہ ہے۔ بزرگوں کی زیارت سے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ وہ مرد کامل جو ذاتی استعداد اور مجاہدات سے ولایت کے مرتبہ پر

اور سجادہ نشین میں کتنا بڑا فرق ہے شیخ کی ذات بابرکات ابتدا سے انتہا تک کو ٹھالی سے نکلی ہوتی ہے اور اپنے ذاتی نور سے دنیا کو روشن کرتی ہے۔ بخلاف سجادہ نشین کہ وہ اصل کا ظل (سایہ) ہوتا ہے۔ گو شیخ سے بڑھ کر ہی افادہ و استفادہ اس سے ہو۔ مجھے اس حقیقت سے انکار بھی نہیں کہ اپنے آبائی اجدادی سلسلہ میں منسلک ہونا آبائی ورثہ کے حصول کے لئے بہت بڑی کامیابی کا باعث ہے۔ اور دین دنیا کا سرمایہ اور افتخار۔ مگر ایک نیر طبیعت انسان کی طبیعت ان امور سے سیر نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس کی تشنگی کے لئے آب حیات کا قطرہ ہی کام آئے گا۔

طبیعت میں فطرتی میلان قومیت کی طرف تھا۔ اور اخبارات کے مطالعہ نے اس میلان کو جذبہ کی صورت میں نمایاں کر دیا۔ پھر خلافت پر اپیکینڈانے اس جذبہ کو عملی صورت دے دی تھی اور ترجمۃ القرآن نے اسے مذہبی جامہ پہنا دیا تھا۔ گو میں آج تک کسی امر میں مشدد (پکا) واقع نہیں ہوا۔ تاہم میرا لباس تبدیل ہو چکا تھا اور وہ بھی کھڑکا اور دیسی۔ اڈے پر پہنچا تو دو نورانی صورتیں نظر آئیں۔ میں نے دل میں تاڑ لیا کہ حضرت میاں صاحبؒ کے ہاں جانے والے ہیں۔ اگرچہ منشی چراغ دین صاحب میرے پہلے واقف تھے۔ لیکن اس وقت نہ میں ان کو پہچان سکا اور نہ وہ مجھے۔ ان دونوں بزرگوں نے ہر چند میرا نشان و پتہ دریافت کیا۔ لیکن حسبِ عادت میں نے باوجود اصرار کے انہیں ٹال دیا کہ آپ کو اس دریافت سے کیا فائدہ۔ انہوں نے کئی بار مجھے غور سے دیکھا۔ لیکن میں آنکھیں ان سے نہ ملانا تھا۔ مجھے تنگ سی جگہ موٹر میں ملی تھی۔ آخر انہیں میری حالت پر رحم بھی آ گیا۔ اور نشست کی تبدیلی کے لئے اصرار کیا۔ لیکن میں اپنی ضد پر ہی اڑا رہا۔

۱۔ وہ بزرگ جو اپنے اسلاف کی گدی پر بیٹھنے سے ان کی نسبت کا عکس اپنے اندر رکھتا ہو عطا فائدہ پہنچانا اور فائدہ حاصل کرنا۔

۲۔ سیاسی اعتبار سے مسلم قومیت کے بقا و وقار کو چاہتا تھا۔

۳۔ علم جب پوری تاثیر کر لیتا ہے تو جذبات (رحم و غصہ وغیرہ) کو متاثر کرتا ہے۔ اور وہ خود ایک جذبہ بن جاتا ہے۔

۴۔ پہلی جنگ عظیم میں ترک انگریزوں کے خلاف تھے۔ ہندوستانی مسلمان قلیا ترکوں کے حامی تھے۔ انہوں نے ترکوں کی امداد کے لیے ایک تنظیم قائم کی جس کا نام خلافت کمیٹی رکھا گیا۔

۵۔ یعنی ترجمۃ القرآن نے عالم سے پڑھا تھا۔ جو سیاسیات میں عملاً شامل تھے۔ اس لیے یہی سیاسی کشمکشیں عین مذہب نظر آنے لگیں۔

۶۔ حضرت میاں صاحب شرفیوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جانے والے صورتوں اور لباس سے پہچانے جاتے تھے۔

منشی صاحب عشقینہ اشعار حافظ و غیرہ کے پرغم آنکھوں اور درد سے گاہ بگاہ پڑھتے اور ان کا اشتیاق سے بھرا چہرا اپنی مستانہ اداسے طبیعت کو کھلے جاتا تھا۔ کسی بار مجھے خیال آیا کہ کاش مجھے کسی سے تعلق ہوتا۔ اور میری بھی یہ حالت پیدا ہوتی۔ لیکن وہی طبیعت کو یقین ہو چکا تھا۔ کہ یہ آرزو پوری ہوتی نظر نہیں آتی۔ اور آہ آیت لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ کی طرف توجہ نہیں کی جاتی تھی۔ سبحان اللہ۔

بہ نانا امیدی اذیں در مرو بزن فالے بود کہ قرعہ دولت بنام ما افتد
مکان شریف (بیٹھک) کے دروازہ تک تو میں ان دونوں بزرگوں کے پیچھے پیچھے چلا آیا۔ لیکن دروازہ میں داخل ہوتے ہی وہ بالا خانہ پر چڑھ گئے۔ اور میں اکیلا بیٹھ گیا۔ اس وقت تو خیال آیا کہ ان سے نہ بگاڑنا۔ تو اب میری زیارت کا وسیلہ تو ہو جاتے۔ مگر اب پچھتائے کیا ہوت۔ (لیکن دراصل یہی بہتر تھا جو مالک نے کیا۔)

نھوڑی دیر کے بعد خواجہ دین محمد صاحب آپ کے خادم آئے۔ مجھ سے دریافت کیا میں نے ضلع سرگودھا کا رہنے والا بتلانے پر اکتفا کی۔ مجھے کھانا کھلایا۔ اور کہا بعد ظہر آپ کی ملاقات ہوگی۔ اتفاقاً اس روز اور آدمی بھی کم آئے۔ اور مجھے واپس لاہور آنے کا خیال تھا۔ کیونکہ میں اپنے رفیق سے وعدہ کر آیا تھا کہ جلدی ہی زیارت کر کے دوسری موٹر پر واپس آ جاؤں گا۔ اور پھر اپنے ضروری کام کے لئے چل دیں گے۔ مگر نیرنگی مشیت ایزدی سے بے خبر۔ کہ گھڑی کیا سالوں اور قرون یہ درگاہ تیرے لئے قبلہ گاہ کر دے گی۔ اور تیری آرزو کا خاتمہ۔ تیری دعا کی اجابت

ع شمس الدین حافظ شیرازی جن کا فارسی دیوان، دیوان حافظ کے نام سے مشہور ہے۔

ع اللہ کی رحمت سے نانا امید نہ ہو۔

ع مابوس ہو کہ اس دروازے سے نہ جاؤ اور فال نکالو۔ ہر سکتا ہے کہ دولت کا قرعہ ہمارے نام نکل آئے۔

ع حضرت اعلیٰ شرفپوری رحمۃ اللہ علیہ کی بیٹھک۔

ع یہ صاحب حضور کے دربان تھے اور ہمیشہ آنے جانے والوں کا استقبال کرتے کھانا وغیرہ کھاتے۔

ع ارادۃ الہی۔

ع ایک سو سال کے عرصہ کو قرن کہتے ہیں (یعنی عمر بھر کے لیے یہی آستانہ، آستانہ فیض بن جائے گا۔)

تیرے درد کی دوا۔ اور تیرے ناسور کا مرہم یہ خاک پاک بنائی گئی۔ اور تیری رُٹی مرنے کے بعد بھی قبر میں اس دربو سی کے لئے تڑپا کرے گی۔ اور قیامت میں بھی اسی کے دامن سے اٹھایا جائے گا۔ بھلا ایک گھڑی بیٹھنے سے کیوں اکتاتے ہو۔ تمہیں دھتکاریں گے اور تم اندر آنے کے لئے تڑپو گے

”سُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ“

گرمی کے آخری ایام تھے۔ تقریباً چار بجے قبل عصر مجھے خادم نے کہا۔ حضور طلب فرماتے ہیں۔ اور ضروری ہدایات (دائیں قدم کو پہلے چٹائی پر رکھنا۔ دوزانو بیٹھنا۔ آپ تشریف لاویں۔ تو تعظیم کے لئے گھڑانہ ہونا) مجھے کر دیں۔ اُس وقت دل کی عجب حالت تھی۔ کیونکہ آپ کی بات سننا تھا کہ آپ کی مجذوبانہ حالت ہے۔ اور زودرنج ہیں۔ تاہم کئی بزرگوں کا قدم بوس ہو چکا تھا۔ اولیائے کرام کی خو اور بوسے واقف تھا۔ عوام کی گھبراہٹ نہ تھی بلکہ خواص کی۔

چٹائی پر حسب ہدایت بیٹھ گیا۔ آپ تشریف لائے۔ اور میرے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گئے۔ تھوڑے نال کے بعد فرمایا۔ کہاں سے آئے۔ میں نے ضلع سرگودھا عرض کیا۔ آپ نے گاؤں پوچھا تو میں نے دبی زبان سے پیرل کا نام لیا۔ کیونکہ جن ہمراہیوں سے میں چھپا تھا۔ وہ مکان کے اندر تشریف رکھتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ میں بہرا (بولا) ہوں۔ زور سے کہیو۔ آپ نے گاؤں کا نام سن کر فرمایا۔ کہ کچھ حضرت صاحب سے بھی تعلق ہے۔ اب میں حیران کہ کیا جواب عرض کروں۔ جھوٹ کہہ نہیں سکتا۔ درست عرض کروں گا۔ تو بھانڈا پھوٹتا ہے (اور سارا راز کھلتا ہے) آخر میں نے مجبوراً دبی زبان سے کہا کہ پوتا (پوترا) آپ نے سمجھا کہ (دوہترا) نواسا۔ آپ فرمانے لگے۔ کہ

اے وہ پھوڑا جو رستا رہتا ہے۔

اے پاک ہے وہ ذات، جس کے قبضہ قدرت میں ہر چیز کی حکومت ہے۔

اے مجذوب، سالک کی ضد ہے۔ حد و شرعیہ کی پابندی سے راہ معرفت طے کرنے والا سالک کہلاتا ہے اور عالم امر کا پر تو (یعنی تجلی الہی)

جس کے ظاہر حواس کو مغلوب کر دے اور حدود ظاہرہ شریعت کی پابندی سے وہ الگ ہو جائے وہ مجذوب کہلاتا ہے۔

اے دریاٹے جہلم کے کنارے شاہ پور صدر سے سات میل کے فاصلے پر ایک مہدک قریہ ہے جو اولیاء اللہ کی بستی ہے جو شتران شہر کے دروے

دہراست ہے۔ ہمارے ایک دوست نجیر بل تشریف کے بسے لکھا۔ صحرا یا تل اے پیرل۔ لیکن عمل ترا اجل۔ تو خنک شہری کہ دروے

پیرما باشد مقیم۔

اے حضرت اعلیٰ غلام مرتضیٰ۔ آپ حضرت غلام محی الدین قصویٰ حضوری کے مرید تھے اور حضرت غلام نبی ٹٹھی سے علمی اور عملی تربیت پائی تھی۔

آپ کا نواسا (دوہڑا) تو کوئی نہیں تھا۔ میں نے پھر زور سے کہا (پوترا) تو آپ کو جوشِ محبت آگیا اور داہنے ہاتھ سے گردش دے کر مجھے بغل میں لے لیا۔ اور فرمایا: "کہ پھر تو بابے کا نور ہے" زان بعد آپ دریافت فرمانے لگے: "کہ حضرت جد امجد علیہ الرحمۃ کو دیکھا تھا۔ اس وقت کی ہوش ہے۔ اس وقت تمہارا کیا سن تھا؟ میں نے عرض کیا۔ دیکھا تھا۔ خوب ہوش ہے۔ پندرہ سال میری اس وقت عمر تھی۔ جبکہ آپ کا وصال ہوا۔ اس پر آپ نے فرمایا: "کہ پھر آنے کی کیا ضرورت تھی۔ جو کچھ وہ کرتے تھے وہی کرتے رہنا تھا۔" اور میں سر ڈالے بیٹھا تھا۔ آخر فرمایا: "کہ ذکر کی تلقین نہیں لی تھی؟ میں نے عرض کی نہیں۔ پھر فرمایا: "کچھ بھی اس بارے میں نہیں سنا۔" میں نے نفی ہی میں جواب عرض کیا۔ زان بعد آپ نے نیچے پٹھرنے اور پھر باتیں کرنے کا وعدہ فرمایا۔

اس وقت میری عجب حالت تھی۔ نہ جاتے ماندن نہ پائے رفتن۔ نماز عصر ادا کر کے واپس مکان شریف میں بیٹھ گیا۔ اور ایسی غنودگی آئی جس کی مجھے مدتوں تلاش تھی۔ اور میں لیٹ گیا۔ اٹھا تو آفتاب غروب ہو رہا تھا۔ خادم نے کہا کہ آپ آئے تھے۔ اور بہت دیر تمہارے سر پر کھڑے رہے۔ آخر وقت تنگ ہو گیا۔ آپ تشریف لے گئے۔

رات گذری صبح پھر حاضر ہوا۔ لیکن آدمی آتے اور جاتے ہیں۔ اور آپ اوپر کی منزل میں یگا و دکا سے ملاقات فرما رہے ہیں۔ مگر مجھے کوئی نہیں پوچھتا۔ حتیٰ کہ ایک جسم بلند قامت مہرخ ریش بزرگ اوپر سے تشریف لا کر میری دست بوسی کرنے لگے۔ حیران ہو کر میں نے معافی مانگی۔ اور آپ کا نام دریافت کیا۔ تو قاری اللہ بخش صاحب ساکن فیض پور خلیفہ حضرت صاحب بیربل والا نکلے

ع۔ عمر مبارک

۲۔ تلقین ذکر: جب کوئی شیخ کسی سالک کو اپنی بیعت کے حلقے میں لیتا ہے تو کچھ پڑھنے پڑھانے کا حکم دیتا ہے۔ وہی تلقین ذکر کہلاتی ہے۔

۳۔ زخمیرنے کو جگہ اور نہ چلنے کی سکت۔ یہ فارسی محاورہ سخت مجبور ہو جانے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

۴۔ بیٹھے بیٹھے سو جانا۔ یہ نیند اور بیداری کے درمیان ایک بے خودی کی حالت ہے۔

نام سے پہلے تعارف تھا بچپن میں دیکھے بھی تھے۔ میں نے دریافت کیا کہ آپ کو کیوں کر خبر ہوئی۔ کہا کہ عصر سے سخت بے چینی ہو رہی تھی، اور دل نے چاہا کہ میاں صاحب کو دیکھے بغیر آرام نہیں۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ کل حضور نے ملاقات کے بعد یاد فرمایا تھا۔ کہ وہ آجاتے تو صاحبزادہ سے ملاقات ہو جاتی۔ نہ تو آدمی گیا نہ پیغام کیا گیا۔ صرف دل کی یاد نے ان کے دل کو جا ہلایا اور وہ تشریف لائے۔ یہ ہیں تصرفات! جن سے پڑھے لکھے منکر رہتے ہیں۔ اور اسے اتفاقِ حسنہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

بے عقل و سمیت بباہر گریست

میں نے جناب قاری صاحب سے کہا۔ کہ میں اپنے رفیق سے کل ہی واپس آجانے کا وعدہ کر آیا۔ آج دوسرے دن کے دوپہر ہونے کو آٹے مجھے خانگی کئی ایک کام بھی ہیں۔ میں زیادہ کٹھن نہیں سکتا۔ وہ بالآخر نے پر تشریف لے گئے۔ اور کچھ دیر کے بعد تشریف لا کر فرمانے لگے، کہ میاں صاحب فرماتے ہیں کہ چند روز ہمارے ہاں صاحبزادہ صاحب قیام کریں۔ کچھ حالِ احوال پوچھنا ہے۔ اس پر پھر میں نے کہا۔ فرصت نہیں۔ میلہ سہرا ہی میری انتظار میں چشم براه لاہور میں ہے اور عرس و وفات پر مجھے جانا ضروری ہے۔

قاری صاحب واپس آکر کہنے لگے۔ کہ آپ فرماتے ہیں کہ کئی لوگ تو میرے پاس کٹھن کی خواہش میں مرتے ہیں۔ لیکن میں ان کو ٹھیراتا نہیں۔ لیکن عجب ہے کہ میں ان کو ٹھیرانا ہوں۔ یہ ٹھیرتے نہیں۔ دو تین دن کے قیام کے لئے کیا حرج ہے۔ چنانچہ قاری صاحب نے بھی فرمایا کہ

۱۔ تصرف کی جمع ہے۔ معنی ہیں کام میں لانا لیکن صوفیا کی اصطلاح میں کسی ولی اللہ کا اپنے ارادہ کی طاقت سے اسبابِ ظاہر کے بغیر کام کرنا۔

۲۔ ایسی عقل و دانش پر رونا چاہیے۔

۳۔ راستے پر آنکھیں لگاٹے یعنی منتظر۔

۴۔ عرس و وفات۔ حضرت اعلیٰ غلام مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ بیربل شریف میں بارہ وفات کا عرس کیا کرتے تھے۔

حضور کے وصال کے بعد ہمیشہ یہ عرس ہوتا رہا اور آج تک جاری ہے۔

اس میں شاید آپ کی بہتری ہی ہو۔ میاں صاحب اس وقت زمانہ میں بیکانہ ہیں۔ پٹھرنے میں کیا مضائقہ ہے۔

پھر تو مجھے بھی خیال آگیا۔ ہزاروں کام بگڑتے اور سنورتے ہیں۔ اگر نصیبہ ہو تو کیا کچھ بگڑے گا دوست کا فاتحہ پھر سہی۔ اور عرس و فاقہ پر حاضری نہ سہی۔

معلوم نہیں۔ قاری جی نے اوپر جا کر کیا کہا۔ تاہم آپ تخلیہ پا کر بعد ظہر کے نیچے تشریف لائے۔ اور بہت سے خانگی امور دریافت فرمائے۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ ہمارے خانگی معاملات سے نہایت گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ اور ہمارے خاندان سے آپ کی فلی محبت ہے۔ پہلے بھی احباب کی زبانی سنتا تھا۔ لیکن سننے اور دیکھنے میں فرق ہوتا ہے۔ تقریباً نصف گھنٹہ یا پون گھنٹہ آپ مختلف حالات خانگی دریافت فرما کر بالاخانہ پر تشریف لے گئے اور فرمایا "کہ اسی لئے میں نے آپ کو ٹھیرایا تھا۔"

قاری صاحب واپس مکان جانے لگے۔ تو کہا کہ آپ فرماتے تھے۔ "کہ وال دلیا ہو ہی جاویں گے۔" میں نے عرض کی ہے کہ "وال دلیا ہی پر اکتفا نہ ہو کچھ کرنا۔" بحق وہی بات ہونگلی ہم وال دلیا ہی رہ گئے۔ طبیعت زیادہ موزوں نہیں تھی۔ ورنہ

اس کے لطافت تو ہیں عام شہیدی لیکن مجھ سے کیا بخل تھا کہ میں کسی قابل ہوتا تیسری مرتبہ آپ نے بالاخانہ پر بلوایا۔ سب سے پیشتر آپ نے فرمایا۔ کہ آپ جانتے ہیں جبریل علیہ السلام وجیبہ کلبی کی صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کس طرح

— مولوی نور محمد صاحب سیہڑی امام پانڈو وال نہایت نیک آدمی تھے۔ اور ذکر و ثکر۔

علا پنجاہی محاورہ ہے کہ کچھ نہ کچھ ہو ہی جائے گا۔ حضرت اعلیٰ کا مخصوص فقرہ تھا اور اس میں اپنی مہربانی اور خاص توجہ اور سناک کی استعداد کی بشارت ہوتی تھی۔

علا مہربانیاں۔ لطف کی جمع

علا وجیبہ کلبی ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ بہت خوبصورت تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام اکثر انہی کی بشری صورت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے۔

بیٹھے تھے۔ اور آنحضرت کو رب العزت کی یاد میں کس طرح بیٹھنے کا طریقہ سکھایا۔ گویا یہ بھی تعلیم آداب کی جو میں سمجھ گیا اور تلقین طریقہ فرمائی۔ ذکر قلبی کے لئے کئی آیات آپ نے تلاوت فرمائیں۔ اسم ذات۔ اللہ ہو یک دم دو اسم الگ الگ پڑھنے کو ارشاد فرمایا۔ الم نشرح ۱ بار، اور اذ فتحیہ صبح ایک بار، اور الحمد شریف ۱۹ بار، سورہ حشر کے آخری تین آیات بعد شام سات بار اور درود شریف بعد تہجد بطور وظیفہ ۵۰۰ بار پڑھنے کے لئے فرمایا۔

زاں بعد آپ نے دریافت فرمایا۔ کہ نماز تہجد پڑھا کرتے ہو میں نے عرض کیا کہ نہیں فرمایا کہ ہر چیز کا جواب نہیں ہے۔ اور ذرا سا تسبیح فرما کر ۴ رکعت نماز تہجد ادا کرنے کا ارشاد فرمایا میں نے عرض کیا کہ جاگ نہیں ہوتی۔ فرمایا کچھ تھوڑی دیر کے لئے طلوع فجر سے پہلے اٹھ بیٹھا کرو۔ جتنے میں چھ رکعت ہو سکیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ نماز میں جو درود شریف پڑھتے ہو۔ وہ پڑھ کر سناؤ۔ اُس وقت عجب حالت تھی۔ میری زبان سے لڑکھڑاتے ہوئے یہ الفاظ نکلے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ۔ فرمایا بس اتنا ہی کافی ہے۔ لیکن اتنا کیا کر و کہ کلام مجید کی تلاوت سے پہلے یہ درود شریف تین مرتبہ۔ اور سورہ توبہ کی آخری دو آیات لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ۔ تین مرتبہ پڑھ لیا کرو۔ اور صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كِي جَكَ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ اور وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كِي جَكَ وَعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ پڑھنا چاہئے۔ لیکن نماز میں پہلی صورت میں پڑھنا ہی اولیٰ ہے۔ اور ان آیات

علیٰ ذکر قلبی، نقشبندی سلسلے کا خاص انداز فکر کہ زبان خاموش ہو اور دل متوجہ الی اللہ اور ذکر ہو، ویسے دل تو ہر انسان کا متحرک ہے لیکن ذکر کے خیال اور اس متحرک کے غم سے اور کثرت ذکر سے دل سے محسوس نواز نکلا شروع ہو جاتے ہیں اور حرکت قلب تیز ہو جاتی ہے اور پھر آہستہ آہستہ مسلسل تربیتی سے تمام لطائف بدن ذکر سے معمور ہوجاتے ہیں بلکہ تمام بدن ایک لطیف بن جاتا ہے جو ذکر سے معمور رہتا ہے۔

ملا اور اذ فتحیہ حضرت امیر کبیر پر سید علی ہمدانی کی مربی کردہ اوراد ہیں۔ آپ کی قبر مبارک سرینگر کشمیر میں ہے۔ اعلیٰ نماز تہجد ساک کے لیے فرائض مجاہدہ میں شامل ہے اور تمام سلاسل میں اس کی تاکید کی جاتی ہے کم از کم چھ رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں ہیں۔ دو دو رکعت کی نیت باندھی جاتی ہے۔ مَلَا لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِ رُؤُوفٌ رَّحِيْمٌ فَان تَوَلَّوْا فقل جسی اللہ لا الہ الاہو رب العرش العظیم لوگو! تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آئے ہیں تمہاری تکلیف ان پر شاق گزرتی ہے اور تمہاری بھلائی کے بے حد طلبگار ہیں اور ایمان والوں پر بہت ہی شفق اور نہایت مہربان ہیں اگر یہ لوگ سربانی کریں تو آپ کہیں کہ مجھے میرا اللہ کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور وہ عظمت والے عرش کا مالک ہے۔

کے بعد اَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔ پڑھ کر تلاوت کلام مجید کیا کرو۔

اور فرمایا اور اذ فتحیہ۔ چالیس دن تو دو بار روزانہ پڑھنا تاکہ طبیعت میں اثر پیدا کرے۔ لیکن بعد میں صرف ایک بار ہی کافی ہے۔ یہ اور اذ بڑے ہی بابرکت ہیں۔ فرمایا درود شریف کی بہت برکات ہیں۔ اور تمام سلسلوں میں الگ الگ معمول ہے ہمارے بزرگ درود خضریٰ پڑھا کرتے ہیں۔ اکثر دوست دو اڑھائی ہزار روزانہ پڑھتے ہیں لیکن پانصد ہی کافی ہے۔ میں کبھی چار پانچ ہزار بھی پڑھتا تھا۔ فرمایا کہ میں ہاتھ بکپڑ کر کسی کو بیعت نہیں کرتا۔ لیکن تم ہاتھ بکپڑ کر (جو طالب حق) آئے بیعت کر لیا کرنا۔

پھر فرمایا صفاتی نام میں بڑی برکت ہوتی ہے۔ اور خواجہ الہ بخش صاحب ابتداً یہی وظیفہ کے لئے فرماتے۔ جو کوئی پوچھے۔ یا کریم۔ یا رحیم بتلایا کرو۔ یہ میری طرف سے نہ سمجھنا بلکہ اپنے آبا و اجداد کی طرف سے سمجھنا، اور آپ نے فرمایا کہ اپنے والد صاحب یا جد امجد صاحب کو اپنا پیشوا خیال کرنا۔ جو کچھ حضرت صاحب کیا کرتے تھے۔ وہی کرتے رہنا اس میں سب کچھ حاصل ہو جائے گا۔

اس کے بعد مجھے سینہ سے لگایا۔ اور دیت تک بغل گیر رہے۔ اور آپ کے وجود مبارک سے اس طرح آواز آتی تھی۔ جس طرح کوئی چیز اندر سے باہر نکالنا چاہتا ہے۔ اور شاید یہ آواز تین بار

۱۔ میں پناہ لیتا ہوں اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی دھنکارے ہوئے شیطان سے۔

۲۔ درود خضریٰ: صَلَّى اللهُ عَلَى حَبِيبِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ۔

۳۔ بیعت کا طریقہ تمام سلاسل میں۔ بیعت الرضوان کی طرح ہے۔ مقام حدیبیہ میں صلح حدیبیہ سے پہلے حضور نبی کریم

برور کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے ہاتھوں ہاتھ رکھ کر ان سے بیعت لی تھی۔

آئی۔ پھر ہاتھ ملا کر خصمت فرما دیا۔ کہ اب کل کھانا کھا کر چلے جانا۔ ہاں پھر صبح بھی ملیں گے۔ اور فرمایا۔ کہ اپنے دادا صاحب کی قبر پر بیٹھنا۔ جتنا ہو سکے اتنا ہی رہنا۔ اور فیوض حاصل کرنا۔ آپ کے حضرت صاحب فرمایا کرتے تھے۔ کہ اویسی نسبت عجب نسبت ہے۔ تیسرے دن میرے ساتھی اور رفیق میاں کرم الدین صاحب بھی گھبرا کر آگئے۔ یہ حضرت اعلیٰ صاحب کے خادم اسی طرح کچھ زمانہ رہے تھے۔ جس طرح اب میاں دین محمد صاحب آپ کی خدمت میں۔ والد علیہ الرحمۃ کے ساتھ بھی پر از اخلاص زمانہ گزار دیا۔ اور اس گنہگار کے ساتھ بھی نہایت عقیدت سے وقت گزار رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔

نیچے کے مکان میں ایک حکیم صاحب بنگلہ فاضلہ کا کے رہنے والے شمال کی جانب۔ میں اور میرا ساتھی جانب مشرق اور خضری گلی (لاہور) کا ایک نوجوان میڈیکل کالج کا طالب علم جنوب کی طرف بیٹھے تھے۔ حکیم صاحب ایک معز نیک صورت آدمی تھے حضور تشریف لائے اور حکیم صاحب کے پاس دو زانوں گھٹنوں سے گھٹنے ملا کر بیٹھ گئے۔

آپ نے اپنے معمول کے مطابق (جیسا کہ بعد کو معلوم ہوا) بے دینی رسوم بد اور فرنگیت کا ذکر بایں الفاظ شروع کیا۔ کہ جس کلمہ شریف کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا اور اپنے صحابہ کا خون بہا کر لیا تھا آج مسلمان اس کو مفت دے رہے ہیں، جس داڑھی کے لئے سرور کائنات نے تمام مصائب اٹھائے تھے۔ اس کی مسلمان آج ذرہ بھر بھی قدر نہیں کرتے۔ نام کو مسلمان اندر سے کافر۔ فرنگیت کے غلبے نے اسلام کو تباہ کر دیا۔ اسلام کا

ملا فیوض فیض کی جمع ہے اس کے معنی ہیں پانی کا بہنا۔ اہل تصوف میں یہ اصطلاح عام مستعمل ہے، اس سے مراد انوار کا نزول ہے مرقی کے سینے کے انوار مرید کے سینے میں ارادہ سے اور بے ارادہ آتے ہیں۔ ان انوار کی آمد کو فیض کہتے ہیں، جس کی مختلف صورتیں ہیں کبھی تو انوار کی بارش سینے پر برستی معلوم ہوتی ہے اور یہ بارش سامنے برستی بھی محسوس ہوتی ہے، کبھی جسم میں لطیف لطیف جھلکے محسوس ہوتے ہیں۔ کبھی غنودگی چھا جاتی ہے۔ ملا اویسی نسبت: حضرت اویسی قرنی رضی اللہ عنہ کی طرف یہ فسوس ہے۔ آپ جذب کامل رکھنے والے تابعی تھے اور عشق سرور کائنات میں سرمست۔ اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہر زیارت نہ کی تھی۔ اسی واسطے باطن کی ایسی نسبت کو اویسی نسبت کہتے ہیں کسی غائب ہزرگ سے محبت کی نسبت یا کسی صاحب قبر سے باطن کی نسبت جس میں جذب کی کیفیت غالب غالب ہو، کو نسبت اویسی کہتے ہیں۔

ملا انگریزیت: انگریز کی سکیم تھی کہ وہ دین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں خود مسلمانوں کو کھڑا کر دے اور ان کے دل سے دین اور دین کے لوازمات کی محبت نکال کر نفرت پیدا کر دے اور غلط نظریات اور غلط قسم کا معاشرہ ایسا پیدا کر دے کہ اسلام صرف نام کا اسلام جانتے

نام ہی نام ہے وغیرہ۔ ابھی آپ اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ نوجوان پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ کچھ کھوڑی ہی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ حکیم صاحب کے رخسارے بھی نرم ہو گئے۔ زان بعد میرے رفیق کے آنسو بھی پھوٹ آئے۔ مجھے بہت ہی کم رونا آتا تھا۔ لیکن اس کے بعد میرا نمبر بھی آگیا غرض چاروں پر غم آنکھوں سے سر ڈالنے بیٹھے ہوئے تھے۔ لیکن نوجوان کی توجیح و پکار تک نسبت آگئی تھی۔

زان بعد حضور میرے سامنے حسب دستور شریف لائے۔ اور توحید کے مندرجہ ذیل اشعار محویت کے عالم میں پڑھتے گئے۔

| | |
|------------------------------|------------------------------|
| ہر چہ آید در نظر از خیر و شر | حلمہ ذات حق بود اے بے خبر |
| اوست در ارض و سماء و لامکان | اوست در ہر ذرہ پیدا و نہاں |
| پاس دارا نفاس اے اہل خرد | تا ترا این قافلہ منزل برد |
| اوست پیدا و نہاں و آشکار | جلوہ ہا کردست در ہر شئی نگار |
| ہوش در دم داراے مرد خدا | یک نفس یک دم مباش از حق جدا |
| نفی گرداں از دل خود ماسوا | تا نہ گنجد در دست غیر از خدا |
| زنگِ دل از صیقلِ لاپاک کن | سینہ با تیغِ محبت چاک کن |
| اے کہ بودی در حسیم لامکان | چوں جدا گشتی بگور از نہاں |
| پاک بودی در حسیم کبریا | از چہ پیدا شد ترا حرص و ہوا |

علاج دل سے جو آواز نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔

۱۔ اشعار کا ترجمہ: ۱۔ بھلائی اور برائی سے جو کچھ بھی نظر آئے، وہ تمام کا تمام ذات حق کا جلوہ ہے ۲۔ زمین و آسمان اور لامکان میں وہی ہے، وہی ہر ذرہ میں ظاہر اور پوشیدہ ہے۔ ۳۔ اپنے سانس کی گہمبانی کر اے عاقل، تاکہ تجھے یہ قافلہ منزل مقصود تک پہنچائے۔ دم دم کے ساتھ اللہ اللہ نکلے اور یہی ذکر کی کثرت کا قافلہ منزل مقصود پہنچانے والا ہے۔ ۴۔ وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے اور وہی جلوہ نما ہے اسی محبوب نے ہر ایک چیز میں جلوہ دکھایا ہے۔ ۵۔ اے خدا کے مڑ ہوش کو سانس میں رکھ (ہوش در دم نقش بندہ سلسلہ میں ایک صطلارح ہے) اور ایک سانس بھی اللہ تعالیٰ سے جدا نہ ہو۔ ۶۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کی اپنے دل سے نفی کر دے تاکہ تیرے دل میں سولے اللہ تعالیٰ کے کچھ بھی نہ سمائے۔ ۷۔ اپنے دل کے زنگار کو لا (نفی ماسوا اللہ) کی ریتی سے صاف کر دے اور اپنا سینہ محبت کی تلوار سے چاک کر دے۔ ۸۔ اے انسانو! تو نولا مکان کا ساکن تھا۔ تو کیسے جدا ہو گیا مجھے یہ چھپا ہوا از بندا دے۔ ۹۔ تو تو کبریا جل جلالہ کے خاص پرہوں میں تھا، تجھے لالچ اور خواہشات کہاں سے آگئے۔

خوش خرا میدی تو از کتم عدم خوش نهادی بر سر ہستی قدم
 زان بعد آپ نے مصافحہ کیا۔ اور چوتھے نوجوان سے جا کہ فرمایا: "کہ کیا کہنا چاہتے ہو۔
 اس نے جیب سے رقعہ نکالا۔ تو آپ نے فرمایا میں رقعہ وغیرہ نہیں جانتا۔ کچھ کہنا ہے تو کہہ لو۔
 لیکن وہ اسی پر مصر رہا۔ اور روتا رہا۔ آخر آپ نے فرمایا: "کہ ہر کام سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھ لیا
 کرو۔ رقعہ وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور آپ بالآخر خانہ پر تشریف لے گئے۔

سبحان اللہ نوجوان نے اپنی رومی ٹوپی پر چادر ڈال لی۔ اور لاہور تک پریم آنکھوں میں
 سرمہ ڈالے موڑ میں آیا۔ میری بھی عجب حالت ہو گئی۔ نہ

نہ تو میں رہا نہ ہی تو رہا جو رہی سو بے خبری رہی

جب میرا رفیق مجھ سے لالہ موسیٰ آکر جدا ہوا تو میں نے اپنے اندر نظر دوڑانی شروع کی
 لیکن میں تمام تبدیل ہو چکا تھا۔ میری تمام خواہشات۔ میرے خیالات۔ میرے اطوار حتیٰ کہ میرا
 جسم سب نے ایک دوسرا رنگ لے لیا۔ جس نے مجھے دیکھا کچھ اور ہی دیکھا۔ اجسی لوگوں نے تعظیم
 کرنی شروع کی۔ سچ ہے (پنجابی)

نظر جنہاں دی کیمیا سونا کر دے وٹ

اسی حقیقی انقلاب کا نام میں نے انقلاب الحقیقت رکھا۔

دل نے اقرار کیا ہے

قرارے کردہ ام بادل نہ پچھم سرازیں درگاہ

سراسر جا، بندگی اس جا، سجدہ اس جا، نیاز اس جا

۱۔ تو عدم کے پردوں سے اچھا آیا، اور ہستی کے عالم میں تو نے اچھا ٹھکانا کیا۔

۲۔ جن کی نگاہ میں کیمیائی تاثیریں ہوتی ہیں وہ مٹی کو سونا بنا دیتے ہیں۔

۳۔ میں نے اپنے دل سے اقرار کیا ہے کہ اس درگاہ سے منہ نہ موڑوں گا۔ میرا سر بھی یہیں جھکے گا میری بندگی بھی یہیں ہوگی
 اور میری نیاز مندی بھی یہیں ہوگی۔

صوفیائے کرام کی اصطلاحات میں سیر آفاقی - اور سیر نفسی کے خواہ کچھ ہی معنی ہوں - لیکن میں نے اپنی پہلی جدوجہد تعلیمی و دینی دنیوی کا نام سیر آفاقی رکھا ہے - اور اس کے بعد جدوجہد کا نام سیر نفسی - کیونکہ اب ظاہر (آفاق) کو چھوڑ کر باطن (نفس) کی سیر کو مقصود سمجھا - اور اس مقولہ مشہورہ کی طرف چلنے لگا - "مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدَ عَرَفَ رَبَّهُ" - بعض احباب کو شاید اس پر کچھ ترود ہو - اس لئے اس کے ساتھ اس آیتہ شریفہ کو بھی پڑھ لینا چاہئے - وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ" اور "وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ" بھی پڑھ لیں -

سیر نفسی کے محل معنی "محافظة نفس خود کردن" یا "مراقب احوال خود شدن" - "ہمت خود را در درون خود صرف نمودن" - "دل نگاہ داشتن" - "دل خود را در مقابل فیض او کردن" - "در آئینہ دل بیدین" - "سب سے اعلیٰ" - "از ماسوا اعراض نمودن" - جس طرح سیر آفاقی میں لاکھوں، کروڑوں عجائبات ہیں - اور دیکھنے والے کی طبیعت پر ان کا اندازہ کیا جاسکتا ہے - اسی طرح ہی سیر نفسی کے کرنے والے کی طبیعت پر دار و مدار ہے - جتنی طبیعت بلند ہوگی - اتنی ہی سیر وسیع تر ہوگی - ظاہر دنیا سے بڑھ کر باطنی دنیا کے عجائبات نظر آئیں گے - سعدیؒ نے کیا خوب کہا ہے -

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتر نیست نہ معرفت کردگار

بعینہ ہی حالت وہاں ہے - البتہ اتنا فرق ہے - یہاں کائنات کی طرف توجہ تھی اور نفس سے بے خبری اور وہاں اس کے برعکس ہے

ع - اصطلاح کی جمع ہے علمی اور فنی تشریحات کے لیے جو مختصر سے الفاظ وضع کیے جاتے ہیں اصطلاح کہلاتے ہیں -
 ع - سیر آفاقی: ظاہری دنیا کی سیر ع - سیر نفسی: اپنے باطن کی سیر (جس کے نتیجے میں انسان دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو جاتا ہے)
 ع - جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے پروردگار کو پہچان لیا - ع - تم ایسے لوگوں کی طرح مت بن جانا جو اللہ تعالیٰ کو بھول گئے (اس خدا فراموشی کی پاداش میں) اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنے نفس فراموش کرا دیئے - ع - اور خود تمہارے اپنے نفسوں میں (بہت کچھ پوشیدہ ہے) کیا تم دیکھتے نہیں ہو - ع - اپنے نفس کی حفاظت کرنا ع - اپنے (اندرونی) احوال کی نگہداشت کرنا ع - اپنی ہمت کو اپنے باطن میں صرف کرنا - ع - دل کو محفوظ رکھنا (کہ غیر اللہ اس میں نہ آئے) ع - اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کے فیض کے سامنے کرنا ع - اپنے دل کے آئینے میں دیکھنا ع - اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے منہ پھیر لینا - ع - سبز سبز درختوں کے پتے صاحب دل آدمی کی نظروں میں ہر پتہ خدائے قدوس کی معرفت کا ایک دفتر ہے -

86460

تجھ کو پرانی کیسا پڑی اپنی بغیر تو

اس سیر سے وسعتِ نظر (دور و نزدیک برابر ہوتا ہے) وسعتِ علم (ہر ایک امر کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے) وسعتِ قوت (ہر طرح کے تصرف ہونے لگتے ہیں حتیٰ کہ اپنا نفس بھی تصرف سے باہر نہیں ہوتا) وسعتِ حوصلہ (پریشانی نام تک نہیں شداؤد اور مکائد پر صابر ہو جانا) پیدا ہو جاتا ہے۔

اس سیر کا مقصود کیا ہے؟ وہی "حَتَّىٰ يَتَّبِعَنَ لَهُمُ اللَّهُ الْحَقِّ" ان دونوں سیروں کے بغیر یہ بات نہیں کھلتی جیسا کہ اس آیت کے مفہوم سے کھلتا ہے سیرِ آفاقی تو جو دنیا میں آیا۔ اپنی آنکھ سے ظاہر اسباب سے کر لیتا ہے لیکن سیرِ نفسی کی طرف توجہ کہاں۔ جب نفس کی طرف توجہ ہی نہیں۔ یا ہے تو آنکھ ہی نہیں۔ آنکھ بھی مل جائے تو سیر کرنے والا نہیں، تو بن رہا اس سیر بے پایاں کا کیا پتہ؟ کہ کہاں جا رہا ہوں۔ سیدھا یا الٹا۔ اور کہ اس منزل کا کیا نام ہے۔ اور میرا مقصود کیا ہے۔ اس سیر کے لئے کمال ہوشیاری مطلوب ہے اور اس سیر کا رہبر کامل۔

تم نے نہیں دیکھا کہ سیرِ آفاقی میں ہمارے بڑے بڑے رہنماؤں نے کتنی بڑی بڑی غلطیاں کھائیں۔ اور کتنے ہی اپنی رہنمائی میں ذلیل ہوئے۔ آخر اس کی وجہ کیا؟ وہی سیرِ نفسی کے علم سے ناواقف۔ کسی کے علم نے اسے گھاٹا دیا۔ کسی کی نظر نے اسے گرایا۔ کسی کا حوصلہ بیچھڑ گیا۔ اور کسی میں قوت نہ رہی۔ کوئی ایک بھی نہ بچا۔ الا ماشاء اللہ۔

۱۔ شداؤد۔ شدت کی جمع؛ سختی

۲۔ مکائد۔ مکیدت کی جمع؛ مکر و فریب؛ (مراد دنیا اور اہل دنیا کی چالیں)

۳۔ یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے کہ وہی حق ہے۔

۴۔ یعنی ظاہری علم کو سب کچھ سمجھ بیٹھا۔

۵۔ یعنی باطنی نگاہ کھل تو گئی لیکن گم ہمت نے غیر محدود ذات کا خیال نہ کیا۔ اور قطرے کو دریا سمجھ لیا۔

۶۔ مگر جس کو اللہ تعالیٰ چاہے۔

بھلا جسے اپنے پر تصرف نہیں۔ وہ ساری کائنات کو کیونکر تصرف میں لاسکے۔ سیر نفسی والے (اللہ والے) لوگوں پر ایک نظر تو دوڑاؤ۔ کیا کیا ان لوگوں نے کیا۔ اور ان کے انجام کتنے بلند اور شاندار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ان کے حق میں کتنا صحیح ہونگلا۔ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّكَ مِنَ الْأُولَىٰ۔

میں سچ کہتا ہوں۔ جس فقیر کا بزرگ کا، عالم کا، دیندار کا انجام اپنی ابتدا سے اچھا اور بہتر نہیں ہوا۔ وہ نہ فقیر ہے۔ نہ بزرگ۔ نہ عالم اور نہ دیندار۔

دور کیوں جلتے ہو۔ اسی مرد خدا کا جس کا میں مرقعہ لکھ رہا ہوں انجام دیکھو اور ابتدا دیکھو۔ اس نے دنیا کو اپنا انجام کتنا بلند اور شاندار دکھایا۔ سبحان اللہ وبحمده
اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ وَصَلِّ عَلَيْهِ

میں گھر آیا۔ میری عجب حالت ہو گئی۔ اجباب سے بے تعلقی اور خواہشات میں پڑے مردگی آگئی۔ خلوت و انزوا میں بیٹھ گیا۔ گھنٹوں گزر جاتے لیکن خاموش۔ دنیا فانی کا نقشہ سامنے موجود۔

کئی بار خیال آیا۔ کہ کس طرح اس سرکش گھوڑے (نفس) پر چپکے سے بیٹھ گئے۔ جو کہ ایک مکھی سے بھی زیادہ بدکتا تھا۔ اور کسی کو پاس آنا تو کجا قریب سے گزرنے بھی نہ دینا تھا۔ آخر ہوا گیا۔

۱۔ اور (اے نبی اکرم) آپ کی انتہا آپ کی ابتدا سے بہتر ہے۔

۲۔ پاک ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اپنی تعریفوں کے ساتھ۔

۳۔ الہی تو رحمت نازل فرما ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور برکتیں نازل فرما اور سلامتی عنایت فرما۔

۴۔ انزوا۔ گوشہ نشینی۔

۵۔ کامل کی نظر کے اثر سے نفس خواہشات کی غلاطت سے پاک ہو جاتا ہے۔ اس کو تذکرہ کہتے ہیں، گویا خواہشات مرچکی ہیں اس کو فنا کہتے ہیں۔ نفس فنا کی تاثیرات قبول کرے تو دنیا کا فانی ہونا سامنے آتا ہے۔

سوائے اس کے کہ شہ سوار کے کمال پر نظر پڑے۔ اور کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ میں وہی تھا۔ اور نفس
آمارہ وہی تھا کس نرمی سے کس محبت سے اور کس جا دوسے قید کیا۔

ایک طرف یہ حالت تھی۔ دوسری طرف یہ کہ ابھی بدستور منافقت ہے کسی سے یہ نہیں کہتا،
کہ میرے سر کیا بیعتی۔ اور اپنی سرگزشت سنانے سے اسے عار آتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ لکھتے پڑھے
آدمیوں کا نفس بھی لکھا پڑھا ہوتا ہے۔ جو شرارت کسی کے دل میں نہیں آتی یہ اس کا ادنیٰ و طیرہ۔
إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي - إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَحِيمٌ

ہاں ایک پاک خیال بھی ساتھ تھا۔ کہ بعض موجودہ وقت کے مریدوں اور مجاوروں کی طرح
میرا بھی انجام نہ ہو۔ اور اپنے ساتھ اس پاک ہستی کو بھی رسوا نہ کر بیٹھوں لیکن اس راز سے ناواقف
گفتہ اوگفتہ اللہ بود گر چہ از حلقوم عبد اللہ بود

بحمد اللہ کہ آج تک لغزش نہ ہوئی۔ اس بارگاہ لایزالی سے پوری امید ہے کہ آخری دم
تک اس پاک ہستی کے صدقے میرے قدم کو لغزش نہ دیں گے۔ اور قدیم الاحسان اپنی چادر سناری
سے میرے عیوب کو ڈھانپنے رکھیں گے۔ اور ابتدا سے بڑھ کر انتہا پر رحم فرما دیں گے۔
رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝

ع۱ شرم

ع۲ طریقہ - دستور

ع۳ یقیناً نفس برائی پر بڑا سرکش ہے۔ مگر جس پر میرا رب رحم فرمائے۔ بیشک میرا پروردگار غفور اور رحیم ہے۔

ع۴ اس کا کہا ہوا اللہ کا فرمان ہوتا ہے۔ اگر چہ اللہ کے بندے کی زبان (حلقوم، گلا) اسے نکلتا ہے۔

ع۵ خدا کا شکر ہے۔

ع۶ ہمیشہ قائم رہنے والی بارگاہ۔

ع۷ ہمیشہ احسان کرنے والا۔

ع۸ پروردگار! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور رحم نہ کھائے گا تو ہم نہیاں کاڑوں سے ہونکلیں گے۔

تربیت

حلقہ مریدی میں تو داخل کر لینا فی زمانہ آسان بات ہے لیکن تربیت مرید کرنا کالے دارد بعض مشائخ تو بالکلیہ اس طرف توجہ ہی نہیں فرماتے۔ اگر مرید کی استعداد اور محبت کامل ہونی تو خود بخود کچھ لے نکلا ورنہ خیر حلقہ ارادت ہی کافی سمجھا جاتا ہے۔ بعض بزرگ تربیت دینے کے شائق تو ہیں لیکن کوئی ایک خاص تربیت مقصود بالذات کر لی جاتی ہے۔ اور اسی پر تمام قوت صرف کی جاتی ہے۔ چنانچہ ایک خاندان میں تربیت عملی (ذکر) سے کام لیا جاتا ہے۔ تو دوسرے سلسلہ میں تربیت روحانی (توجہ) کو مقصود بالذات سمجھا جاتا ہے۔ ایک تیسرا گروہ ہے کہ وہ تربیت علمی کے ادراک کو سلوک جانتا ہے۔ اور ظاہری پیروی حضور علیہ السلام اور سنت کے بغیر اندرون حقیقت سے واسطہ نہیں رکھتا۔ اور بعض چوٹی کے بزرگوں نے دو تربیتوں سے کام لیا لیکن حضرت میاں صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سلف صالحین کی طرح چو طرفہ تربیت فرمایا کرتے تھے۔ اور کسی ایک حاضر ہونے والے کو واگذار نہ فرماتے تھے۔ بلکہ اپنی تمام سمہت صرف فرماتے۔ اور جو کچھ اس کی قوت میں ہوتا تھا۔ اسے باہر نکال کر چھوڑتے۔ اور جس جس تربیت کے لئے کوئی مستعد ہوتا تھا۔ اس سے دریغ نہ فرماتے الحمد للہ کہ خاکسار کو ہر سہ تربیت دی گئیں۔

علا مراد باطنی قابلیت۔ یہی بہت بڑی بہت ربانی ہے۔ اور اس کے بغیر کوئی جوہر جوہر قابل نہیں بن سکتا۔ اگر استعداد کامل کو تربیت کامل سے بجا تو پھر نتائج دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتی ہے۔ علا کسی کو اپنی بیعت میں لے لینا۔ علا حقیقت: شریعت ظاہر اعمال کی پابندی سکھاتی ہے۔ طریقت: باطن کا راز نہ چلنے کا مادہ ہے اور حقیقت: خفایا عالم اور خفایا اشیا کا ظہور ہے اس کے آگے معرفت الہی ہے جو مقصود پیدائش عالم ہے اور اس مرتبہ کو پانے سے اپنی استعداد کے مطابق ذات و صفات الہی کا پرتو انسانی سینہ قبول کرتا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۲۶ پر)

تربیتِ عملی

اس تربیت کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ افعالی ہے۔ دوسرا حصہ لسانی۔

۱۔ افعالی کی بابت آنحضور کا معمول تھا کہ سر سے لے کر آپ ایڑی تک حاضرین سے تازہ تابتے جو کوئی فعل یا معمول خلاف سنت نظر آتا۔ بلا تردد بلا تاحاشا اسے جا پکڑتے۔ جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ وہ پہلے اپنے آپ کو اس کے لئے تیار کر لیتے۔

آدابِ مجلس سے تھا کہ آنے والا دامن قدم پہلے رکھے۔ دوزانو میٹھے۔ اور اپنے سینہ میں نظر جمائے رکھے۔ لباس میں کرتے پر عام خیال ہوتا تھا۔ کہ قمیض نہ ہو۔ جوتے پر توجہ تھی کہ سیاہ نہ ہو۔ آپ فرماتے تھے: "کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جوتا زرد رنگ ہوتا تھا۔ ٹوپی کو یا صرف پگڑی کو بہت برا جانتے تھے۔ آپ کی زبان فیضِ ترجمان پر اکثر ہوتا تھا۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ کہ صرف ٹوپی نصرانی پہنتے ہیں۔ اور صرف پگڑی یہودی۔ مسلمان آدمی دونوں رکھتا ہے۔"

کئی بار ایسا دیکھا کہ جب کسی کی پگڑی میں سے چوٹی تنگی دیکھ پائے تنبیہ فرماتے۔ اور ٹوپی منگا کر اپنے دستِ مبارک سے پہنا دیتے تھے۔ ایک دفعہ ایک بوڑھے ساریان کو آپ نے ٹوپی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶)

علا سلف: گذشتہ بزرگانِ دین۔ صالحین: صالح کی جمع ہے جس کے معنی میں عمدہ کام کرنے والا۔ مستعد: صاحب استعداد۔
ع ہر کسے را بہر کار کا مستعد۔ کام کی تقسیم استعداد پر ہے، اسی طرح باطن کی بھی مختلف استعدادیں ہیں اور وہی شخص تربیت قبول کرتا ہے جس کو قبول کرنے کی استعداد ہو۔ علا یتوں قسم کی تربیت: علمی (ظاہر تربیت کی اتباع) عملی (ذکر) روحانی (توجہ)۔

حاشیہ صفحہ ۲۶:-

علا یعنی جو لوگ خدمت میں حاضر ہونا چاہتے وہ اپنا ظاہر ٹھیک کر لینے اور ظاہر آداب سیکھ کر جاتے۔

علا ناراض ہونا (لفظی معنی آگاہ کرنا)۔

پہنائی۔ سبحان اللہ! اسی وقت اسی کی صورت میں نور آگیا۔ لیکن آپ فرمانے لگے۔ ”میں تو پیروی سنت کے لئے ٹوپی پہناتا ہوں۔ لیکن بعض لوگ خیال کر بیٹھتے ہیں کہ یہ خلافت کی کلاہ ہے مجھے خلافت سے کیا واسطہ ہے۔“

ایک بار بوڑھے ہندوستانی صابری خاندان سے تعلق رکھنے والے کسی ضرورت (دینیوی) (دعا) کے لئے حاضر ہوئے۔ انہوں نے دعا کے لئے بہت التجا کی۔ پہلے آپ حسب عادت انکار فرماتے رہے۔ لیکن آخر رحم غالب آگیا۔ آپ نے ہاتھ اٹھا کر ان کے لئے دعا کی اور ہاتھ ملا کر رخصت فرمایا۔ لیکن جب دو جوتے پہننے لگے۔ تو آپ کی نظر جوتے (سیاہ گرگابی) پر جا پڑی آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا ”کہ کتنے ہیں بزرگوں سے تعلق ہے اور یہ سن (عمر) ہے۔ پھر بھی انگریزی سیاہ جوتے نہ چھوڑا۔“ وہ بے چارے معافی اردو زبان میں مانگتے تھے کہ جی حضور پھر نہ پہنوں گا۔ آخر آپ نے ان کی گرگابی پکڑ لی۔ اور ناپنے لگے جب آپ ناپ چکے۔ تو میاں دین محمد صاحب سے کہا کہ میرا جوتا جو آیا ہے اس کو لے آؤ۔ جب انہوں نے پیش کیا تو پھر اُسے ناپا۔ اور بوڑھے میاں کے قدم کے سامنے کیا ”کہ پہنو درست آتا ہے۔“ جب ان کو درست بیٹھ گیا تو آپ نے دوسرا جوتا بھی ان کے سامنے کر دیا اور پہنا دیا۔ زان بعد بوڑھے میاں حسب عادت ملک ہندوستان سلام کرتے جاتے تھے۔ اور آپ گرگابی کے لے جانے کے لئے اصرار فرماتے۔ آخر ان کے ہاتھ میں آپ نے دے دی۔ سبحان اللہ! یہ ہے پیروی سنت۔ اور یہ ہے عشق و محبت آل سرور کائنات علیہ التحیۃ والسلام اور یہ ہے۔ ایثار۔ اور یہ ہے تواضع

علا یہ سب اثر آپ کے دستِ مہتابی کا تھا۔ حضرت علاؤ الدین صابر سے منسوب ہے اور آپ حضرت شیخ بابا فرید کے خلیفہ مخدوم مبارک کلیر شریف۔ چشتی سلسلہ حضرت شیخ فرید سے دو شاخوں میں منقسم ہو گیا۔ ایک نظامی دورہ صابری۔ نظامی، حضرت نظام الدین محبوب الہی سے منسوب ہے جن کا مزار مبارک دہلی میں ہے اور چشتی کے ساتھ نظامی یا صابری کی نسبت لگتی ہے۔ ۳ سن۔ عمر۔ بڑھاپے میں لباس میں جوانوں کا سا تکلف ناپسند ہوتا ہے۔ علا محبت کا ایک ظہور یہ ہے کہ شکل، صورت، لباس وضع محبوب ہی کی پسند ہوتی ہے۔ آپ پرورد و سلام ہو۔

علا ایثار۔ اپنے آپ پر ترجیح دینا۔

میری موجودگی میں ایک صاحب بزرگانہ صورت تشریف لائے۔ جن کو آپ نے کئی بار یاد بھی کیا تھا۔ اور حضرت شاہ صاحب کے متوسلوں سے تھے۔ اور تھانہ شرفپور میں کسی زمانہ میں حوالدار رہ چکے تھے۔ اب فقر کی لگن میں ملازمت سے الگ اور سیاح ہو چکے تھے۔

باہر گورستان ڈاہرانوالہ میں انہوں نے ڈیرا کیا۔ بہت کچھ سنتے سنا تے تھے۔ قمیص پہنتی ہوئی تھی۔ اور بالکل سادہ لباس تھے۔ ان کے ساتھ آپ مجلس خاص فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن تو گذر گیا۔ آپ نے نہ ٹوکا۔ دوسرے دن آپ نے فرمایا۔ "یہ خلاف سنت ہے۔ اور تشابہ بہ نصاریٰ" انہوں نے کچھ چنداں پرواہ نہ کی۔ تیسرے دن آپ نے۔ ان کی آستین پکڑ کر کف پھاڑ دیئے۔ انہوں نے ہر چند کہا۔ میں خود پھاڑتا ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ تکلیف میں ہی کر لیتا ہوں۔ آپ کیوں کریں؟ چوتھے روز جمعہ تھا نیا کرتا پہنا دیا۔

آپ نے فرمایا۔ میں پانی پت گیا۔ امام صاحب تشریف لائے۔ تو بلا عمامہ ٹوپی ہی سے جماعت کرنے لگے۔ میں نے کہا۔ "کہ عمامہ کہاں؟" تو وہ کہنے لگے۔ یہ ٹوپی درباری ہے۔ "میں نے کہا کس کے دربار کی۔ ہم نے تو دیکھا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ٹوپی اور عمامہ سے جماعت فرمایا کرتے تھے۔ یہ کس دربار سے آئی؟" امام صاحب نے کہا۔ کہ یہ دربار انگریزی سے اجازت ملی ہے کہ دربار میں ٹوپی ہی سے آجایا کرو۔ اتنے میں میں نے اپنی گپڑی نصف نصف کر دی۔ ایک نصف ان کے سر پر بند ہوا دیا۔ دوسرا نصف اپنے سر رکھ لیا۔ اور کہا، کہ اب

عاجزی اور کتری

ع حضرت شاہ صاحب سے مراد شاہ ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ دہلوی ہے۔

ع متوسل۔ توسل کرنے والا۔ وسیلہ بنانے والا یعنی مرید۔

ع تشابہہ نصاریٰ۔ عیسائیوں سے مشابہت۔

جماعت کرو۔ تو وہ حیران ہو کر مجھے دیکھنے لگے جب ان کو معلوم ہوا تو معافی مانگی۔

ایک بار آپ نے مجھ سے فرمایا کہ شریعت تو رسول سکھا دیتے ہیں۔ اگر پیر نے ادب بھی نہ سکھایا۔ تو پھر کیا کیا۔ اور سچ یہ ہے کہ طریقت کی جان بھی ادب ہے۔ ع

بے ادب محرومِ مشقت از لطف رب

اور طریقت کا لباس بھی ادب ہے۔ ع

ادب تاجیست از لطف الہی

زمانہ حاضرہ میں فرنگیت کے زور نے تمام لوگوں کی صورتیں مسخ کر دی ہیں۔ اکثر دیکھا ہے کہ نمازی بھی ہیں۔ صومِ صلوات کے پابند بھی ہیں۔ لیکن چہرہ ہے کہ فرنگیانہ۔ نہ ڈاڑھی ہے نہ مونچھ۔ یا ڈاڑھی صفا۔ مونچھیں بڑی بڑی۔ یا سر پر فرنگیانہ صورت کے بال تراشے ہوئے جب کوئی صورت بھی ایسی آپ کے سامنے آجاتی۔ بنیاب ہو جاتے۔ اور اپنے اس مقولہ کے مطابق کہ "مسلمان آدمی جب کسی امر خلافِ شریعت کو دیکھے تو ایسا ہو جائے جیسا بھوکا بھیڑیا کبریٰ پر۔" آپ ایسے ہو جاتے۔ چنانچہ کئی ایک اوقات بچشمِ خود دیکھے۔ ایک دو واقعہ لکھتا ہوں۔

جمعہ کے دن آپ کا معمول مطابق سنت سید آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام تھا کہ آپ غسل فرماتے۔ لباس تبدیل فرماتے۔ ملنے والوں کے لئے یہ دن انتظار کا ہوتا تھا۔ اور بہت سے لوگ جمع ہو جاتے۔ تو آپ کو موقعہ نیچے تشریف لانے کا ملتا۔ ایک جمعہ کو آپ جب بالاحاقانہ سے تشریف لائے۔ تو زائرین سے مکان پر تھا۔ آپ حسبِ عادت داہنے طرف سے دیکھنے

ع۱ ہے ادب اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں سے محروم رہ گیا۔

ع۲ ادب اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کا تاج ہے۔

ع۳ انگریزیت۔ اس بیٹھے زہرنے کٹی بلند استعدادیں برباد کیں۔ استقامت کے پہاڑ راستہ بھول کر ادھر آئے اور اپنی نسل نسل کے لیے خدا پرستی کی راہیں بند کر گئے۔

ع۴ مسخ کرنا۔ بگاڑ دینا۔

ع۵ مقولہ۔ قول (بات)

ع۶ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات نے فطرت کی ہر جائز خواہش کو اپنا معمول بنا لیا اور ظاہر کی زینت اور صفائی کو بھی اپنی سنت قرار دیا، اس لیے اہل سلوک فقر کا وہ طریقہ جو سنت کے تقاضوں کو پورا کرتا ہو وہ ہر طرح محمود ہے۔

لگے۔ اور برابر بائیں طرف نظر دوڑاتے گئے۔ مگر خلافِ عادت بائیں طرف سے ملنا شروع کیا۔ پہلے شخص کو بلا تردد فرمایا۔ کہ مسجد کو چلے جاؤ۔ دوسرے کو دیکھ کر بھی یہی فرمایا۔ تیسرے کے پاس آ کر دوڑا تو آپ بیٹھ گئے۔ اور اس کے چہرے کو نہایت عجز سے دیکھا اور پوچھا، کیا نام ہے۔ اُس نے عرض کی بہاؤ کہ۔ آپ نے فرمایا بہاؤ کہ کیا ہے۔ بہاؤ الدین نام ہو گا۔ ساتھ ہی آپ اپنا ہاتھ بڑھاتے گئے۔ اور اس کی منڈی ہوئی وارٹھی پر چار رکھا کہ بہاؤ الدین یہ کیا نام بہاؤ الدین اور چہرا یہ۔ مسلمان کے مسلمان بے ایمان کے بے ایمان۔ پھر تو اسنا جذب آیا۔ کہ آپ بے اختیار سو کر اس کی دونوں مچھیں پکڑ کر زور زور سے کھینچنے لگے۔ اور فرمانے لگے تمہارا کلمہ تو یہ ہے۔ لا الہ الا اللہ انگریز رسول اللہ اور آہستہ سے طمانچے بھی چند لگائے۔

زاں بعد دریافت کیا کہ کس کے ہمراہ آئے۔ اُس نے کہا میاں صاحب کے ہمراہ۔ آپ نے کہا کونسے۔ تو اس نے ایک آدمی چھوڑ کر دوسرے کی طرف اشارہ کیا۔ آپ اُس کو چھوڑ کر میاں صاحب کی طرف متوجہ ہو گئے۔ میاں صاحب ایک خوبصورت پچیس سالہ وارٹھی صفا نوجوان تھے۔ آپ نے نام پوچھا تو کہا حسین۔ آپ نے فرمایا کیا حسین ہے؟ اس نے کہا، جی ہاں۔ آپ نے ٹھوڑی سے پکڑ کر اُس کا منہ دائیں بائیں پھرایا۔ اور فرمایا دیکھو۔ یہ حسین کی شکل ہے۔ یہ حسین ہے۔ اتنے میں دو تین طمانچے آپ نے رسید کر دیئے۔ زاں بعد فرمایا۔ کہ ہو۔ لا الہ الا اللہ انگریز رسول اللہ۔ لا الہ الا اللہ لندن کعبۃ اللہ۔ وہ بے چارہ ہیبت سے لرز ہا تھا۔ اور مجلس بھی دم بخود کھتی۔ اور برابر پڑھ رہا تھا۔ پھر آپ نے دریافت کیا کہ باپ داوا

۱۔ دوڑا تو بیٹھنا۔ التحیات کی صورت بیٹھنا۔ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے تمام تربیت یافتگان کا یہی دستور رہا ہے۔ زیادہ بڑھک اس طرح بیٹھنا کافی مشکل ہے۔ عادت سے یہ آسان ہو سکتا ہے یا پھر ذکر و فکر کی مستی اسے آسان بنا جاتی ہے۔
۲۔ اچھا نام رکھنا انسانیت کی عزت ہے اور سالم نام سے پکارنا عزت افزائی ہے اور یہ ادب اور وقار کی بنیاد ہے۔
۳۔ جذب: اندرونی جوش۔ اور یہی ایک ایسی قوت ہے جو بے انتہا موثر ہے اور بعض خواص میں یہ اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔

۴۔ یعنی اطاعت کرنی چاہیے مخفی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، ہم عملاً انگریز کی اتباع کرتے ہو اس لیے گویا تمہارا رسول انگریز ہے۔

بھی دیکھے تھے۔ اُس نے کہا کہ جی ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ اُن کی صورت بھی یہی تھی؟ اُس نے کہا جی نہیں فرمایا کہ پھر تجھے کیا ہو گیا۔ میں نے سنا ہے کہ بزرگ تھے۔ اُن کی قبر پر اب بھی لوگ حاجات طلب کے لئے جاتے ہیں۔ کیا ایسے ہی ہے؟ اس نے کہا جی ہاں ایسے ہی۔ تو آپ نے فرمایا کہ پھر تجھے کیا ہو گیا۔ پھر دو چار طمانچے اور لگا دیئے۔ زان بعد فرمایا۔ کہ کتنے مرجوں کے مالک ہو۔ اس نے کہا کہ چودہ کے۔ آپ نے پھر دو طمانچے لگائے کہ اللہ نے اتنا دے رکھا ہے اور پھر یہ حالت۔ پھر فرمایا کہ کہو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ زان بعد پوچھا۔ کیا کرتے تھے۔ اس نے کہا ذیلدار ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ یہاں کیوں آئے۔ اس نے عرض کیا کہ کپتان آیا ہوا ہے۔ اُس سے کچھ کام تھا۔ آپ نے نہایت نرم طبیعت سے فرمایا۔ کہ لوگوں کے فیصلے گھری کر دیا کرو۔ جتنا ہو سکے گھری مٹایا کرو۔ صورت و سیرت مسلمانوں کی پیدا کرو۔ انگریزوں کے افسر جو گھر آجائیں۔ ان کی خدمت کر کے ان کو ٹال دو۔ اور خود ان کے پیچھے نہ دوڑا کرو۔ اب تمہاری پیشی صاحب کے پاس کس وقت ہے۔ وہ چونکہ آپ کی طبیعت سے ناواقف تھا اس سے اُسے کچھ معلوم نہ ہوا بلکہ حیران اُس نے سمجھا کہ شاید پھر کچھ تادیب ہو۔ پھر فرمایا کہ دوپہر کا کھانا یہاں ہی کھانا۔ زان بعد اُس کا ہاتھ پکڑا اور پر کی منزل میں اسے لے گئے۔

رمز شناسوں نے کہا کہ مار پیٹ تو بہت کھائی۔ لیکن حسین جس کام کے لئے آیا تھا۔ وہ ہو گیا۔

اس قصہ سے ہمیت۔ جلال و جمال۔ خلافِ شریعت پر غصہ اور اشراقِ غرض کتنی باریں

۱۔ اولیاء اللہ کی قبور اپنی اپنی تاثیرات میں مشہور ہیں۔ چونکہ فانی فی اللہ اور مقبول بارگاہِ الہی قبریں۔ دفن ہوتا ہے اس لیے قربِ الہی کے متلاشی وہاں مراقب ہوتے ہیں اور فیض پاتے ہیں۔ اور قبولِ دعا کا مقام بھی وہ ہوتا ہے اس لیے بعض دنیوی اغراض رکھنے والے لوگ بھی وہاں جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی حاجات پوری فرماتے ہیں۔

۲۔ اس سے مراد ہے کہ ظاہر، باطن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا قرار کرو۔

۳۔ تادیب۔ تنبیہ۔

۴۔ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ کے جلال میں جمال پوشیدہ تھا۔ جس پر کچھ سختی فرماتے اس کا کام ہو جاتا۔ حضور کی طبع مبارک نہایت نرم تھی آپ رحیم تھے لیکن خلافِ شرع کام پر بھڑک اٹھتے تھے۔

ہیں۔ جو آپ کی ذات بابرکات کے لئے نظر آجاتی ہیں۔

جماعت کی سخت پابندی فرماتے۔ کسی کی مجال خادموں سے یا زائروں سے نہ ہوتی۔

کہ مشرق پور شریف حضور کے لنگر میں ہو۔ اور جماعت سے غائب ہو۔ مجھ جیسے سست و کاہل کی دو نمازیں بلا جماعت ہو سکتیں۔ وہ بھی ایک تو میں علیل تھا۔ اور عین وقت جماعت پیٹ کے اندر خلل ہو گیا۔ اور دوسری جماعت ظہر کے پورے گزر گئی۔

ایک دن امام دین خادم عصر کے وقت نلکہ سے پانی بھرتا رہا۔ اور اس بیچارے کو وقت معلوم نہ ہوا۔ آپ ایک دم نہ معلوم کیوں نیچے نشتر لائے۔ سوائے امام دین کے اندر کوئی نہ تھا۔ آپ نے فرمایا۔ تو جماعت پر نہیں گیا۔ وہ بہرا تھا۔ آپ بے تاب غصہ سے ہو گئے۔ اور بار بار فرماتے کہ تمہارے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم نے جماعت کی پروا نہیں کی۔ لیکن اس نے کچھ نہ سنا۔ اتنے میں میاں دین محمد صاحب آپ کے خادم آئے۔ تو آپ نے فرمایا یہ کیوں نہیں یہاں سے چلا جاتا۔ انہوں نے کہا بہرا ہے۔ سنا نہیں آپ نے فرمایا کہ اس سے کہو کہ اب کی تو گزر گئی کہ تو نے سنا نہیں آئندہ جماعت میں نہ پہنچو گے تو نکال دوں گا۔

آداب جماعت کا ہمیشہ خیال رہتا۔ صفیں نہایت تاکید سے سیدھی کروانے۔ اور قدموں کی طرف دیکھتے۔ اگر کسی کے پاؤں میں زیادہ یا کم فاصلہ ہوتا۔ تو آپ اپنے ہاتھ سے اس کے قدموں کے فاصلے کو درست فرماتے۔

خطبہ میں دوزانو بیٹھنے اور سینے کی طرف دیکھنے کے لئے ہمیشہ وعظ فرماتے۔ اور کسی کو

علا نماز اور جماعت اسلام کے اولین اصول ہیں طریقت میں بھی ان کو اولیت کا درجہ ہے۔ جلیل القدر اولیاء اللہ ہمیشہ سجد و سجود کے فریے منقول بلند پر پہنچے۔ نماز اور جماعت سے بے نیازی طریقت محمدی کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ جماعت کے آداب میں صفوں کو سیدھا رکھنا نہایت ضروری ہے۔ حضور پر رکائات علیہ السلام نے فرمایا اَسْتَوْدَاوْا لِمَخْتَلِفُو اَفْتَحْتَلِفُو فَلَؤَبْکُمْ وَکُمْ صَفُوں کو سیدھا کرو اور ٹیڑھا نہ ہونے دو مبادا تمہارے دل ٹیڑھے ہو جائیں۔ حضرت عمرؓ اپنی خلافت کے زمانے میں صفوں کے اندر پھرتے تھے اور صفیں سیدھی کرتے تھے۔ سالک جزئیات میں اگر سنت کو ملحوظ رکھے گا تو عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت سے سرفراز ہوگا۔

خطبہ جمعہ، نماز جمعہ کا ایک حصہ ہے۔ اس لیے اس کے بھی آداب نماز کے آداب سے ملتے جلتے ہیں۔ خطبہ میں دوزانو بیٹھنا۔ اپنے سینے کی طرف دیکھتے رہنا۔ اور سرنگے نہ بیٹھنا اور مکمل سنت ٹوپی پر گپٹی باندھنا ہے۔ اس لیے حضرت صرف ٹوپی کو پسند فرماتے۔

اس وقت ننگے سر یا ٹوپی پہننے دیکھ نہ سکتے۔ اور کوئی سامنے آجاتا تو وعظ میں اسی بات پر زور دیتے۔ لیکن خاص طور پر کسی کو نمایاں نہ فرماتے۔

آداب مسجد میں سے دامنے قدم سے داخل ہونا ننگے سر مسجد میں نہ بیٹھنا۔ دوزخ اور رہنا۔ بلند آواز سے کلام نہ کرنا۔ اور ننگے نہ ٹوڑنا، پر اکثر زور ہوتا تھا۔

ایک بار میں مسجد سے حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو پہلا لفظ آپ کی زبان نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ مسجد کے تنکوں کو توڑنا خلافِ ادب ہے۔ واقعہ یہ تھا کہ میں اکثر انگ بیٹھا تھا۔ اور کبھی خیال میں غرق ہو کر ایسا ہو جاتا تھا۔ چنانچہ اس دن بھی یہ توڑ موڑ رہی۔ سبحان اللہ کتنا کشف بلند ہے۔

آداب طعام میں تھا کہ کھانا سفر پر ہوتا۔ ہاتھ دھونے کی تاکید ہوتی۔ ایک زانو لٹائے اور دوسرا اٹھائے۔ کھانا کھایا جائے۔ اور دو دو چار چار کھائیں۔ سالن بچے تو پی لیا جائے اور برتن صاف کیا جائے فراغت کے بعد انگلیوں کو چاٹ لیا جائے۔ یہ تمام وہ باتیں ہیں۔ جو سنت بھی ہیں۔ لیکن کسی کی توجہ موجودہ تمدن میں ان پر نہیں رہی تھی۔

حقوق اللہ سے بڑھ کر حقوق العباد کی طرف توجہ تھی۔ فرماتے تھے کہ اس میں دو حق ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ کا اور ایک بندہ کا۔

اکثر خدا پرستوں کے پاس بیٹھ کر یہ فرمایا کرتے تھے ”جو کچھ ہیں معاملات ہی معاملات ہیں جو معاملات ہیں اچھا ہے وہی اچھا ہے۔ میرے نزدیک تو معاملات کا درجہ دیگر اعمال صالحہ

۱۔ آداب مسجد: ذکر چوکھو مقصود ساک ہے اور ذکر کے سوا ہر صوفیت مقام ذکر میں ذکر کی مانع ہے۔ اس لیے پوری توجہ اور یکسوئی کی خاطر پابندی توجہ رہنا ضروری ہے، اور دربارِ خداوندی کی حاضری میں مقرر آداب کے ساتھ جانا اور بیٹھنا چاہیے۔
۲۔ فرنگی تہذیب نے کھانے کے آداب بدل دیئے ہیں ورنہ کھانے کا مسنون طریقہ وہی ہے جس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ پوری تاکید سے پابندی کراتے۔

۳۔ معاملات: آپس میں برتاؤ کو کہتے ہیں۔ اچھا برتاؤ اسلام کا مایہ ناز دستور ہے۔ اخلاق محمدی کا نمونہ سامنے ہے حقوق العباد کی پرکھش حقوق اللہ کے مقابلے میں ہے گویا عبادت گزار لوگوں کو اپنی دونوں آنکھیں یعنی (حقوق اللہ اور حقوق العباد) برقرار رکھنے کے لیے معاملات (لیکن۔ دین باہم برتاؤ خوش خلقی وغیرہ) کا خیال رکھنا چاہیے۔

سے بلند ہے۔

ہمارے خانگی معاملات میں کئی طرح کے جھگڑے تھے۔ اور آپ اکثر ازراہ مہربانی خود ہی استفسار فرماتے۔ اور حقیقت دیکھنے کے بعد فرماتے۔ "میں خوب جانتا ہوں۔ حق تمہارا ہے۔ لیکن تم ہی جانے دو۔ وہ خوش ہو جاویں گے۔" اس پر ذیل کا مسئلہ فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ کہ جماعت کے داہنے طرف بہت ثواب ہے۔ اصحاب داہنے طرف کھڑے ہونے کے لئے اکٹھے ہو جاتے۔ پھر فرمایا۔ جو صف بقیہ کو پورا کرے۔ اس کو اس سے زیادہ ثواب ہے۔ پھر تمام پہلی صف میں پھیر ہونے لگی پھر فرمایا کہ جو اپنے بھائی کو جگہ دے کر آپ پیچھے ہٹ جاوے اس کو پہلی صف سے بھی زیادہ ثواب ہے۔ فرمایا اصل تو یہی ایثار ہے کہ اپنا حق دوسرے کے پیشتر اور قربان کر دیا جائے۔"

سجادہ نشینوں عالموں اور مفتیوں کی خانہ جنگیوں سے اکثر آپ کو درد رہنا تھا۔ اور گاہ بگاہ بیتاب ہو کر علی الاعلان فرماتے۔ "کہ ان لوگوں نے ہم لوگوں کو تباہ کر دیا۔" چونکہ نظر مبارک نہایت وسیع تھی۔ تمام پنجاب کے بڑے بڑے گھرانوں اور خاندانوں کے واقعات سے آپ باخبر رہتے تھے اور نہایت درد سے یاد رکھتے۔ اور حقیقت حال کبھی نہ چھپاتے۔ کئی بار بیربل اور مکان شریف کا قصہ و قضیہ احباب سے فرماتے۔ اور علاج سوچتے۔

یہ اس پاک ہستی کی برکت ہے کہ ان دونوں خاندانوں میں بہت کچھ اصلاح ہو گئی۔

آداب تو اور بھی بہت کچھ ہیں۔ لیکن آپ کا زیادہ زور اور آپ کی توجہ ان پر زیادہ اس

۱۔ ایثار ہی ایک ایسا جذبہ ہے جس سے خلق خدا کی خوشنودی اور ضائع الہی اور قرب خداوندی حاصل ہوتا ہے، نفس پرستی اور اپنے آپ کو مقدم کرنے سے خلق خدا کی طرف سے نفرت اور اللہ تعالیٰ سے وری ہوتی ہے۔ فقر و تصوف کا مقصد ہی قرب الہی ہے اس لیے فقیر کے لیے اس جذبے کی عملی تربیت از بس ضروری ہے۔ ۲۔ اولیاء اللہ کے زمانے مادی اگر درست و حافی سے بہرور نہ ہوں تو عام دنیا داروں میں اور ان میں کچھ فرق نہیں اور ایسی صورت میں مادی قسم کے جھگڑوں کا پیدا ہونا ناگزیر ہوتا ہے بلکہ جو جھگڑا کی اولاد میں تربیت یافتہ ہوتے ہیں ان کو ناز بیت یافتہ پریشان کرتے ہیں ان کی ذاتی خوبیوں ایثار اور مہمندی کے باوجود وہ انہیں تنگ کرتے ہیں۔ ۳۔ بیربل شریف دریائے جہلم کے کنارے ایک مبارک گاؤں سے تقریباً تین ہزار کی آبادی ہے اور حضرت قطب العالم محبوب الہی حضرت قبلہ شہنا مصنف بدظنہ کامولاً و مسکن ہے (محشی) ۴۔ مکان شریف ضلع گورداسپور بھارت میں ایک مبارک گاؤں جو حضرت امام علی شاہ صاحب مرشد علی حضرت میاں شیر محمد صاحب شرفپوری اور حضرت شاہ حسین بھوڑے والی رکار کا شہر ہے درمیان فون مقدس ہستیاں ہیں مہنوں ہیں ۵۔ کا ۱۲ اولیاء اللہ کے خیال کی برکت سے حالات بدل جاتے ہیں ملا زمرہ کے آداب مثلاً آداب مجلس، لباس، صوت شکل، جمعہ کے آداب، جماعت نماز کی پابندی، آداب مسجد آداب طعام پھر حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کی پابندی آپس کے معاملات میں ایثار سے کام لینا اور درگزر کرنا وغیرہ، آداب اسلامی نواز کا معمول ہونا چاہیے۔

لئے تھی۔ کہ دوسرے صوفی۔ بزرگ شیخ۔ علم۔ مولوی اور واعظ ان کی طرف توجہ نہ کرتے تھے۔ اور ان کا اعتبار ان کی نظر سے ساقط ہو گیا۔ اور کسی ایک کی بھی توجہ میں نے ان کی طرف نہ دیکھی۔ بلکہ خود اس روم میں چل رہے ہیں۔ تفریحاً ایک قصہ بھی لکھ دینا ہوں۔

ایک دن یہ خاکسار مولانا احمد علی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہاں ان کا ایک مخلص آپ سے ذکر کر رہا تھا کہ مولانا غلام قادر رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے محمد مظہر مہوم سے سنت پر میری تکرار ہوئی۔ کہ تم فاتحہ نہیں پڑھتے آمین نہیں کہتے۔ وغیرہ وغیرہ۔

جب مولانا صاحب چلے گئے، تو باتوں باتوں میں میری طرف متوجہ ہو گیا۔ میں نے بی زبان سے جواب دیا۔ کہ موجودہ زمانہ میں تو سنت پر چلنے والا مجھے کوئی نظر نہیں آتا۔ اس نے کہا کہ نہیں خدا کے فضل سے ہماری جماعت بہت ساری ہے جو سنت کے عاشق اور اس پر جان نثار ہیں اور ہر چیز سے اسے مقدم رکھتے ہیں۔ زراں بعد میں نے نہایت منانت سے کہا۔ کہ اچھا بھائی صاحب یہ ٹرکش کیپ سنت ہے؟ وہ خاموش! پھر کہا۔ فرمائیے۔ یہ فرنگیانہ چھوٹے بال سنت ہیں یا کانوں تک۔ پھر خاموش! میں نے عرض کی کہ چادر رکھنا سنت نہیں؟ ذرا دیکھو تو سہی آپ کی جماعت میں پیردی سنت کہاں گئی ہے۔ بے چارہ چپ رہ گیا۔

بیچ تو یہ ہے کہ اس آخری زمانہ میں میں نے تو صرف حضرت قبلہ میاں صاحب کی ذات بابرکات کو دیکھا تھا۔ کہ جو کتاب و سنت میں نظر آیا۔ اس پر فعلاً قولاً کار بند ہو کر دنیا کو دکھا گئے۔ نماز کے اوقات کی سخت پابندی تھی۔ اور حاجی عبدالرحمن صاحب کی خدمت یہ ہی تھی۔ آپ

علی اعتبار ساقط ہو گیا۔ نظروں میں کوئی قیمت نہ رہی۔ علی مولانا احمد علی صاحب مہوم امیر جماعت خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور بہت بڑے عالم تھے اور قادری سلسلہ کے مجاز تھے علمی اور حالی حلقہ ہر دور رکھتے تھے۔ ۱۷۔ رمضان ۱۳۸۱ھ میں فوت ہوئے۔ میانی صاحب لاہور کے قبرستان میں مدفون ہیں۔ علی مولانا غلام قادر صاحب مہوم بہت بڑے عالم اور صوفی تھے۔ بیگم شاہی مسجد مستی دروازہ لاہور میں قیام تھا۔ بحیرہ ضلع شاہ پور کے رہنے تھے۔ تاریخ وفات ۱۹۔ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ بیگم شاہی مسجد میں مدفون ہیں۔

علی سنت کو محدود مان کر عشق سنت کا دعویٰ کرنا آسان ہے۔ کہ رفع یدین سنت ہے آمین بالجبر سنت ہے اور تراویح کی آٹھ رکعت پڑھنا سنت ہے لیکن حضور پر نور رحمۃ اللعالمین کی تمام زندگی مقدس کے ظاہر و باطن کے تمام اعمال و اشغال، حالات و کیفیات کو سنت ماننا اور ان کے حصول کے لیے جدوجہد کرنا مشکل سنت ہے اولیاء اللہ اور ان کے متبعین اسی مشکل سنت کی اتباع میں اپنا ظاہر باطن درست کرتے ہیں۔ حاجی عبدالرحمن حضور قبلہ میاں صاحب کے خلیفہ تھے اور ساری عمر اپنے پیر مرشد کی خدمت میں گزار دی وفات فروری ۱۳۸۱ھ میں لاہور۔

اکثر مرتبہ المحققین (جو اپنے اپنے مصارف سے چھپوائی تھی) احباب کو ہدیت دیتے ہوئے فرماتے تھے کہ اس میں اوقات نماز کی بہت عمدہ تحقیق ہے۔

نوافل میں سے تہجد پر زیادہ توجہ تھی۔ اور اکثر چھ رکعت فرمایا کرتے تھے۔ مجھے بھی چھ ہی رکعت ادا کرنے کے لئے فرمایا۔ اس کے علاوہ میں نے کوئی ترتیب آپ کی زبان سے نہیں سنی۔ البتہ میں کبھی تو آیتہ الکرسی سورہ حشر کی آخری آیات۔ قل شریف بتکرار پڑھ کر لطف اٹھاتا ہوں اور کبھی سورہ بقرہ کا آخری رکوع۔ اور سورہ نور میں سے اللہ نور السموات پڑھ کر ذوق پاتا ہوں۔ اور گاہ سورہ اسراء سے اقصی الصلوة کا رکوع۔ اور خاص کر یہ آیت شریفہ مجھے بہت بھلی معلوم ہوتی ہے۔

وَقُلْ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ

سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا

وقت ہوتا ہے تو بس بتکرار یا سورۃ مزمل کو دو گانہ میں جوڑ لیتا ہوں۔

البتہ ایک بار مجھے خیال آیا کہ آپ نے دوسرے نوافل کا ارشاد کبھی نہیں فرمایا۔ تو اپنے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرائض پر تو یہ نہیں فرمایا۔ کہ میں آنکھ اور کان بندے کا ہو جاتا ہوں۔ یہ صرف نوافل کا ہی درجہ ہے کہ انسان کو اس درجہ پر پہنچاتے ہیں۔ نوافل پر ہی یہ عنایت کہ جس طرف چاہو۔ منہ کر کے پڑھتے جاؤ۔ اور جو چاہو۔ بتکرار کثیر پڑھو۔

ترتیب بالا میں مجھے ہمیشہ ہی ارشاد ہوتا۔ کہ جو کچھ حضرت صاحب (دادا صاحب) کرنے

۱۔ یہ کتاب حضرت سید الاولیاء حاجی حسین بھوسے الی سرکار کے حالات اور کلمات طیبات میں ہے اور حضور قطب العالم میاں صاحب نے اپنے خراج سے چھپوائی۔
۲۔ نماز تہجد۔ یہ وہ نماز ہے جو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک پر فرض تھی اور صحابہ تابعین کے وقت تک عوام خاص عموماً تہجد پڑھتے تھے لیکن بعد میں جب علم نے غلبہ پایا اور مسرت قسم کے علما مقتدا بنیہ سنت مبارک صرف مالکین طریقت کے لیے ضروری قرار پائی۔ اکثر سلاسل میں ۱۲ رکعتیں پڑھی جاتی ہیں حضرت میاں صاحب اور حضور کے خلفاء اپنے متوسلین کو ہر رکعت فرماتے ہیں۔

۳۔ اور آپ کہیں کہ اے میرے پسرے پڑھو گار مجھے داخل کر صداقت کا داخل کرنا اور مجھے نکال صداقت کا نکالنا اور مجھے اپنے ہاں سے ایک ایسا غلبہ عینیت فرما جو مدگار ہو۔
۴۔ حدیث مبارکہ ہے۔ وما یزال عبدی یتقر بالی بالنوافل حتی اجبتنا فاذا اجبتنا فکنت سمعہ الذی یسمع بہ وبعہ الذی یبصر بہ ویدہ الذی یتیش بہا ورجلہ الذی یمشی بہا (الحديث) ترجمہ: اور میرا بندہ نفلوں کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے محبوب رکھتا ہوں۔ جب میں اس کو محبوب رکھتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں مجھ سے سنتا ہے اور میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں۔ مجھ سے دیکھتا ہے اور میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں۔ مجھ سے پکڑتا ہے اور میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں۔ وہ مجھ سے چلتا ہے۔

تھے۔ وہی کرتے جاؤ۔ کیونکہ ان دونوں بزرگوں کی طبیعت آپس میں بالکل یکساں تھی۔ انشاء اللہ کسی دوسرے موقع پر موازنہ دکھاؤں گا۔ یہاں پر اس پاک ہستی کا مرقعہ مولانا سوہاوی رح کے اشعار پنجابی سے دکھاتا ہوں جس کی تاکید آپ پر وہی میرے لئے فرض کی گئی ہے۔

اشعار

کروں میں صفت کیا مہن اُس ولی دی
پڑھاؤں وچہ گزار دی عسرداری
اوہ عالم ہے تے قائل ہے ولی ہے
رہے مسجد دے اندر بیٹھا اولے
پیر مہر دی محبت ایسی رکھے
جو اتنی جس نے ہے سنت نبی دی !
فقیری دا بھی واہ و انسیض جاری
خدا دے راہ وچہ نائب نبی ہے
کدی با جھوں ضرورت دے نہ لولے
سو اسنت دے پانی بھی نہ چکھے

یا حضرت اس عشق تیرے وچ عسرداری ساری
اُجھالماں میں سبھ ڈھونڈیا بہتے دھوئیں بھولے
ہو رفیق غاراں وچ وڑ کے چھپ چھپ چلے گزارن
شرع موافق طور صحابہ ابو بکر و اچالا
میں بھی اس طفیلوں چاہاں تیری مدد باری
سبھ صفناں وچہ اس جہا مینوں نظر نہ آیا مولے
پیر میرا مسجد دی زینت مخلوقات سوارن
ظاہر شغل زیادہ ایہا پڑھن پڑھاؤں والا

اوہ اک لمحہ جدا نا ہووے رب تھیں
دے خاموش حیراں اس سبب تھیں

۱۔ نبی کی طبیعت جیسی ہوگی امت کی طبیعت بھی ویسی ہوگی۔ اسی طرح ولی اللہ کی طبع جیسی ہوگی مریدین بھی اسی سانچے میں ڈھلے گئے۔ کیونکہ فقر فقیری کا مدار طبع پر ہے اور طبیعت ہی اولین فیض ہے جو کسی بندے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوتا ہے پھر اس کی تربیت ہوتی ہے۔ پیر کی طبیعت اور مرید کی طبیعت میں مطابقت ہو تو پہلے دن فیض کا باب کھل جاتا ہے، جن بزرگوں کی طبائع آپس میں ملتی ہیں ان کے فیض کے نتائج بھی ملتے جلتے ہیں۔ مولانا محبوب عالم سوہاوی، ساکن موضع سوہاؤہ ضلع گجرات۔ آپ حضرت اعلیٰ غلام مرتضیٰ بیر بلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اپنے پیر مرشد کے ساتھ کمال محبت تھی، ظاہری باطنی علوم میں لیگانہ تھے۔ اپنے پیر مرشد کی زندگی میں وفات پائی۔ مولانا حیرت معرفت المہی میں بہت بلند درجہ ہے اور ٹھوڑے خوش نصیب یہ مقام حاصل کرتے ہیں۔

لوڑے ہر کوئی اس دولت نون باہجہ نصیب نہ پاوے

کیڑا جس ص کرے سلیمانی تخت میرے ہتھ آوے

مدینے تک نہیں پہنچن جسے دا دیکھے وچہ بیربل نامب نبی دا
دوا شتعار فارسی بھی دیکھ لیجئے۔

نیست فقط ظاہر اور نور شرع باطن اور شمع حقیقت۔۔۔ بوریع
تن پئے تدریس مزج نشیں دل پئے تفتدیس بعرش بریں

آپ فرماتے تھے۔ کہ حضرت صاحب نے مستحب کو فرض کر کے ادا کیا۔ سبحان اللہ یعنی جس طرح فرض کی ترک سے نماز نہیں ہوتی۔ اسی طرح ان کے نزدیک ان کی نماز مستحب کے بغیر ادا نہ ہوتی۔

مرض الموت میں حب بر خور دار بشیر احمد (طو ل عمرہ) کو قاری صاحب نے پیش کیا۔ تو تلقین کرنے کے بعد فرمایا۔ ”حضرت مولانا حافظ غلام مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی فنا دیکھو اور بقا دیکھو۔ وہ کیسی فنا تھی۔ اور کیسی بقا تھی۔ جتنا موقع ملے۔ ان کی مزار شریف پر بیٹھنا اور غنیمت جانا۔ آپ کی عادت مبارک تھی کہ جب کسی امر کو نہایت عظیم الشان دکھانا ہوتا۔ تو بلبغا کی طرح استفہام اور ابہام سے تفحیم پیدا کرتے۔ چنانچہ اس خاکسار کو بیان فرمایا۔ کہ میں حضرت صاحب کے پاس تین دن بادشاہی مسجد میں رہا۔ سبحان اللہ معلوم نہیں۔ وہ کیا تھے اور حضرت صاحب لہ والہ نے دیا کیا، اور بیربل والوں نے بیا کیا، زالا بعد فرمایا۔ گھبٹا پکا تھا۔ اور آپ ہاتھ ڈال کر ٹکڑا گھبٹا تلاش فرماتے تھے۔ لیکن اس سے آپ کے کمال میں کوئی نقص تو نہیں آتا۔ یہ اشارہ تھا۔ اس امر کا

صرف آپ کا ظاہر ہی شریعت کے نور سے منور نہیں ہے بلکہ پر بیزگاری کی وجہ سے آپ کا باطن شمع حقیقت بنا ہوا ہے آپ کا جسم مبارک رس تدریس کیلئے زمین پر تشریف فرما ہے اور دل پاکیزگی کے حصول کیلئے عرش اعظم پر ہے۔ حضرت محبوب الہی قبلہ عالم مصنف مدظلہ العالی کے بڑے صاحبزادہ صاحب جوانی میں حاصل فرمائے تھے۔ فنا، سلوک میں سالک کو کئی مقامات سے گزرنا ہوتا ہے، ایک مقام فنا ہے سالک پر پیر مرشد کی برکت سے اور ذکر کے انوار سے عالم کا ایسا عکس پڑتا ہے کہ اسکی انا دنیا سے منہ موڑ لیتی ہے جسکے ساتھ ساتھ انا کی ہر پیداوار بے قیمت بن جاتی ہے اور اس کی روح اس بوجھ سے الگ ہو بیٹھتی ہے۔ فنا کی منزل میں یہ رہ کر اور فنا کی آغوش میں پل پل کر سالک پھر جب الہی عالم کی تربیت کیلئے مہتمم ہوتا ہے تو صفات اللہ کا پرتو قبول کرتا ہے پھر صفات کے ہر نظر کی قدر اسکی نظروں میں قائم ہو جاتی ہے وہ اب انہیں شیا کو اغنا کی نگاہ سے دیکھتا ہے جبکی کوئی قیمت اسکی نظروں میں نہ تھی فرق یہ ہے کہ پہلے ہر چیز کو اپنی انانیت کی آنکھ سے دیکھتا تھا، لیکن اب وہ اسے صفات اللہ کی نظروں سے دیکھتا ہے۔ بلبغا: جمع بیخ کی مختصر الفاظ میں بڑے معانی پیدا کرنے والا۔ استفہام سوال کرنا، ابہام۔ بے خبری کا اظہار۔ تفحیم۔ عظمت پیدا کرنا۔

کہ ظاہری حالت سے باطنی کمالیت کا پتہ نہیں چلتا۔ جیسا کہ آج کل لوگوں کا دستور ہے کہ ظاہر پر جاتے ہیں۔ اور ظاہر کی فریب کاری کو حقیقت کا ترازو جانتے ہیں۔ فتدبر۔^۱

مجھ سے اور کئی اصحاب سے ذکر فرمایا کہ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صاحب نے نہانے وقت بھی ٹوپی سر سے کبھی نہیں اتاری تھی۔ جس دوست نے پہلے ذکر مجھ سے کیا۔ اس کو حقیقت کا پتہ نہ چلا۔ آپ کا مطلب فوراً میرے دل میں اتر آیا کہ آپ نے حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شہود کا ذکر فرمایا کہ وہ اس درجہ شہود میں غرق تھے کہ ٹوپی سر مبارک سے نہ اتار سکتے تھے۔ اور ہر وقت زیر نعلی تھے۔ اور درحقیقت ایسا ہی تھا کہ آپ ہمیشہ محویت اور حیرت کے عالم میں ہوتے کوئی جا کر کچھ کہتا تو جواب دیتے۔ ورنہ خاموش حیران۔ بلکہ اپنے مشاغل دینی میں بھی یہ محویت اور حیرت نہ جاتی۔ سچ تو یہ ہے کہ شہود تو یہی ہے جو دائمی اور درجہ تکمیل تک پہنچ گیا ہو۔ ایک گھڑی تو ساری دنیا کو ہوتا ہے ورنہ وہ حق خدائے تعالیٰ کو تسلیم کیونکر کریں۔

ایک دن آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ آپ کے حضرت صاحب کس طرف منہ کر کے بیٹھتے تھے۔ میں نے عرض کیا۔ شمال کی طرف۔ اس پر آپ نے فرمایا، کیا جانب شمال؟ میں نے کہا جی ہاں! آپ نے فرمایا مجھے ایسا دکھائی دیتا ہے۔ اور ہاتھ سے شمال مغرب کے گوشہ میں اشارہ فرمایا۔ اور فرمایا کہ تم بھی اسی طرف رخ کرو کے بیٹھا کرو۔ اس میں بڑی برکت ہے جب میں نے گھر آ کر حضرت صاحب کے خاص خادموں سے معلوم کیا۔ تو آپ کا یہ فرمانا کہ مجھے تو ایسا دکھائی دیتا ہے۔ صحیح ہونگلا۔ اور اس ارشاد سے پیشتر مجھے اس سمت سے روحانی تعلق خود بخود پیدا ہو چکا تھا۔

۱۔ فتدبر : اب آپ خود سوچ لیں۔ ۲۔ حضرت قبلہ غلام مرتضیٰ بیروبی رحمۃ اللہ علیہ
۳۔ شہود : "جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے" کا مقام ہے۔ ۴۔ تجلی الہی کا ہر وقت آپ پر غلبہ تھا۔
۵۔ محویت اور حیرت یہ دونوں الفاظ ایک ہی حقیقت کے ترجمان ہیں یعنی ماسوا سے کلی برکات اور تبتل اور ذات و صفات میں کامل مشغولیت۔
۶۔ درجہ تکمیل۔ قیام و دوام کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ تجلی الہی کا دوام بڑی دولت ہے۔ کالمیں میں سے بعض کو ہی یہ مرتبہ ملتا ہے۔

۷۔ خطہ پنجاب سے عراق شمال مغرب کے رخ ہے۔ اور بغداد میں حضرت غوث الوری شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا مزار ہے۔ اس لیے اس سمت کو صد فیاد احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت یا سلسلے کا تعلق رکھنے والے عموماً اسی سمت رخ کرتے ہیں۔

۸۔ شرح جب تبیین پاکر لایف ہو جاتی ہے تو قلبی احساسات بہت بڑھ جاتے ہیں الفت اور نفرت کی لہریں دُور و نزدیک سے پہنچ جاتی ہیں اور جہاں نسبت کا فیض ہوتا ہے وہاں سے پہنچ جاتا ہے۔

اس قصہ سے آپ کا کشف عیانی کتنا عیاں ہے۔ گو آپ کتنا ہی اس امر کو چھپاتے تھے۔
لیکن بات بات پر صاحب نظر کو دکھائی دیتا تھا۔ آپ کشف میں کشف عیانی کا درجہ رکھتے تھے
اور ایسا ہی دیکھتے تھے۔ جیسے ہم سامنے اشیا کو دیکھتے ہیں۔

اس امر میں میرے جد امجد رحمۃ اللہ علیہ کا درجہ بھی یہی تھا۔ آپ کے پیروم شد حضرت لکھی^۲
رحمۃ اللہ علیہ کے کئی ایک مکتوب مغیبات کے استفسار کے لئے ملے۔ اور برادرانِ طریقت آپ
سے اپنی اپنی نسبت دریافت فرماتے۔ آپ نہایت صحیح جواب دیتے۔ آپ کا اپنا مقولہ ہے
”کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے شیشہ بھی دیا ہے۔ اور تلوار بھی“۔ الحق ایسا ہی تھا۔ جو کچھ کشف کی وجہ سے
فرماتے پورا پورا صحیح ہونگلا۔ اور جس کسی پر غیرت کی نظر پڑی تختہ الٹ دیا۔ کچھ دیر نہ ہوئی۔
ہر دو حضرات کی نسبتیں آپس میں بہت کچھ ملتی ہیں۔ اور اسی اتحاد فی النسبتہ نے حضرت
قبلہ مہدم^۳ کو حضرت جد امجد^۴ سے ایک عقیدت پیدا کر دی تھی۔ اور ہر امر میں آپ کی مثال
ورمایا کرتے تھے۔ حضرت جد امجد^۵ ایک مکتوب میں اپنی نسبت کی بابت یہ الفاظ تحریر فرماتے ہیں۔
(کہ نسبت میں فقیر مزوجہ قلندر یہ است) اس نسبت قلندر یہ کے یہ کہ شمشے تھے۔ کہ شیشہ اور تلوار
سے ہر وقت آپ کی طبیعت مشابہ رہا کرتی تھی۔ اپنی نسبت قلندر یہ کے امتزاج نے ہمارے قبلہ
مہدم^۶ کو درجہ تقرب پر سرفراز فرمایا۔

۱۔ کشف عیانی کشف کی ایسی بلند قسم ہے کہ صاحب کشف ماضی اور مستقبل کے پردوں پر واقعات کی تصویریں اپنی آنکھ سے دیکھ لیتا ہے۔

۲۔ حضرت اعلیٰ غلام نبی لکھی رحمۃ اللہ علیہ۔

۳۔ مغیبات۔ غیب کی باتیں۔

۴۔ شیشہ سے مراد کشف عیانی اور تلوار سے مراد موثر جلال کہ کسی کے خلاف غیرت آئی اس کی تباہی پھر گئی۔

۵۔ اتحاد فی النسبتہ = نسبت میں اتحاد۔ یعنی ایک جیسی نسبت۔

۶۔ اس فقیر کی نسبت قلندر یہ نسبت سے ملتی جلی ہے۔

سلوک اور جذب دوراستے ہیں سفر الی اللہ کے۔ جذب کی نسبت میں ظاہر سے بے توجہی اور باطن کی جانب کامل توجہ اور سلوک میں ظاہر

آداب پر کامل توجہ اور باطن ظاہر کے تابع۔

نسبت مزوجہ وہ ہے جس میں ظاہر و باطن پر یکساں توجہ ہو اور دونوں نسبتیں برابر اپنا کام کریں۔

ذکر

ذکر کو میں نے لسانی ذکر کی وجہ سے عملی تربیت میں ذکر کیا۔ ورنہ درحقیقت یہ روحانی تربیت ہے۔ لیکن اگر ذکر کے ابتدائی مراحل کا ذکر عملی تربیت میں لکھا جائے تو نامناسب اور ناموزوں نہیں ہوگا۔

حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں مجتہد کا درجہ رکھتے تھے۔ اور حاذق حکیم کی طرح وہ نسخہ تجویز فرماتے۔ جو نوعی نسخہ سے بڑھ کر شخصی نسخہ ہو کر تا۔ اور پورے اپنے آقائے نام دار حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم تھے۔

جیسے کسی کی طبیعت دیکھی۔ ایسا ہی ارشاد بھی فرمایا۔ نابالغ بچوں کو بالکل ذکر کی تلقین نہ فرماتے اور بوڑھے سن رسیدوں کو بھی بہت مختصر ذکر فرماتے۔ البتہ جوانوں اور ادھیڑ لوگوں پر آپ کی توجہ زیادہ ہوتی تھی۔ اور حتی المقدور ان سے خوب کام لیتے۔

نو وارد کے لئے کبھی تو بسم اللہ شریف فرماتے۔ کہ ہر کام سے پہلے پڑھ لیا کرو۔ کبھی فرماتے سوتے ہوئے گیارہ بار یا کم و بیش کسی کو صفاتی نام کا سبق فرماتے۔ اور اکثر یہ بھی دیکھا کہ اسی کے نام سے صفاتی نام باری عز اسمہ کا ذکر کے لئے فرمادیتے۔

عبدالعزیز آیا تو یا عزیز۔ عبدالحق نام ہے تو یا حق۔ کئی ایک کو صفاتی نام یا کریم یا رحیم

۱۔ ذکر کی اہمیت قرآن پاک میں بہت زیادہ بیان ہوئی ہے۔ ذکر کی ابتدا ایک ظاہر عمل ہے اور اسی ظاہر سے باطن کی طرف سفر کیا جاتا ہے۔ ذکر لفظ ہر آسان معلوم ہوتا ہے لیکن فی الحقیقت قلبی مشکلات میں پہلے درجے پر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ذکر کیسوئی کے بغیر دوام نہیں کھڑتا اور ہمارے کھلے ہوئے عواس کیسوئی ہونے نہیں دیتے۔

۲۔ عام طور پر اپنے اپنے سلسلہ کے اذکار شیخ اپنے مریدوں کو بیان فرماتے ہیں اور فائدہ بھی ہوتا ہے لیکن حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دستور یہ تھا کہ جو شخص جس طبیعت اور جس استعداد کا ہوتا اسی کے موافق ذکر کی تلقین فرماتے۔

۳۔ جو عام لوگوں کے لیے تجویز ہو۔

۴۔ جو خاص خاص اشخاص کے لیے تجویز ہو۔

۵۔ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہر صحابی کی الگ الگ تربیت فرمائی۔

۶۔ عزت والا ہے نام اس کا۔

الگ الگ یا جمع پڑھنے کا ارشاد فرماتے۔ اور بعض کو سوتے ہوئے کلمہ شریف کے تکرار کا حکم فرماتے اور بعض کو ہر نماز کے بعد گیارہ بار قل شریف (سورہ اخلاص) غرض اس میں ذکر لینے والے کی طبیعت پر دار و مدار ہوتا۔ ذراں بعد آپ تبدیل حسب ضرورت فرماتے: تا اینکہ اسم ذات پر پہنچاتے۔

اچھی طبیعت اگر مل جاتی تو پہلی بار ہی اسم ذات کی تلقین فرماتے اور خفیہ ذکر پر تاکید فرماتے کہ لوگوں نے ذکر کو فقر کے لئے لازم سمجھ رکھا ہے۔ حالانکہ یہ قرآنی حکم ہے۔ جو ہر ایک مسلمان کے لئے ضروری۔ **فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ** ؟

آپ ہر حالت میں ذکر رہنے کے لئے یہ آیت شریفی پڑھ کر تاکید فرماتے۔ **فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِكُمْ**۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيًا آپ کی زبان فیض ترجمان پر اکثر ہوتا۔ اور اتنا اخفا کی تاکید تھی کہ تسبیح تک ہاتھ میں نہ ہو۔ کیونکہ یہ بھی نمود ہے اور ذکر خفیہ نہیں رہتا۔ اکثر یہ مصرع بھی فرماتے۔

چنانچہ پوشیدہ کن ذکرش کہ از دل نیز اخفا کن
تسبیح کا استعمال صرف درود شریف کے لئے جائز تھا۔ اور وہ بھی پوشیدہ۔ کپڑے کے اندر۔

دوسری بار جب میں حاضر ہوا تو حسب عادت طبیعت تسکینہ میرے دل میں خیال آیا کہ بار بار اللہ اللہ کرنے سے کیا فائدہ۔ تو آپ نے جھٹ یہ شعر پڑھا۔ جو خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔

۱۔ نقش بندی سلسلہ کے بزرگان عموماً اسم ذات سے ہر سالک کی ابتدا فرماتے ہیں۔ لیکن حضرت میاں صاحب کا عیاد دستور صفائے ذہنی طرف رجوع تھا۔ جس طرح ذہانت علم کے حصول میں بڑی کلا آمد قوت ہے اسی طرح طبیعت کا ذوق شوق اور توجہ الی اللہ اور باطنی استعداد حصول معرفت الہی کے لیے شرط سلوک ہے۔

۲۔ اللہ کا بہت ذکر کیا کرو تا کہ بہتری پاؤ۔

۳۔ تم کھڑے، بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر (بیٹھے) ذکر کیا کرو۔

۴۔ اپنے رب (تعالیٰ) کو عاجزانہ اور پوشیدہ پکارا کرو۔

۵۔ دل کے معاملات عجیب و غریب ہیں اس میں ہر چیز آسانی سے پہنچ جاتی ہے۔ نفس پر اگر فنا کی تاثیرات غالب نہ ہوں تو سالک کو ناکوش اور نمود کا جذبہ ترقی سے روکتا ہے۔

۶۔ اس کا ذکر ایسا پوشیدہ کریں کہ اپنے دل سے بھی پوشیدہ رکھیں۔

یقیناً بدان کہ تو با حق نشسته نشو و روز چو ہنشین تو باشد خیال نام خدا اور فرمایا کہ یہ خواجہ معین الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے۔ اسے کہتے ہیں اشراق اور یہ ہے کامل کی تربیت۔

ایک بار حاضر ہوا تو ذکر کی وجہ سے کوفت زیادہ ہو جاتی تھی۔ کہ ہُو کی ضرب دل پر زیادہ کرتا تھا۔ اپنے فرمایا۔ طویل ضرور ہے دل کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ صرف اللہ۔ ہو مختصر ضرب کافی ہے۔ سبحان اللہ۔ اس کے بعد کوفت نہ رہی اور ذکر بھی دل میں جم گیا۔

اگرچہ حاضری سے پیشتر مختلف اذکار میں نے لئے۔ اور بہت ذوق بھی اٹھائے۔ لیکن ذکر نہ ہوتا۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو بھی تقریباً دو سال یہی حالت رہی۔ اور حیران تھا کہ اس کٹھن منزل سے کیونکر نکلوں گا۔ کیونکہ میری طبیعت کسی ایک جگہ بیٹھ کر کام کرنے والی نہ تھی۔ اور فطرت سے بے چین پائی تھی۔ لیکن صرف قبلہ مرشد م رحمۃ اللہ علیہ کی نظر مبارک کا کرشمہ تھا کہ بے چین کو سبق از بر ہو گیا۔

ایک بار حاضر ہوا تو فرمایا۔ کہ بزرگ تو تصور پر فرماتے ہیں۔ لیکن میں تو اسم ذات اللہ کا تصور ہی کافی جانتا ہوں۔ اور اس نقش کے ساتھ آپ کو بہت محبت تھی۔ چنانچہ نہایت عمدہ کاغذ پر نہایت شاندار اپنے ہاتھ سے خاک تیار فرما کر طبع فرمایا۔ اور احباب میں تقسیم فرمایا۔ آپ اپنی انگلیوں کو سامنے کر کے اسم ذات کا عمدہ تصور جانتے کہ انگوٹھا کو انگلی شہاد سے حلقہ بنا کر گویا لام سے کا پوند لگاتے۔ سبحان اللہ آج تک نقشہ سامنے ہے۔

ع۔ تو اس بات کا یقین پیدا کر کہ اگر تو اللہ کے نام کے خیال میں قائم ہے تو یوں سمجھ کہ تو خدا کے ساتھ رات دن بیٹھا ہوا ہے۔ ع۔ سلطان اللہ خواجہ معین الدین اجمیری ہندوستان میں چشتی سلسلہ کے بانی حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے مرید و فاضل مبارک اجمیر شریف میں ہے جو عوام و خواص کا مرجع ہے۔ ع۔ جزئی اور کلی حالات و کیفیات کا کھل کر سامنے آجانا تصوف میں اشراق کہلاتا ہے ہر سالک اپنی اپنی قابلیت اور استعداد کے مطابق اس دولت سے بہرہ ہوتا ہے۔ ع۔ ہُو اللہ کی ضمیر ہے اور ایک مستقل ذکر بعض حضرات نے تو صرف ہُو، ہُو کو اتنا پختہ کیا کہ یہی ہُو رگ و ریشہ میں سما گیا۔ ع۔ تصور شیخ میں بعض حضرات کا معمول یہ ہے کہ باقی وظائف کی طرح یہ بھی ایک وظیفہ ہے لیکن اصل تصور وہ ہے جو بے تکلف پیدا ہو جائے۔ محبت جب سالک میں جوش مارتی ہے تو محبوب ترین مظہر کی تلاش میں ہوتی ہے اور قریب ترین اور محبوب ترین مظہر اپنے شیخ کے سوا اور کون ہو سکتا ہے اس صورت میں از خود طبیعت ادھر مائل ہوتی ہے اور شیخ کامل کی صورت عموماً سامنے رہتی ہے۔ ایسے تصور کی حضرت مجدد الف ثانی نے بھی تعریف فرمائی ہے۔

اسم ذات کا تصور دوام ذکر کے حصول کا ایک عمدہ ذریعہ ہے اور یہ حضرت اعلیٰ میاں صاحب شرفوری رحمۃ اللہ علیہ کا اجتہاد ہی کا نامہ ہے۔

ایک دفعہ فرمایا۔ درود شریف پڑھتے ہوئے اگر اسم ذات کا تصور دل میں ہو۔ تو بہت مفید ہے پھر نہ آیا کہ قرآن کی تلاوت کے وقت اسم ذات کا تصور دل میں ہو۔ تو عجب لطف آتا ہے پہلے پہلے تو یہ باتیں بہت مشکل ہوتی تھیں۔ لیکن کچھ تھوڑی مشق کے بعد اور آپ کے ارشاد کی وجہ سے آخر نہایت آسان ہو گئیں۔

یہاں ایک اور بات یاد آگئی۔ ایک بار آپ نے فرمایا۔ کہ حضرت جدامجد علیہ الرحمۃ کی خوشے بونے پیدا کر لو۔ میں نے یہ بات جناب برادر مہاجری صاحب سے ذکر کی۔ کہ آپ ہمیشہ ایسا فرماتے ہیں۔ حاجی صاحب نے فرمایا۔ کہ آپ کے ان الفاظ میں انشاء اللہ برکت ہوگی۔ چنانچہ اکثر دیکھا کہ جو ارشاد آپ کی زبان فیض ترجمان سے کسی کے بارے میں نکلتا۔ ضرور اس کا اثر خوب ظاہر ہوتا۔ جب میری یہ تمام منازل طے ہو گئیں۔ تو آپ نے آخری منزل کے لئے بدیں الفاظ ارشاد فرمایا

۵ تو مباحث اصلاً کمال این است و بس تو دروگم شو وصال این است و بس

اس سے پہلی منزل وہ تھی کہ ”چنانچہ پوشیدہ کن ذکرش کہ از دل نیز اخفا کن“۔ لیکن سبق کے چلانے میں آپ مسٹر شہین (ساکیں) سے دریافت نہ فرماتے۔ بلکہ اپنی نسبت سے طالب کی نسبت دریافت فرماتے اور کوئی خامی ہوتی۔ تو اشارۃً اس کی طرف توجہ دلاتے۔ یا تنبیہ فرماتے یہ خاصہ موجودہ عصر میں صرف آپ کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے رکھا تھا۔ دوسرے تمام مشائخ طالب کے حال پوچھتے ہیں۔ لیکن آپ ہرگز دریافت نہ فرماتے۔ البتہ کبھی کبھی ازراہ محبت زبانی بھی دریافت فرماتے۔ لیکن بہت کم۔ چنانچہ اس خاکسار بدکردار سے بھی بوجہ محبت جب

۱۔ روحانی سلسلہ میں ابتدا میں ہر چیز مشکل ہوتی ہے اور اس مشکل کا حل بیشک کامل پیری کی توجہ ہے لیکن ذاتی محنت اور مشق بھی انتہائی ضروری ہے۔
۲۔ حاجی عبدالرحمن صاحب علی ہر ارتقائی مقام کے منازل اور مراحل ہیں۔ فقر و تصوف کی آخری منزل فنا کی تکمیل ہے۔ سالک جب راہ مولانا میں سفر کرتا ہے تو دنیا سے دل اچاٹ ہو جاتا ہے پھر آہستہ آہستہ یہ عالم اسباب ایک کھلونا نظر آتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی معرفت بڑھتی ہے تو ماسوا کا ڈھانچہ نظر میں نہیں رہتا اور تمام احساس ماسوا سے بیٹ کر روح پر لگ جاتا ہے اور اس محویت میں اپنا آپ بھی بھول جاتا ہے بس تو ہی تُو رہ جاتا ہے اور یہی وصل و وصال ہے جو وہ ہونے میں ہوتا نہیں ہوں۔ یہی دیوانے کو غم کھا گیا ہے
۳۔ تیرے مرتبے کا کمال یہ ہے کہ تو مرتبہ اور تو اس (ذات) میں گم ہو جاہی وصال ہے اور بس۔

۴۔ میرے قبیلہ و کدبہ ام ظلمہ (حضرت مصنف مدظلہ) نے جہاں حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تمام خصوصیات حاصل کیں وہاں یہ خصوصیت بھی بدرجہ اتم حاصل فرمائی۔ کہ طالب کی حالت سے طالب کے کوائف معلوم فرما کر اپنی نظرِ کرم سے اور نور بھرے سینے سے سالک کی تربیت اپنی فرماتے ہیں۔ (مخفی)

میں تیسری بار حاضر ہوا تو آپ نے فائدہ باطنی دریافت فرمایا۔ میں نے عرض کی کچھ ہوا۔ حالانکہ جذبہ سے فنا تک اپنے پہلے دن پہنچا دیا تھا۔ یہ میری عادت تھی۔ آپ نے فرمایا کہ فائدہ باطنی تھوڑا بھی ہو تو تھوڑا نہ سمجھنا چاہئے۔ یہ تھوڑا بھی بہت ہے۔ پھر حضرت قبلہ عالم جد امجد علیہ الرحمۃ کے ایک مکتوب سے بھی بعینہ ہی الفاظ نکل آئے۔ ”اندک نسبت بزرگان اندک نباء ستمرد“ اور ایک بار جب میں گذشتہ رمضان ۱۳۲۶ھ سے پیشتر حاضر ہوا۔ تو آپ نے دریافت فرمایا۔ کہ اب اٹھتے بیٹھتے۔ چلتے پھرتے اور سوتے کیا حالت رہتی ہے۔

سبحان اللہ! آپ کے کمالات کا صرف اسی سوال سے اندازہ کیا جاتا ہے جب تک ان تمام حالتوں میں طبیعت بحال نہ رہے۔ تو سلوک کے تمام کرنے سے کیا فائدہ۔ بہتیرے دیکھے کہ سلطان الذکر بھی انہیں جاری ہو گیا۔ مراقبات بھی طے ہو گئے۔ لیکن حالت وہی ہے۔ اخلاق ہیں تو وہ۔ افعال ہیں تو وہ۔ گفتگو ہے تو وہ نشست و برخاست ہے تو وہ۔

الغرض اس راہ میں جو کچھ ہے۔ حالت ہی حالت ہے اور بس جس کا حال بدل گیا اس کی حقیقت بدل گئی وہ اپنے مقصود پر کامیاب ہو بیٹھا۔ اس کے بغیر سب کچھ بیکار ہے۔

۱۔ ظاہر کو چھوڑ کر باطن کی طرف منہ موڑنا بھی مشکل نہیں امر ہے باطن کی لذتیں ظاہر کی لذات کو مٹا دیتی ہیں۔ اور مقصود حیات بھی یہی راہ جلدی ہے۔ اس لیے اس راستے پر چل نکلنا ہی کیا کم ہے کہ اس کی انتہا کی طلب تماشے۔
تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں۔ میری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں۔

۲۔ بزرگوں کی تھوڑی نسبت کو تھوڑا نہ سمجھنا چاہئے۔

۳۔ ذکر کی ایک جامع اور آخری کیفیت ہے جس میں روالہ روالہ ذکر محسوس ہوتا ہے۔

۴۔ مراقبہ کی جمع ہے۔ انتظار فیض میں متوجہ الی اللہ ہو کر بیٹھنے کو مراقبہ کہتے ہیں اور اس کی کئی اقسام ہیں

دیگر اُوراد

۱-۱- درود شریف - قبلہ علیہ الرحمۃ تمام متوسلین کو درود خضریٰ صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ حبیبہ محمدیٰ
وآلہ واصحابہ وسلم - فرمایا کرتے تھے - عموماً پانصد بار بعد نماز تہجد اور زیادہ سے زیادہ
تین ہزار -

فرمایا کہ اللہ کی ضرب دل پر پڑھتے ہوئے لگے -

فرمایا کہ پہلے تو واصحابہ کے کہنے کی ضرورت نہ تھی - اب وقت اور آگیا - اب ضروری
ہے - چنانچہ پہلے متوسلین یہ نہیں پڑھتے تھے لیکن مجھے خاص طور سے فرمایا -
با وضو - دوزانو تاکید فرماتے -

ایک بار مجھے خیال آیا کہ اکثر لوگ درود با وضو اور با ادب پڑھتے ہیں - اور قرآن مجید
اس ادب سے تلاوت نہیں کرتے - حاضر ہوا تو فرمایا کہ حضرت صادق علی شاہ صاحب دوزانو
بیٹھ کر درود شریف پڑھا کرتے اور کلام اللہ شریف کی تلاوت کرتے وقت اپنا کپڑا از انوکھے
کر کے پھیٹ لیتے تھے - (اپنی عادت مبارک کے مطابق فرمایا) کہ معلوم نہیں کیا بات تھی - اس
درود شریف کے با ادب پڑھنے کے برکات اور انوار دکھانے کی چنداں ضرورت نہیں ہر ایک
دوست نے خود دیکھے اور دوسرا چہرے اور پیشانی سے دیکھ سکتا ہے -

۱- اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا اور آپ کی آل پر اور آپ کے اصحاب پر اور سلام بھیجا -

۲- درود شریف کا بہترین وقت ہے - فنا ستمری ہوتی ہے - دل افکار دنیا سے علیحدہ ہوتا ہے اور تاثیرات دل پر چھا جاتی ہیں -

۳- آل کا لفظ تمام صالحین امت پر شامل ہے لیکن بعض لوگوں نے آل کے لفظ کو حضرت فاطمہ الزہری رضی اللہ عنہا کی اولاد کے

لیے مخصوص قرار دیا ہے اس لیے واصحابہ کا اضافہ ہمہ گیری کے لیے ضروری ہوا -

۴- حضرت میر صادق علی شاہ صاحب، زنت غوث وقت امام علی شاہ صاحب کے صاحبزادہ اور سجادہ نشین تھے -

۲، محمد شریف تین بار سے لے کر ایک سو ایک بار مختلف اصحاب سے معلوم ہوا کہ آپ نے اجازت بخشی۔ اور مختلف طریقوں سے کئی ایک کو تکرار آیت ہفت بار۔ سہ بار بھی فرماتے مجھے اکا تو اے بار بوقت شام پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔

۳، سورۃ الم نشرح بھی خواص کو فرماتے۔ تعداد بھی کم و بیش ہوتی۔ مجھے اکا تھی بار پڑھنے کا ارشاد بعد نماز صبح فرمایا۔ ان دونوں سورتوں کے برکات اور فیوضات سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اور پڑھنے والا اپنے اندر ان کے برکات اور فیوضات دیکھ سکتا ہے۔ اکثر میری حالت پر فرماتے۔ ”مجھے تو۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا سے سب کچھ نظر آتا ہے۔“

۴، اور اذ فتیہ بھی خواص کو فرماتے۔ چنانچہ مجھے پہلی بار ہی اجازت بخشی۔

ایک دفعہ بندہ حاضر خدمت ہوا۔ اور مولوی محمد حسین علی صاحب کا رسالہ دربارہ نداء ”یا رسول اللہ“ مجھے کہیں راستہ میں مل گیا۔ جو علم غیب کی بابت لکھا گیا تھا۔ اور یا رسول اللہ کہنا ناجائز اس میں قرار دیا گیا۔ وہ میری جیب میں تھا۔ چونکہ اور اذ فتیہ میں صلواتِ ندائیہ تھے جنہوں کی خدمت میں بیٹھا ہی تھا۔ کہ آپ نے فرمایا کہ اور اذ فتیہ کے تمام اذکار اور دعائیں نہایت صحیح اور مانورہ طریقہ سے مروی ہیں۔ اس میں کسی طرح کا تذبذب (تردد) نہیں۔ بڑی ہی برکت سے پڑ ہیں۔

پھر فرمایا۔ ”کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں۔ لیکن حاضر و ناظر بھی۔“

پھر فرمایا۔ ”ہم نے تو کلامِ ربّانی بھی آپ کی ہی زبان سے سنا۔“

- ۱۔ بیشک تنگی کے ساتھ فراخی ہے۔ بیشک تنگی کے ساتھ فراخی ہے۔
- ۲۔ حضرت امیر کبیر حضرت شاہ علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کا مجموعہ اور اذ و ظائف ہے نہایت بابرکت ہے اور سلسلہ شرفیوری کا معمول بہا ہے۔ آپ کی قبر مبارک سرنگرد کشمیر میں ہے۔
- ۳۔ حاضر ناظر۔ حضور ربّ البشر کا نور اللہ تعالیٰ کے نور کے بعد تمام انوار سے وسعت اور دلپذیری رکھتا ہے۔ نور کو دیکھنے کے لیے نور ہی کی ضرورت ہے اس لیے یوسف اور مشاہدہ کا نہایت اہم مسئلہ ہے اور نازک تر بھی۔ اس لیے اہل مشاہدہ باتفاق اس کے قائل ہیں۔ اگر کسی وقت کوئی صاحب اس حضور میں کمی محسوس کرے تو وہ اس کی اپنی کمی ہے۔ نور رسالت آتے کی ہمہ گیری میں اس سے کوئی فرق نہیں آتا۔
- ۴۔ عظمت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا علم ہی حضور کے واسطے سے ہوا۔

ترتیب روحانی

۱۳۲ اس تربیت میں آپ یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ الما سیدھا سب درست اور سیدھا۔ وہ انسان کتنا کامل ہے۔ جس کا کوئی وارخطانہ جاتا ہو۔ آپ کا ہاتھ۔ یدِ موسیٰ تھا۔ آپ کا دم، دمِ عیسیٰ۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ کو سامنے دیکھ کر یہ ہی کہنا پڑتا تھا۔

۳۔ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

۱۳۵ (۱) عوام کو توجہ اپنی زبان دُرِ فشان سے فرماتے۔ اور باتوں باتوں میں دنیا کا نقشہ بدل جاتا تھا۔ ساری دنیا فنا ہی فنا نظر آتی۔ لامدہبی کی جگہ مذہب اپنا روشن چہرہ آفتاب کی طرح دیکھاتا۔ رسومِ بد کی حقیقت آنکھوں میں جلوہ گر ہو جاتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق دامن گیر ہو جاتا۔ آنکھوں سے مینہ کی طرح پانی برسے لگتا۔ غرض کفر سے ایک گھڑی میں مسلمان کر بیٹھاتے۔ ایک نہیں سینکڑوں ہزاروں اس فیض سے فیضیاب ہوئے اور کسی کو اس حقیقت سے انکار نہیں۔ جاہل نہیں۔ بلکہ عالم اور فاضل آئے اور اسی رنگ میں گھڑی کی گھڑی میں رنگے گئے۔

۱۳۶ (۲) آپ کی باتیں نہایت سادہ ہوتی تھیں۔ لیکن روحانیت سے پُر۔ ایک بار میں بیٹھا تھا کہ ایک منشی فاضل آئے۔ آپ نے اور باتیں دریافت کرنے کے بعد فرمایا۔ کہ سکندر نامہ بھی پڑھا؟

۱۔ کمال۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ، یعنی معجزانہ قوتوں کا حامل۔

۲۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سانس، یعنی مُردوں کی زندگی اور بیماروں کی شفا۔

۳۔ مکمل شعریوں ہے۔ حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری۔ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ترجمہ شعر: حضرت یوسف کا حسن، حضرت عیسیٰ کا سانس اور حضرت موسیٰ کا ہاتھ (یہ تمام معجزانہ قوتیں) آپ رکھتے

ہیں۔ مراد یہ کہ جو جو کچھ تمام مجربانِ عالم فرداً فرداً رکھتے ہیں آپ اکیلے وہ سب کمالات رکھتے ہیں۔

(حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف)

بھلا ان اشعار کے کیا معنی؟

چو اول شب آہنگ خواب آدم بہ تسبیح نامت شباب آدم
چو در نیم شب سر بر آدم خواب ترا خواہم و ریزم از دیدہ آب
آپ مگر سر کر پڑھتے تھے۔ اور میرے آنسو نہ ٹھمتے تھے۔

۱۳۷ (۳) مجلس شریف میں اکثر موجودہ تمدن کا ذکر فرماتے۔ کہ پیسوں کے بتوں نے ہمارے اندر بھی بت پیدا کر دیئے۔ **حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ** انگریزی کلوں نے ہمیں تباہ کر دیا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ان فقروں میں کبار و جانیت ہوتی تھی۔ کہ تمام مجلس کی آنکھیں پر غم ہو جائیں۔ اور استدلال سے نہیں بلکہ عیاں ان امور کی حقیقت دکھائی دیتی مسلمان نہیں بلکہ غیر مسلم زائرین بھی رونے لگتے۔

۱۳۸ (ب) اس کے بعد دوسرا درجہ توجہ کا دست مبارک سے تھا کسی کے چہرہ پر ملنے لگتے کسی کے سینہ پر کسی کی پیشانی پر۔ اور کسی کو کندھوں سے پکڑ گا ہے بنمائش محبت۔ اور گا ہے بنمود خفگی۔ کسی کے کان پکڑ لیتے۔ اور کسی کو آہستہ آہستہ تھپڑ (طمانچے) لگاتے۔ اور یہ دونوں صورتیں دیکھنے میں آئیں۔ اور کسی کو یہ کہہ کر میں بولا ہوں۔ اپنا کان اُس کے منہ سے لگاتے اور اس کے گلے لگ جاتے۔ اور گا ہے گا ہے ہاتھ سے مصافحہ کر کے اپنا فیض روحانی پہنچاتے۔

۱۳۹ سبحان اللہ۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے اس کے بندوں پر کس طریقہ پر کرم فرماتے

۱۔ جب میں پہلی رات کو نیند کا ارادہ کرتا ہوں، تو تیرے نام کا ذکر تیزی سے شروع کر دیتا ہوں اور جب آدھی رات نیند سے بیدار ہو جاتا ہوں تو اس وقت (اے محبوب حقیقی) میں تجھے پکارتا ہوں اور آنکھوں سے آنسو برساتا ہوں۔
۲۔ دنیا کی محبت ہر برائی کی بنیاد ہے۔ **۳۔ الفاظ حقیقت کا لباس ہیں جن لوگوں پر حقائق کھلتے نہیں وہ لباس کا ذکر کرتے ہیں۔** اور اصل حقیقت اسی طرح پردوں میں چھپی رہتی ہے جب حقائق کھلتے ہیں اور شرح صدر سے ان کا بیان ہوتا ہے تو تاثیریں سامعین پر چھا جاتی ہیں۔ **۴۔ ناراضگی کے رنگ میں۔**

ہیں۔ کہ ذرہ بھر نمود بھی نہ ہو۔ اور احسان بھی نہ ہو۔ بلکہ خود سائل کو پتہ تک نہیں کہ کس طریقہ و
 طرز پر اس کا دامن مقصود بچھریا گیا۔ کج رو ہیں کہ کہتے پھرتے ہیں۔ کہ آپ کے اخلاق نہیں۔
 آپ بدسلوکی سے پیش آتے۔ بھلا کوئی یہ بدسلوکی کر کے تو دکھائے۔ اور پھر اس کے پاس کوئی
 اس درو۔ اس محبت اور اس عشق کے ساتھ جاتا بھی ہے؛ انسان تو انسان ہیں۔ بلکہ
 حیوانات لایعقل تک نہیں جانتے۔ اور پھر کیوں سینکڑوں انسان عالم و جاہل۔ امیر و غریب
 کس و ناکس۔ لنگڑے۔ اپاہج و رد دولت پر گر رہے تھے۔ آخر اس کی وجہ بدسلوکی اور بد اخلاقی
 تھی؛ یا کچھ اور۔

۱۳۰
 الَّذِينَ يَبْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يَتَّبِعُونَ مَا أَنْفَقُوا مَنًّا وَلَا
 أَذًى لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ط
 ایسے ولی اللہ کے لئے ارشاد ہوا۔ خواص کے لئے اکثر توجہ کا طریقہ آپ کے زیر معمول یہ

تھا۔ کہ آپ اپنا دست مبارک معمول کے زانوؤں پر رکھ دیتے۔ اور آپ خیال (مراقبہ) میں
 ہو جاتے اور خیال (اور عالم مراقبہ) میں آپ کے وجود میں روحانی لہریں چلتیں اور ہاتھ مبارک
 کو آہستہ آہستہ جھٹکے لگتے۔ اصل میں یہ آپ کے دل کے جذب ہوتے تھے۔ جو بجلی کی
 طرح معمول کے رگ و ریشہ میں اثر کر جاتے۔

۱۳۱
 ایک بار میں اور ضلع شاہ پور کے رہنے والے ایک سید صاحب اور ایک گجرات کے
 رہنے والے مولوی صاحب اکٹھے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور آپ مراقبہ فرمایا
 کرتے۔ ایک دن حسب معمول تشریف لائے۔ اور اپنا ہاتھ مبارک شاہ صاحب کے زانو

۱۔ بعض لوگوں کی فطرت ناقابل ہوتی ہے اور وہ دریا کے کنارے بیٹھ کر بیٹھے رہتے ہیں اور بعض لوگوں کو شیطان اس طرح گمراہ کرتا ہے کہ
 وہ مٹھی سناٹی ان باتوں کی تصدیق و اشاعت کرتے ہیں جو حقیقت سے بہت دور ہوتی ہیں اور اللہ والوں کے مخالف لوگ زیادہ تر اسی مرض
 کا شکار ہوتے ہیں ۲۔ بے عقل ۳۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور پھر کسی طرح کا احسان نہیں جلاتے اور نہ کسی قسم کی
 تکلیف پہنچاتے ہیں تو ان لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا اجر ہے نہ ان کو کسی طرح کا خوف ہے اور نہ وہ غم کھائیں گے۔

۴۔ ہر کامل ولی اللہ کے زیر تربیت و قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ عوام اور خواص۔ عوام کی عمومی استعداد کے مطابق ان کے لیے سلسلے میں داخل
 ہونا اور فرائض کی پابندی نو اہی سے منہ موڑنا اور شکل و صورت میں تبدیلی کافی ہے لیکن جن کی استعدادیں بلند ہوتی ہیں اور صلاحیتیں کمال ان
 کی جانب خصوصی توجہات ہوتی ہیں اور ذکر و فکر اور مجاہدات کی طرف پوری رہنمائی ہوتی ہے اور وہ توجہات کمالہ کامرکز ہوتے ہیں اور وہی
 لوگ فقر کی نسل اور روحانیت کا سرمایہ ہوتے ہیں۔

پر رکھا۔ اُن کے آنسو فوراً گرنے لگے۔ زراں بعد دوسرا ہاتھ مولوی صاحب کے زانو پر جاٹکایا۔ اور اپنے بازوؤں پر زور دے کر آپ اُکڑائے۔ دونوں کے آنسو بارش کے قطروں کی طرح گرتے تھے۔ مجھے خیال آیا کہ انہیں تو اثر ہو گیا۔ میں محرومِ سخت دل ہوں۔ آپ ذرا بڑھ کر میرے قریب تشریف لائے۔ اور دست مبارک میرے زانو پر بھی رکھا۔ کیا کہوں رکھنے بھی نہ پائے تھے۔ کہ میری حالت بھی وہی ہو گئی۔

۱۲۲ اس خاکسار بدکردار کے ساتھ ہر طرح کی مہربانی فرماتے اور اپنی ہمت کسی قسم کی دلیغ نہ فرماتے۔ یہ آپ کی عنایات تھیں کہ پانچ سال کے قبل عرصہ میں مجھے وہ کچھ دکھایا۔ جو عمر بھر کے مجاہدوں سے بھی دیکھنے میں نہیں آتا۔ میری طبیعت بے چین اور شکنجی ایسی طبیعت کو قابو کرنا کارے دار دہے۔ لیکن بزرگوں کا احترام تھا۔ کہ میرے تمام بوجھ کو خود اٹھا لیا۔

۱۲۳ آخری ایام (جب سے میں حاضر ہونے لگا) آپ مراقبہ صورت میں دکھائی نہ دیتے لیکن جب کبھی میں حاضر ہوتا۔ ایک دو بار موقعہ اور فرصت پا کر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ۔ مراقبہ صورت میں مجھے توجہ فرماتے۔

۱۲۴ لطف یہ ہے کہ یہ بھی نہ فرماتے۔ کہ اس خیال میں بیٹھو۔ خود بخود توجہ کے زور سے طبیعت اپنا راستہ آپ پیدا کر جاتی تھی۔ چنانچہ جب پہلی بار میاں دوست محمد صاحب میرے ہمراہ گئے۔ تو مجھے کہا کہ حضرت سے میری بابت کچھ عرض کرنا۔ میں سخت گنگار ہوں

۱۔ انسانوں پر اللہ تعالیٰ کے فضلِ عظیم کی پہلی بارش انہیں قابل اور لائقِ طبیعت عطا فرماتا ہے۔ اور ہر قسم کی طبع میں اس کے جوہر پوشیدہ ہوتے ہیں اور وہ ابتدائی کوششوں میں کھل کر سامنے آجاتے ہیں، بے قرار طبیعت فطرتاً متجسس ہوتی ہے۔ اور سکون و قرار کی طالب، فقر رازر سکون ہے۔ بے چین طبع فقر سے اس طرح مطمئن اور فیض یاب ہوتی ہے جس طرح پانی سے پیاسا مطمئن ہوتا ہے۔ کامل پیر کی نظرِ کرم سے جب جوہر کھل جاتے ہیں تو پھر حصولِ کمال میں دیر نہیں لگتی۔ جس طرح ذہین بچے کو کامل اُستاد مل جائے تو وہ علم کا دریا دنوں میں عبور کر لیتا ہے۔

مجھے اپنی غلامی میں قبول فرمائیں۔ لیکن اس جلال و عظمت کے شہنشاہ کے سامنے مجھے کیا مجال کہ عرض خود بخود کرتا۔ آپ کا معمول تھا کہ کسی کے خادم یا رفیق و تابع سے کچھ نہ پوچھتے۔ آپ نے ان سے کچھ دریافت نہ کیا۔ اسی طرح دو دن گزر گئے تیسرے دن جب میں مکان شریف سے ضرورت کے لئے باہر نکلا تو دوست محمد صاحب بھی میرے ہمراہ ہوئے۔ اور کہنے لگے کہ تمہارے ہمراہ تو میں اس غرض سے آیا۔ کہ آپ توجہ زیادہ میرے حال پر فرمائیں گے۔ یہاں الٹا کام ہے۔ تم ضرور آج کچھ میرے بارے کہنا تا کہ آپ کی توجہ میری طرف زیادہ ہو۔ یہ صاحب فوجی ملازمت میں مصر۔ فرانس۔ عرب وغیرہ دیکھ آئے تھے اور اپنے منہ سے کہتے تھے۔ میری حالت بہت خراب ہے۔ اور درحقیقت تھی بھی ایسی ہی۔ جب با وضو ہو کر مکان کے اندر داخل ہوئے۔ تو حضورؐ برسے والے بادل کی طرح تشریف لائے۔ اور خود بخود فرمایا۔ "کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ ان کا تعلق تم سے کیا ہے؟" میں نے عرض کی کہ قریب کے رہنے والے مجھ سے کچھ ترجمہ پڑھتے ہیں۔ ان بعد صبح بالاخانے پر تشریف لے گئے اور مجھے بلوایا۔ حاضر ہوا تو فرمایا۔ "کہ ان کی کیا حالت ہے؟" میں نے کہا پہلے تو بہت خراب تھی۔ اب اچھی ہے۔ آپ نے فرمایا "ہاں اب تو کچھ اچھی معلوم ہوتی ہے۔ ان کو کچھ گھر ہی کہہ دینا تھا۔" میں نے عرض کیا کہ آپ کی خدمت میں اسی لئے حاضر ہوئے۔ فرمایا "کہ یہیں بلا کر کچھ کہہ دو۔" میں نے عرض کیا۔ کہ نہیں حضورؐ خود ہی کچھ فرمائیں۔ زان بعد فرمایا۔ اچھا۔ ان کو اپنے ساتھ بٹھایا کرو۔ میں نیچے چلا آیا۔ ان کو اپنے ساتھ بٹھایا۔ لیکن حضورؐ کو اس دن تو موقع نہ ملا۔ اور تشریف نہ لائے۔ جب باہر نکلے تو مہیاں دوست محمد صاحب نے دریافت کیا سب

۱۔ "ان کو کچھ گھر ہی کہہ دینا تھا"

یہ اور اس قسم کے الفاظ بھی حضرت اعلیٰ
شرقیوری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اجازت نامے
تھے جو اپنے خلفاء کو عنایت فرمائے۔

حقیقت کہہ سناٹی۔ کہنے لگا۔ کہ ساری حقیقت تو نہ کھولتے۔ بد کرداری کا خیال کر کے شاید توجہ تک نہ فرماویں۔ میں نے کہا نہیں میں نے تو اسی واسطے تمام حقیقت کہہ دی۔ کہ زیادہ نظر رحمت فرماویں۔

۱۳۵ الغرض دوسرے دن آپ تشریف لائے۔ اور ایک دم آپ مراقبہ میں ہو گئے ابھی ایک منٹ بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ ان کو حالت اور وجد ہو گیا۔ گھنٹہ بھر آپ مراقبہ میں رہے اور وہ بدستور اسی حالت ہوئے میں سر دھن رہے ہیں۔ زان بعد حضور قبلہ چکے سے تشریف لے گئے۔ انہیں بعد میں افاقہ ہوا۔ لیکن بخار ہو گیا۔ یہ ہے اِنَّا سُلِّقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا نَّبِيًّا كَمَا حَاصِل۔

۱۳۶ درمیان کے واقعات چھوڑ کر اپنے مدعا کی طرف جاتا ہوں جب چلنے لگے تو مجھے اجازت ہو گئی۔ تو دوست محمد نے کہا کہ اگر اجازت مل جائے تو میں بالا خانے پر جا کر حضور سے ذکر کی تلقین لے آؤں۔ اجازت کے بعد حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ پہلے کیا پڑھتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ کچھ نہیں آپ نے بسم فرما کر فرمایا کہ بوک ہی ہو ہو کر رہے تھے۔ الغرض اس حالت کے لئے آپ کچھ نہ فرماتے یہ خیال کرنا یا نہ کرنا بلکہ مراقبہ کی حالت میں آپ کی زبان مبارک سے گاہ گاہ حسب طبیعت باتیں سرزد ہوتی ہیں۔

۱۳۷ ایک بار آپ مراقبہ ہوئے۔ جب کہ میری باطنی حالت بالکل نا درست تھی اور ابتدا تھی۔ طبیعت میں تذبذب (تردد) پریشانی وغیرہ عالم مراقبہ میں بھی ہوتی۔ آپ نے

عَلٰی كَامِلٍ پیر اپنے خاص اوقات میں خاص منظر ذات الہی ہوتا ہے۔ کبھی اس کی طبیعت عام دریائے رحمت بن کر ہر خشک و تر کو سیراب کرتی جاتی ہے۔ ایسے وقت میں اگر کوئی بہا پانی بھی آگیا تو وہ دھل کر گیا (رَحْمَتِيْ وَ سِعَتٌ مِّمَّا شِئِيْ)

اور کبھی چھان بین کی الہی باریکیاں عکس ریز ہوتی ہیں کہ خاص نیکیاں جرح قدح کی زد میں

آجاتی ہیں۔ (اللّٰهُمَّ اَحْفِظْنَا مِنْ غَضَبِكَ وَ غَضَبِ اَوْلِيَّائِكَ)

عَلٰی ہم آپ پر ایک بھاری بات ڈالنے والے ہیں۔

سُرُّ اُٹھتے فرمایا۔ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَن تَشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

۱۳۸ میں سمجھ گیا کہ

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی

ہے اس سے یہ ظاہر کہ یہی حکم قضا ہے

یاس زیادہ ہوگئی۔ اور امید وصول کم۔ یہ یاد نہیں اسی حاضری میں یاد دوسری حاضری میں اپنے اپنے روشن ضمیر سے یہ بات دیکھی۔ اور فرمایا کہ اپنی طرف سے تو کوشش فرض ہے۔ "کوشش انسان کبھی نہ چھوڑے۔ لیکن بھروسہ اس پر ہو۔ کیا ہوا" اگر وہ کوشش بارور نہ فرماوے۔ یہی عین سعادت ہے۔ لیکن تقریباً دو سال بعد اپنے ایک طویل مراقبہ کے بعد عالم محویت اور استغراق میں مندرجہ ذیل اشعار نہایت درد سے مبیاختہ پڑھے

بے نفی لا الہ از خود رہا غم
شود اثبات الا اللہ زجا غم
ز جا غم بے خود یہاں ساز مستم
فنا غارت کند سامان ہستم
خیال غیب از من دور گرداں
بدرد عشق خود رہ بخور گرداں
مراد من تو باشی درد و عالم
ز جا غم بر نیسا نہ جز خدا دم
حدیث مصطفیٰ صوت دہا غم
کلام اللہ باشد پر زبا غم

میں نے یہ اشعار سن کر الحمد للہ کہا۔ اور دل نے کہا

آج کو طے ہوگئی منزل میں مسافت میری

۱۔ بے شک فضل و کرم اُس کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہے عنایت فرماوے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔
۲۔ انسان میں بہت سی متضاد قوتیں ہیں اور یہی تضاد اس کی روحانی اور جسمانی تربیت کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ جب ناامید لوگوں میں کامیابی اپنی جھلک دکھاتی ہے تو یقین اور خوشی میں بے انتہا اضافہ ہو جاتا ہے۔
۳۔ انسان محنت کے لئے بناوے اور محنت اس کا فرض ہے۔ اب محنت اپنا نتیجہ آپ ہے۔ رہا مزید نتیجہ تو وہ اُس کا فضل و کرم ہے۔ جو یقیناً محنت اور مجاہدہ ہی پر ہو سکتا ہے۔

۴۔ (۱) لا الہ (کوئی معبود نہیں)۔ اس میں پہلی اور سب سے بڑی نفی اپنے نفس کی ہونی چاہیے (نفس کی نفی سے مجھے اپنی خودی یعنی الہوی سے نجات بخشیں۔ اور الا اللہ کا اثبات میری جان سے پیدا فرمادیں۔ (۲) بے خودی کا پیالہ پلا کر مجھے مست بنا دیں اور فنا میری ہستی کے ساز و سامان کو غارت کر دے۔ (۳) غیر اللہ کا خیال بھی مجھ سے دور فرمادیں اور اپنی محبت کی بیماری کا مجھے مریض بنا دیں۔ (۴) دونوں جہان میں تو ہی میری مراد ہو جائے۔ اور میری جان سے سوائے اللہ اللہ کے کوئی سانس نہ بکھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں میرے منہ سے نکلتی رہیں اور خدا ان کریم میری زبان پر ہو۔

۱۴۹ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ خیالات کم ہونے شروع ہو گئے اور آہستہ آہستہ طمانیت نے وہ جگہ حاصل کر لی۔ اور آخری توجہ میں یہ حالت تھی۔ کہ حضور گھنٹوں بیٹھے لیکن خیال تک نہ آیا۔ نہ شیطانی نہ روحانی۔ بلکہ عیانی اور وجدانی طور پر ایسا معلوم ہوتا کہ حضور کا سینہ مبارک میرے سینہ کی جگہ رکھ دیا گیا۔ سوائے گھنٹہ (برود) کے میرے سینہ میں اور کوئی کیفیت نہ تھی۔

ذوقِ این نے شناسی بند اتانچشتی

۱۵۰ اس کے بعد پھر آپ نے نہ مراقبہ فرمایا نہ توجہ فرمائی۔ یہ واقعہ آخر شعبان ۱۳۲۶ھ کا ہے اور اسی حاضری میں آپ نے آخری کیفیت باطنی دریافت فرمائی جس کا ذکر کیا گیا۔

۱۵۱ غیر طریقہ کے لوگ نقش بند یہ۔ قادر یہ چشتیہ بھی حاضر ہوتے۔ آپ کسی سے اجنبیت نہ فرماتے۔ بلکہ ایک دفعہ خود حضرت مغفور و مرحوم، فداہ روحی نے فرمایا۔ "کہ پہلے تو جنابت تھی۔ جب کہ تمہارے بھائی مولوی فخر الدین صاحب آئے تھے۔ لیکن اب نہیں۔ سب کو ایک جانتا ہوں۔ اور اکثر "چشتیہ ہشتیہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) فرماتے۔ اور فرماتے "چشتیہ ہشتیہ بڑے بابرکات بزرگ ہوتے ہیں" قادر یہ میں سے غوث الثقلین حضرت پیر دست گیر بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ان الفاظ سے نہایت اشتیاقاً نہ لہجے میں فرماتے "بغداد والی سرکار نے اسی طرح فرمایا" "بغداد والی سرکار اس طرح فرماتی ہے اور آپ کی مبارک آنکھیں اس جانب ہو جاتی تھیں۔ گویا دیکھ رہے ہیں۔ متاخرین سے خواجہ اشرف

۱۔ اس شراب کی لذت خدا کی قسم جب تک تو خود نہ پیے گا محسوس نہیں کر سکتا۔ میری جان آپ پر قربان ہو۔

۲۔ حضرت قبلہ عالم محبوب الہی مصنف مدظلہ کے چچا زاد بھائی میرا شریف ضلع کیمپور میں حضرت احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو آخری خلیفہ تھے حضرت سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے) سے بیعت تھی اور آپ ان کے خلیفہ مجاز تھے۔ ۱۳۶۲ھ - ۱۳۶۵ھ - ۱۳۶۷ھ غوث الثقلین (جن وانس کا غوث) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا لقب ہے۔

۳۔ حضرت خواجہ اشرف تونسوی، حضرت خواجہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے تھے اور حضور کے سجادہ نشین۔ ان کے عہد میں بھی فقر و تصوف کو خوب رونق ہوئی۔

(تاریخ وصال ۱۳۱۹ھ)

صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر فرماتے۔ اور خواجہ غریب نواز حضرت معین الدین چشتی رح۔ اور حضرت بابا فرید شکر گنج رح۔ اور حضرت علی احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے اکثر اشعار مبارک نہایت ذوق سے موقعہ بموقعہ حسب ضرورت پڑھتے۔ ایک دوست سے ذکر فرمایا کہ پہلے میری آنکھیں مکان شریف کو دیکھتی رہتی تھیں۔ لیکن اب تو خواجہ معین الدین صاحب کی طرف ہی میرا رخ رہتا ہے۔

۱۵۲ ان خاندانوں سے تو سب رکھنے والے کو تلقین ذکر نہ فرماتے۔ لیکن فیوضات باطنی سے آپ دریغ نہ فرماتے۔ معمول تھا کہ آپ فرماتے۔ ”جو کچھ بزرگوں نے فرمایا۔ وہی کرو۔ اس میں برکت ہوگی۔“ ہاں اگر کوئی کہتا کہ تلقین ذکر حاصل نہیں۔ تو آپ تلقین ذکر بھی فرمادیتے۔ لیکن عجیب حالت تھی۔ کہ زبان سے کچھ نہ فرماتے۔ لیکن اندر ہی اندر تمام کام بن جاتا۔ اس پر ایک دو واقعہ پیش کر دیتا ہوں۔

۱۵۳ ایک بار سرگودھا کے قریب رہنے والے ایک مولوی صاحب آئے۔ جن کا تعلق روحانی حضرت قبلہ میروی رحمۃ اللہ علیہ سے تھا۔ حاضر ہوئے تو آپ نے حسب دستور معمول وقوف قلبی کی تاکید فرمائی۔ اور زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ ان کو مسجد سے گئے ہوئے ہوں گے۔ کہ واپس آگئے۔ جانے سے پہلے بھی میں نے ان کو دیکھا تھا۔ باتیں کی تھیں۔ آئے تو حالت ہی بدل گئی۔ خاموش سرفناؤں چہرہ میں حیرت۔ میں نے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ صرف وقوف قلبی فرمایا۔ بلکہ یہ بھی ان کی طرف سے تھا۔ آپ ایسے

۱ ضلع گورداسپور میں ایک مبارک مقام ہے۔ جہاں حضرت امام علی شاہ صاحب اور حضرت شاہ حسین بھوڑے والی سرکار کا مزار مبارک ہے۔ تقسیم کی وجہ سے یہ مقدس مقام بھی ہندوستان میں چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ان مقامات میں حاضری آسان فرماوے۔

۲ وقوف قلبی۔ دل کی طرف متوجہ ہو کر ذکر رہنا۔ اور ذکر میں ذات حق جل جلالہ کا خیال سامنے رکھنا۔

۳ سر نیچے ڈالے۔

اصطلاحات صوفیہ کبھی اپنی زبان پر نہ لاتے۔ اور طالب کو مفت کے جنجال میں نہ پھنساتے سیدھے سادے الفاظ میں جو کچھ فرمانا ہوتا فرما دیتے۔

۱۵۴ ایک بزرگ حضرت قبلہ مہر علی شاہ صاحب مدظلہ کے مریدوں سے حاضر ہوئے ان کی ریش نصف سے کم سفید تھی۔ اور کپڑے پرلے اور بوسیدہ۔ ان قدوۃ السالکین شریف لائے۔ ان سے دریافت حال کیا۔ فرمایا۔ کہ اللہ الصمد پڑھتے ہو۔ تو انہوں نے کہا کہ جی حضور۔ فرمایا کہ دو نام ہیں۔ اللہ الصمد۔ لیکن وہ اس رمز کو نہ تاڑ سکے۔ فرمایا کہ پیر صاحب کے پیشوا (پیر) سیال شریف والے تھے، انہوں نے کہا، جی۔ فرمایا کہ وہ انگلیزوں کے اندر (ملک میں) بھی رہتے تھے۔ لیکن ان سے باہر (بے تعلق) بھی تھے فرمایا کہ مومن کا نشان ہے۔

از حسد اول تو دل را پاک دار

۱۵۵ زان بعد آپ ان کے چہرے پر ہاتھ ملتے جاتے۔ اور فرماتے یہ نور ایمان ہے یہ نور ایمان ہے“ معلوم نہیں کتنی دیر آپ اسی طرح کرتے رہے کہ ان کا چہرہ آہستہ آہستہ بدل گیا۔ اور ایک گھڑی کے اندر ہی آفتاب کی طرح ان کے چہرہ سے نور برسنے لگا یہ ہے بد شہبنا۔ کہ جس کو مس بھی کر گیا۔ آفتاب بنا گیا۔

۱۵۶ ایک معمر بزرگ سا نکلہ کی مسجد تعمیر کر وہ حاجی محمد دین صاحب قادری گجراتی کے امام آئے آپ نے دریافت فرمایا۔ کہ کیا کرتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ مسجد کا امام ہوں لیکن دوسرے

۱۔ حضرت خواجہ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ سیالوی کے جلیل القدر خلیفہ تھے۔ گولڑہ شریف ضلع راولپنڈی میں مقیم

تھے۔ وہیں مدفون ہیں۔ وقت کے نہایت جلیل القدر اولیاء اللہ ہیں۔

۲۔ وہ اللہ والوں کے پیشوا ۳۔ حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی خلیفہ حضرت خواجہ سلیمان تونسوی۔

۴۔ پہلے حسد سے اپنے دل کو صاف کر دو۔

۵۔ سفید ہاتھ۔ موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ جو معجزے کے طور پر آفتاب کی طرح چمکتا۔

ملاؤں کی طرح نہیں ہوں۔ آپ نے فرمایا کیسے۔ انہوں نے کہا کہ وہ تو مسجد کے وظیفے کھاتے ہیں۔ فرمایا ”اگر کھاتے ہیں تو کیا مضائقہ۔ آخر آپ کیا کھاتے ہیں۔“ انہوں نے کہا، کہ حاجی صاحب خرچ دیتے ہیں۔ فرمایا تو پھر یہ کیا ہے؟ (مسجد ہی کا نہیں تو)۔

۱۵۷۔ زان بعد آپ نے توجہ تو کسی اور طرف ظاہر کر دی اور کسی اور سے مخاطب ہو گئے۔ لیکن چپکے سے اپنی شہادت کی انگلی ان کے قلب پر جاٹکائی۔ ابھی سینہ سے مس ہی کیا ہو گا کہ انہیں حال (وجد) ہو گیا۔ پگڑی گر گئی۔ اور دیر تک سر پٹکتے رہے۔ یہ ہے توجہ اور یہ ہے تصرف قلبی۔ کہاں تک ایسے واقعات لکھوں۔ چشم خود سینکڑوں دیکھے۔ اللہ تعالیٰ حضور کو ملاء علیین اور اپنے قرب میں منزلت عنایت فرما کر تا قیامت ان کے رُوح مبارک پر رحمت برسائے۔ آمین ثم آمین۔

۱۵۸۔ یوں تو توجہ حاضرانہ سے ہمیشہ سرفراز فرماتے۔ اور حاضری کے دنوں میں کبھی دل سے کبھی چشم مبارک سے۔ اور کبھی ہاتھ مبارک سے کبھی مراقبانہ صورت میں توجہ فرماتے لیکن احباب کو غائبانہ توجہ بھی فرماتے تھے۔ حضور کی خدمت سے واپسی کے بعد اتنا اثر ہو جانا کہ بیان سے باہر ہے۔ اور حضور میں اس کے مقابلہ بہت کم اثر ہوتا تھا۔ یا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان ہی توجہات کا فیض روز افزوں ہو جاتا جیسا کہ ایک بزرگ قادری سے ایک (بزرگ) نے بیعت کی۔ اور بدستور حالت عیاشانہ میں رہے۔ کسی نے شاہ صاحب کی خدمت میں جا کر کہا۔ کہ فلاں بزرگ زائے نے آپ سے بیعت بھی کی تھی۔ لیکن اس کی حالت بدستور ہے۔ آپ نے

۱۔ وہ روٹیاں جو اہل محلہ مسجد میں پہنچاتے ہیں۔ ۲۔ تصرف قلبی۔ دل پر تصرف (یعنی دل کے حالات میں رد و بدل کی قوت) ۳۔ ملا۔ جماعت علیین۔ بلند مقام والے۔ آسمان پر ایک مقدس مقام ہے۔ جہاں صالحین عالم کی رو میں جاتی ہیں۔ ۴۔ توجہ۔ اس کے معنی ہیں متوجہ ہونا۔ شیخ کامل اپنے دل کی گرمی اور نور کو اپنے مخاطب پر القا فرماتا ہے۔ شیخ کا قلب منور اور جان پاک مرید کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور اس کے باطن کی گرمی مرید کے دل کو اور اس کے جسم کو تاثرات سے بھر دیتی ہے اور دل اور جسم کو جنبش دیتی ہے۔ ایسی صورت میں پیر کا قلب اس کے تمام عواس پر غالب ہوتا ہے۔ آنکھ سے متوجہ ہو گا تو آنکھ تاثر کر جائے گی۔ ہاتھ سے مس کر گیا تو ہاتھ کے ذریعے نورانی لہریں مرید میں سرایت کر جائیں گی۔ یہ گرمی نور اور جنبش، شیخ اور مرید کی قابلیت اور قوت کے مطابق ہوتی ہے۔ ۵۔ غائبانہ توجہ سے مراد وہ توجہ ہے جو پیر اپنے اس مرید پر القا کرے توجہ فرمادے جو حاضر نہیں غائب ہے اور دور ہے۔ پیر کامل کے قلب کی گرمی اور نور کی لہریں دور و نزدیک میں یکساں عمل کرتی ہیں۔

۶۔ بعد منزل نہ بود در سفر روحانی

سراٹھا، فرمایا۔ کہ ناگ (زہر بلا سناپ) کے ڈسے کو ایک دن زہر چڑھ جائیگا (اثر ہو جائے گا)۔ چنانچہ شاہ صاحب تو وصال پا گئے۔ مگر بعد میں بزرگ زاوے واقعی بزرگ ہو گئے۔

۱۵۹ اس خیال کی تائید برادر مکرم حاجی عبدالرحمن صاحب نے بھی فرمائی۔ جب کہ میں نے اس کی شکایت ابتدا میں کی۔ کہ توجہ کا اثر مراقبہ میں مجھے بہت کم ہوتا ہے۔ جواباً آپ نے کہا کہ گھبراؤ نہیں۔ گھر جا کر دیکھنا اور کہ حضور نے ابتداء زمانہ میں مجھے ایک بار توجہ فرمائی۔

زاں بعد آپ نے حالت دریافت فرمائی۔ میں نے عرض کیا۔ کچھ تبدیلی نہیں ہوئی۔ آپ نے فرمایا انشاء اللہ ہماری توجہ خالی نہ جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا آخر کار بار آور ہوئی۔

۱۶۰ میں نے اپنے جد اچھ رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت سیال شریف رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت اللہ شریف رحمتہ اللہ علیہ کے بہت سے مرید اور توسل رکھنے والے دیکھے۔ جنہوں نے اپنی طرف سے کوئی جدوجہد اس راہ میں نہ کی۔ لیکن ان کی صورت و سیرت اتنی دل پسند ہوتی ہے۔ کہ دل خود بخود کہہ دیتا ہے کہ یہ فلاں بزرگ سے تعلق رکھنے والا ہے۔ کیونکہ ہر بزرگ کی ایک نورانی (خاص) صورت نوعی ہوتی ہے۔ جس کا پرتو اس کے تمام مریدوں پر ہوتا ہے اور بعینہ ہی صورت ہمارے قبلہ حضرت مرشد رحمتہ اللہ علیہ کے متوسلین کی ہے کہ اسٹیشنوں پر۔ بازاروں میں، گھروں میں اور مسجدوں میں اپنی صورت نوعی (نورانی) سے بالکل یہ ممتاز نظر آتے ہیں۔ اور دنیا کہنے والی ہوتی ہے کہ یہ میاں صاحب کے مرید جا رہے ہیں۔ حضرت قبلہ میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ اس خصوصیت میں حضرت اللہ شریف رحمتہ اللہ علیہ کے ہم پلہ ہیں۔ اور دیگر بزرگوں

۱۔ حضرت اعلیٰ غلام مرتضیٰ رحمتہ اللہ علیہ (وفات ۱۵۔ رجب ۱۳۲۱ھ)

۲۔ حضرت خواجہ شمس الدین رحمتہ اللہ علیہ

۳۔ حضرت غلام نبی لٹھی رحمتہ اللہ علیہ (وفات ۲۴۔ ربیع الاول ۱۳۰۶ھ)

سے ممتاز۔ کیونکہ حضرت لیلۃ شریف والے کے مریدوں کے چہرے بھی بہت نمایاں نورانی دھلے ہوئے دیکھے۔ جتنے بھی دیکھے اس خاصہ میں یہ دونوں بزرگ اپنے مثل آپ ہی ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہما اور اپنی پوری ہمت مرید پر صرف فرماتے۔

۱۶۱ حضور غائبانہ توجہ بھی فرماتے۔ کئی بار آپ نے مجھ سے فرمایا۔ ”کہ جاؤ مسجد جا کر کچھ کر لو۔ اسی طرح خیال کرنا کہ تم میرے سامنے ہو“ اور حضرت صاحب کی مزار چھوڑ کر آنے کی کیا ضرورت“ میرا خیال وہاں بھی تمہاری طرف رہتا ہے۔ میں تو تم کو اپنے پاس جانتا ہوں“ تم بھی اپنے پاس مجھے دیکھا کرو“ اور قرب و بعد میں کچھ فرق نہیں جب دل قریب ہو۔ قریب ہونے سے کیا فائدہ جب دل قریب نہ ہوں“ کبھی قریب ہونے میں وہ لطف نہیں رہتا۔ جو دور میں تھا“

۱۶۲ ان بالا موقوفات میں صاحب ہوش کے لئے بہت کچھ معافی اور بہت سے ہدایات ہیں اور تشریح کی ضرورت نہیں۔ اپنے اپنے فہم طبیعت کے مطابق فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

۱۔ مثال - ایک جیسے

۲۔ کامل شیخ اپنے مریدوں کو اپنے روحانی فرزند خیال فرماتا ہے۔ اور ان کو اپنی توجہات سے ہمیشہ نوازتا رہتا ہے۔ اگرچہ یہ توجہ بعض مرید اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کھل کر قبول کرتے ہیں اور بازی لے جاتے ہیں۔ ، انہی مسلسل توجہات اور پوری نگہداشت اور تربیت میں جزئیات کو بھی ملحوظ رکھنے کو ہمت صرف فرمانے سے تعبیر فرمایا گیا۔

اولیٰ نسبت

حضور قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اولیٰ تعلقات بہت تھے اور خاص کر آپ کو بھوہرہ شریف (مکان شریف) کے حضرت سے نہایت گہرا تعلق تھا۔ اور اکثر علاموں کو انجمن کی مزار شریف سے فیض اٹھانے کے لئے ارشاد ہوتا تھا۔

خوش قسمتی سے جب میں دوسری بار شوال ۱۳۶۳ھ میں حاضر ہوا۔ تو حسن اتفاق سے عرس مکان شریف کی تقریب پر حضور جانے والے تھے۔ قدم بوس ہوتے ہی فرمایا۔ مکان شریف عرس پر جانے کا ارادہ ہے۔ تمہاری کیا مرضی ہے۔ عرض کیا جس طرح حضور کا ارشاد ہوا۔ فرمایا اچھا ہے کہ تم بھی دیکھ لو۔ بعد میں معلوم ہوا کہ کتنے دوست حضور کے ہمراہ جانے کے لئے نڑپ رہے ہیں۔ آخر وہاں پہنچے۔ تو فوراً میاں محمد علی صاحب خیاط کو میرے اور پیر محمد لطیف صلح کے ہمراہ کیا۔ کہ انہیں بھوہرہ شریف میں لے جاؤ۔ چنانچہ با وضو ہو کر فاتحہ کہا اور مراقبہ بیٹھے۔ لیکن اس وقت میری اتہا استعداد نہ تھی۔ مگر یہ سمجھ گیا کہ یہ میری عین سعادت ہے۔ کہ ایسے موقعہ پر اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات نے شرف پور شریف پہنچایا۔ جب کہ یہ دولت نصیب ہونے کا وقت تھا۔ اور یہ ابتدا تھی آئندہ کی سعادت کی۔ اس کے علاوہ بہت سے بزرگوں سے آپ کو روحانی تعلقات

۱۔ حضرت اولیٰ قرنی سے یہ نسبت فسوب ہے کہ جیسے حضرت اولیٰ قرنی رضی اللہ عنہما کو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے غائبانہ نسبت تھی۔ اسی طرح بعض سالکوں اور بعض بزرگوں کو بعض اہل قبور سے غائبانہ نسبت ہوتی ہے۔

۲۔ حضرت شاہ حسین بھورے والی سرکار۔ (وصال ۱۲۴۳ھ)

۳۔ مراقبہ۔ خالی الذہن ہو کر متوجہ الی اللہ ہونا مراقبانہ صورت میں کچھ پڑھا نہیں جاتا بلکہ حصول فیض کی انتظار ہوتی ہے۔

تھے۔ اور ایسی ایک کو دوسرے سے محبت تھی۔ جیسے دو احباب زندہ میں ہوتی ہے۔ جب آنحضرت رحمۃ اللہ علیہ کسی بزرگ تعلق والے کا ذکر فرماتے۔ تو آپ کی آنکھیں اس طرف شقیانہ اٹھتیں۔ جیسا کہ کوئی مشتاقانہ نظر دیکھنے کے لئے اٹھاتا ہے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ آپ فرماتے کہ ہم تو آپ کو بشر بھی کہتے ہیں اور حاضر و ناظر بھی۔ کیونکہ درمیانی حجب روحانیت کے نور نے اٹھا دیئے تھے۔ چنانچہ آپ نے ایک جمعہ کو وعظ کے اندر فرمایا۔ کہ ایک تین سو ہوتے ہیں۔ ایک چالیس ہوتے ہیں۔ اور ایک تین اور ایک ایک۔ اس ایک کی روحانیت سے ستر درجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک لطیف تر ہے یعنی غوث کی روحانیت سے آپ کا جسم عنصری ستر درجہ لطیف تر ہے۔ فتا برفی ذالک۔

۱۶۵ ہم خاک کی سیاہی دل کیا تمیز کر سکتے ہیں۔ کہ وہ کیا ہیں۔ اور یہ کیا ہیں۔ بلکہ اپنی طرح ہی ان کو بھی بشر کہتے جلتے ہیں۔ اور اپنی طرح ہی مردہ روح۔ صاحب مثنوی نے اس بارے میں خوب فرمایا ہے

بندگانِ خاصِ علام الغیوب در جہانِ جاں جو ایسے القلوب

۱۶۶ حضرت جد امجد رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ظاہری نسبت کے علاوہ ایسی نسبت کئی بزرگوں سے حاصل تھیں۔ سائیں گلاب شاہ صاحب رح مرحوم جن کا مزار شریف رسول نگر ضلع گوجرانوالہ میں ہے اور بڑے کامل مجذوب ہو گزرے ہیں۔

میراں سید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مزار مبارک بھیرہ) ضلع سرگودھا اور بادشاہ صاحب

۱۔ بشر اور نور کی بحث اس زمانے کا بڑا علمی جھگڑا ہے۔ اولیاء اللہ کا مسک یہی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بشر ہیں بیشک، لیکن بشریت پر نور کا اتنا غلبہ ہے کہ حضور حاضر، ناظر ہیں۔ ہر گل میں ہر شجر میں محمدؐ کا نور ہے۔ علامہ جسم اور روح کے فرق کو کون نہیں جانتا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اظہر بھی اتنا لطیف ہے کہ غوث وقت کی روحانیت سے ستر درجہ جسم مبارک حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا لطیف تر ہے۔ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کی لطافت کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ علامہ غوث، روحانیت کا بلند ترین درجہ ہے۔ اور ایسے مدارج روحانی جن حضرات کے سپرد ہوتے ہیں۔ وہ انسانوں کی دینی و دنیوی مشکلات میں مدد فرماتے ہیں۔ علامہ آپ اس مقام پر غور کریں۔ علامہ مولانا جلال الدین رومی مصنف مثنوی مولانا روم علامہ الغیوب (اللہ تعالیٰ) کے خاص بندے روح کے عالم میں دلوں کے بھید جاننے والے ہیں۔ علامہ حضرت مولانا غلام مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ بیر بلوی۔ علامہ مجذوب، سلوک اور جذب فقر کی دو نسبتیں ہیں۔ پہلی نسبت تشریحی یعنی ظاہر شرح کے امور سے متعلق ہوتی ہے اور دوسری نسبت تکوینی ہے۔ جو دنیا کے کارخانہ کی جان ہوتی ہے۔ علامہ میراں سید احمد صاحب۔ مزار مبارک بھیرہ۔ مقبول خواص و عوام ہیں۔

(مقبورہ) خوشاب سے روحانی تعلقات بہت تھے۔ حضرت قبلہ ج فرماتے: "کہ یہ بزرگ ہمارے دوستوں سے ہیں۔" اور ہمارے مخلصوں سے جو ان کے مزارات پر جائے گا۔ ان کے فیض سے محروم نہ آئے گا۔ چنانچہ حضرت قبلہ میاں صاحب کی شرفیابی سے پیشتر یہ خاکسار بھی حضرت شاہ صاحب کی مزار پر انوار پر نہایت ارادت مندی سے حاضر ہوا۔ اور اسی طلب رسول نگر میں آپ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ حالانکہ یہ وہم گمان بھی نہ تھا۔ نہایت پستہ قد نحیف البدن چھوٹے قدم۔ اپنی اصلی صورت میں دکھائی دئے۔ لیکن اپنی طبیعت کے مطابق میں نے اس خواب کو بڑی اہمیت نہ دی کہ خواب و خیال ہے۔ لیکن جب دوبارہ مزار پر حاضر ہوا۔ تو بعینہ آپ کا جوڑا (جوٹا) مبارک اور وہی نقشہ نظر آگیا۔ میں نے لوگوں سے حلیہ آپ کا دریافت کیا۔ تو بعینہ وہی صورت بتلائی جو میں نے دیکھی تھی۔ دونوں بزرگوں کے کمال کا معترف ہو گیا کہ اپنے اپنے وعدے اور ارشاد میں پورے ہو اترے۔ اس کے علاوہ میں نے بہت کم بزرگان سلف کی صورت عالم رویا میں دیکھی۔ اور جو دیکھی بھی تو پورے یقین سے فیصلہ نہ کر سکا کہ کون تھے۔

۱۶۸ اس کے سوا حضرت قبلہ جدا مجد رحمۃ اللہ علیہ کو کسی ایک کامل مجذوبوں سے بھی فیض حاصل تھا۔ شادے خاں جو اپنے وقت کے یگانہ قطب مدار ہند تھے۔ اور ہندوستان سے آکر تحصیل خوشاب کے لٹوؤں ریگستان میں رہا کرتے تھے۔ ایک بار حضور ان کی خدمت میں بھی تشریف لے گئے۔ اور کوئی گھنٹہ بھر مراقبانہ صورت میں دونوں بزرگ بیٹھے رہے۔ لیکن منہ سے کسی ایک نے بھی ایک لفظ نہ فرمایا۔ پھر چلے آئے۔

۱۔ خوشاب میں دریاٹے جہلم کے کنارے قبرستان کی شمالی جانب مزار مبارک ہے۔ ایک روضہ مبارک ہے اور

روضہ میں دو قبریں ہیں۔ ساتھ ہی ایک عالیشان مسجد ہے۔

۲۔ اول حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ بیر بلوی رحمۃ اللہ علیہ، دوم حضرت سائیں گلاب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

۳۔ خواب کی حالت۔

۴۔ شادے خاں مجذوب بزرگ تھے۔ ہڈالی ضلع سرگودھا میں قبر مبارک ہے۔

انہی مجذوبانہ اور اولیٰیانا نسبتوں نے آپ کو سالک مجذوب بنا دیا تھا۔ انہیں نسبتوں کے غلبے کی وجہ سے آپ کو یہ الفاظ کہنے پڑے۔ کہ نسبت^۱ اس فقیر مزوجہ قلندر یہ است لیکن حق یہ ہے کہ انہی مختلف نسبت کے امتزاج نے سونے کو کندن کر دیا۔

۱۶۹ اس کے بعد میں آنحضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس ملفوظ کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ کہ آپ کے حضرت^۲ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اویسی نسبت ایک عجیب نسبت ہوتی ہے۔ سو اس میں تین اشارے تھے۔ ایک اپنی نسبت۔ ایک جدا مجد رحمۃ اللہ علیہ کی اس نسبت کی طرف، اور ایک میری طرف۔ جیسا کہ آپ نے کئی بار تاکید فرمایا کہ دادا صاحب کی مزار کو نہ چھوڑنا۔ دادا صاحب کی مزار ہوتے بہاں آنے کی کیا ضرورت۔ دگوئیں آنے کی ضرورت سے خوب واقف تھا اور آں قبلہ رحمۃ اللہ علیہ بھی جانتے تھے۔ اپنی محبت اور میری تاریکی دل سے بھی کامل واقف تھے۔ کتنا وہاں ٹھیرتے ہو اور کس وقت جاتے ہو اور کس وقت واپس آتے ہو۔ میرا خیال تو ہے کہ تم وہیں جماعت کرایا کرو۔ کبھی اندر بیٹھ گئے کبھی باہر۔ کبھی مسجد میں کبھی مزار شریف پر۔ زیادہ نہ سہی، ایک رُبع پارہ مزار شریف پر اور امر و منہا ہی کا خیال رکھ کر تلاوت کر لیا کرو۔

۱۶۹ اس مقدس مزار کے علاوہ دو اور مزارات کا بھی ذکر فرمایا۔ ایک تو میراں صاحب کی بابت فرمایا۔ بیربل سے مشرق کو میں نے ایک مزار بڑا برکت والا دیکھا اور ایک حضرت جدا مجد رحمۃ اللہ علیہ کے دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ کا ذکر فرمایا۔
کہ قادری نسبت کے بزرگ معلوم ہوتے ہیں۔ وہاں دو مزار ہیں۔ ایک تو حضرت دادا صاحب کے

۱۔ یہ ایک ایسی نسبت ہے جس کی برکت سے صاحب نسبت تشریحی اور تکوینی دونوں نسبتوں کا مالک ہوتا ہے ایسا فقیر بے حد صاحب کمال ہوتا ہے ۲۔ اس فقیر کی نسبت قلندری نسبت سے مرکب ہے ۳۔ حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ کا مین کے مزارات کے فیوض اظہر من الشمس ہیں لیکن تربیت یافتگان کے لئے اور صاحب استعداد سالک صاحب قبر کی نسبت پوری طرح مستفیض ہو سکتا ہے ۴۔ قرآن کریم پڑھنے میں یہ خیال رکھنا نہایت فروری ہے کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کے کرنے کا حکم دے رہا ہے اور اس چیز سے منع فرما رہا ہے۔ پھر تاثیرات کا باب کھل جاتا ہے ۵۔ کامل بزرگ صاحب مزار کی نسبت بھی محسوس کرتے ہیں اور قادری نسبت سلسلہ قادریہ سے منسوب ہے اور اس مقدس سلسلے کے بانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

دادا صاحب کا ایک اُن کے چچا صاحب کا۔ آپ کے چچا جو ایک مجذوب بزرگ تھے۔ اور دونوں کے نام علی الترتیب حضرت مولوی صدر الدین صاحب اور میاں وڈا صاحب لیکن مجھے صرف حضرت جد امجد رحمۃ اللہ علیہ کی مزار سے اکتساب فیض کے لیے۔ ارشاد ہوا کہ فاتحہ سے پہلے پاپھی خالی الذہن (النسبت) ہو کر بیٹھ جایا کرو۔ اور سمجھا کرو کہ فیوضات سینہ میں آ رہے ہیں اور ایسا ہی ہوتے ہوتے واقعی معلوم ہونے لگیں گے۔

۱۶۹ ب چنانچہ پہلی شرف یابی سے آیا۔ تو حسب ارشاد جا بیٹھا۔ حیران ہوں باد نسیم کے جھونکوں کی طرح فیوضات وارد ہونے لگتے۔ اور میرے وجود کو آہستہ آہستہ جھولا دیتے۔ بعض مزارات پر جا کر رقت طاری ہو جاتی۔ اکثر میں شام کے بعد بھائی مرحوم مولوی محمد معصومؒ کی مزار پر جایا کرتا۔ اور بھی بہت سے خاندانی وہاں مزارات ہیں۔ اور حضرت کے والد بزرگوار کا مزار شریف بھی گل سہر سبد کی طرح وہاں ہے۔ سورہ فاتحہ (قی) فاتحہ کے لیے آواز بلند پڑھنا۔ لیکن آت آت پر رقت ہے۔ اور آنسو۔ سبحان اللہ حضرت قبلہ میاں صاحب کی طفیل کیا کیا دیکھا۔

۱۷۰ چونکہ میں بے آرام ہوں اور صاحب غزیت نہیں۔ اور ان امور کے لیے اوقات کی پابندی نہایت ہی ضروری۔ اس لیے دو ماہ کے بعد میری یہ حالت بدل گئی۔ تاہم اپنے جد امجد رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر انوار سے میں نے بہت کچھ اکتساب کیا اور جب کبھی کسی جگہ چند دن کے لیے چلا جاتا ہوں اور طبیعت بحال نہیں رہتی تو اسی مزار پر پھر اپنی اصلی حالت رجوع کرتی ہے۔ بلکہ سفر شرفیور جیسا مبارک سفر میرے لیے کوئی نہیں۔ اور قیام سے بھی بڑھ کر یہ سفر مبارک۔ لیکن

مراقبہ کی یہی صورت ہے کہ خیالات سے پاک ہو کر متوجہ ہو جائے اور غالب خیال یہ رہے کہ انوار و فیوضات سینہ میں آ رہے ہیں۔

۲ مولوی محمد معصوم صاحب حضور قبلہ عالم دام ظلہ کے بڑے بھائی تھے بہت بڑے فاضل تھے۔ جوانی میں انتقال فرما گئے۔ (دفن ۱۳۳۳ھ) ۳ حضرت اعلیٰ بیر بلوچی کے والد ماجد کا اسم گرامی حضرت محمد اسلم رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ ۴ اس سے مراد قلبی کیفیت میں کمی محسوس کرنا۔

سیج تو یہ ہے کہ جمیعتِ باطنی کا شیرازہ اس سفر مبارک میں بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ حالانکہ حضور کے فرمان سے پیشتر سفر میں بوجہ عدم تعلقاتِ طبیعت اچھی رہتی تھی اور گھر میں بوجہ تعلقاتِ خانگی طبیعت پریشان۔ مگر اب یہ معاملہ برعکس ہے۔ کیوں؟ صرف حضور قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد اور تعمیلِ ارشاد کی برکت سے۔

الحاصل

۱۶۱ حضور قبلہ رحمۃ اللہ علیہ اکثر مخلصین کو پاک لوگوں کے مزارات پر انوار پر جانے، ان سے فیوضاتِ باطنی کے حاصل کرنے کا ارشاد فرماتے۔ لیکن عوام طبقہ کی قبر پرستی سے آپ ہمیشہ نالاں رہتے۔ بلکہ بزرگانِ سلف کے عرس اور دیگر تقریبات کو دعوم کے عقائد کو مد نظر رکھتے ہوئے، بنظرِ استخسان نہ دیکھتے۔ چنانچہ باوجود روحانی گہرے تعلقات کے خود کوئی عرس کسی بزرگ کا اور کوئی نیاز گیا رھویں بارھویں کی نہ فرماتے اور فرماتے ”کہ اصل دین کو چھوڑ کر کہاں سے کہاں مسلمان جانکلے! اور کام تھوڑے ہیں کہ مسلمان انہیں چھوڑ کر ان میں جاگرے ہیں۔“

تصویرِ شیخ

۱۶۲ آپ فرماتے ”کہ میرے خیال میں اسمِ ذات کا ہی تصور کافی ہے (جیسا کہ لکھا گیا) لیکن جب کبھی کوئی مخلص دردِ محبت کی کمی کی شکایت کرتا آپ نہایت لطیف پیرایہ میں تصویرِ شیخ

۱۔ اطمینانِ قلب اور کیسوی کا قیام ۲۔ قبر پرستی۔ اہل قبور کے فیوضاتِ باطنی اور برکات کا حصول فقر و تصوف کا ایک حصہ ہے۔ لیکن عوام کا لانا نام کو ان فیوضات سے کیا غرض۔ وہ تو اپنے دنیوی مقاصد کے لئے قبور کی طرف رجوع کرتے ہیں پھر اعتدال کا سوال بالکل چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا تصور بھی اپنے ذہن میں نہیں رہنے دیتے جس سے بجائے دینی فائدہ کے دین کا نقصان کر بیٹھتے ہیں

۳۔ اکثر مقامات پر لوگوں نے عرس کو میلے کی شکل دے دی ہے اور ہر قسم کی زیادتیاں عوام کرتے ہیں اور شریعت کی پرواہ نہیں کرتے۔

۴۔ پسند نہ فرماتے۔ اصل دین تو عبادتِ الہی ہے اس کی طرف تو توجہ نہیں اور تمام قوتِ رسومات پر خراج ہو جاتی ہے۔

۵۔ سلوک کی حقیقت مادی دنیا سے الگ ہو کر تصورات کی دنیا میں جانا ہے اور سالک کے لئے محبت کا مظہر اول اپنے شیخ کا وجود ہے اس لئے اگر تصویرِ شیخ میں پختگی آجائے تو آئندہ منازل میں ہر تصور میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے ۶۔ اللہ اسمِ ذات ہے۔ اس مبارک اسم کا ذکر اور تصور اگر عظیم ہے اور روح کی زندگی۔ لیکن اس تصور کی پختگی سے پہلے اپنے شیخ کا تصور نچتر کر لینا حصولِ ذوقِ شوق اور اخلاصِ محبت کے لئے ضروری ہے۔

کی طرف کناٹے فرماتے۔

۱۴۳ چنانچہ کئی دوستوں سے فرمایا۔ ”مجھے اپنے پاس ہی سمجھا کریں۔ میں تمہیں یہاں بیٹھے دیکھتا ہوں۔“ ”تم بھی مجھے گھر سے دیکھنے کی کوشش کرو۔“ گاہے گاہے فرماتے۔ میں نے کبھی کسی کو تصور شیخ کے بارے میں نہیں کہا، لیکن بزرگ تو فرماتے تھے۔ ”تصور میں چنداں قباحت نہیں۔“ لیکن میں تو کسی کو نہیں کہتا۔“ اور نہیں، درود شریف کے وقت میرا خیال کر لیا کرو۔

۱۴۴ جب میں نے اپنی باطنی شکایت حضور کی خدمت میں کی تو فرمایا۔ درود شریف پڑھتے ہوئے حضرت صاحب کی مزار کا خیال کر لیا کرو۔ ضرور فائدہ ہوگا۔“

ذہنی تربیت

۱۴۵ موجودہ دور میں اس تربیت ذہنی کی طرف بہت کم مشاغل کا خیال ہے۔ اور اُردو اذکار پر ہی اکتفا کی جاتی ہے۔ اگر علمی حلقہ میں اس تربیت کو مکمل کیا جاتا ہے۔ تو اس میں صرف تصوف کے باریک مسائل کو فلسفیانہ لباس میں ذہن نشین کرنا اس تربیت کی تکمیل سمجھی جاتی ہے اور حضرت امام مجدد علیہ الرحمۃ کے مکتوبات سمجھنے کو نصب العین قرار دیا جاتا ہے! اور اسی طرح یہ تربیت ذہنی ذہنی رہ جاتی ہے۔ نہ کہ ذہنی عملی۔ وحدت وجود۔ وحدت شہود۔ حقیقت محمدی۔ حقیقت احمدی۔ دائرہ محبت صرفہ۔ دائرہ محبت عامہ۔ دائرہ تعین اور لاتعین کی حقیقتوں اور ان کے تعبیرات میں ساری قوت صرف ہو جاتی ہے اور بس، ایک زمانہ تھا کہ سلف صالحین پہلے تزکیہ نفس پر عمل فرماتے

علا کمال کی نگہ باطن جدھر توجہ کرے گی وہی صورت سامنے ہوگی کیونکہ روحانیت میں کمال کے بعد زمان و مکان کا بعد کم ہو جاتا ہے علامہ اپنے مرشد کی طرف دھیان جمائے۔ جب مرید کمال بن جائے گا تو اپنے مرشد کی سی تاثیرات پیدا ہو جائیں گی اور بعد کم ہو جائے گا۔ درود شریف کے وقت رحمت الہی کی جھڑی لگی ہوتی ہے۔ اور تصور رنجتہ ہونے کا موقع ہوتا ہے اس لئے اس آسانی سے فائدہ اٹھانے کا حکم دیا۔ مزارات کے فیوض آزمانے والے تو خوب جانتے ہیں لیکن چونکہ تصور کی بختگی اور عقیدت کی مضبوطی ہی ان فیوضات کا ایک سبب ہوتی ہے۔ اور حصول فیض ایک معنی احساس ہے۔ اس لئے قبر کا تصور بھی یکسوئی کے ساتھ باب فیض کھول دیتا ہے۔ ذہن کو صحیح راستے پر لگانا تاکہ وہمیت سے نجات ملے۔ اور خالق کو دیکھنے کا عادی بن جائے۔ گویا عمل نہیں مجاہدہ نہیں بلکہ مسائل کی علمی تفسیر پر ہی اکتفا کی جاتی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے اپنی سیرالی اللہ کو جس طرح بیان فرمایا ہے اور جو طریق تربیت آپ نے مقرر فرمایا اور جو اصطلاحات آپ نے وضع فرمائے ان کی علمی تشریح ہی تکمیل فقر سمجھی گئی، حالانکہ وہ عملی اور شاہداتی چیز ہے۔ گذشتہ بزرگان نے اخلاقِ رفیعیہ سے نفس کا پاک کرنا۔

صرف کرتے اور زان بعد طالب جب پایہ تکمیل کو پہنچتا اور اسے ماذون کیا جاتا۔ تو ایسے معانی اس کے سامنے رکھے جاتے تاکہ رشد و ارشاد کے دوران میں اس سے خطا سرزد نہ ہو جائے۔ یا طالب کے تصور کو صحیح اور درست کرنے کے لئے آسان الفاظ میں ابتداءً ہر سبق کے پہلے کچھ اصطلاحات سے فرمادیتے۔ لیکن اس وقت عجب حالت ہے۔ پہلے فریق کے پاس سوائے علمی موشگافی کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں۔ نہ اخلاق ہیں نہ عادات نہ اذکار ہیں نہ اشغال۔ بلکہ سلف صالحین کی پوٹک ان سے نہیں آتی لیکن کمالات نبوت کے مدعی۔ اور اپنے کمالات اپنی زبانی ہی ان کو سنانے پڑتے ہیں۔ اور بس۔ دوسرا اگر وہ بیچارہ اس سے بھی زیادہ قابل رحم۔ کہ سالوں سلوک مجددی کے طے کرنے میں صرف کر دیئے۔ اور مصطلحات کو بھی یاد کیا۔ لیکن کسی ایک اصطلاح کا تصور بھی صحیح ان کے دماغ میں نہیں۔ میں نے کسی ایک سے مراقبہ کا تصور پوچھا۔ تو وہی اسم ذات کا ذکر بتلایا۔ اور ہر مراقبہ کی تصور انہ کتابی عبارت پڑھ کر قلب کی طرف متوجہ ہو کر ذکر کرتے کو ہی وہ مراقبہ خیال کرتے ہیں۔

عہد بہ بین تفاوت راہ از کجاست

۱۷۶ کسی ایک دوستوں کی حالت ناگفتہ بہ دیکھی۔ لیکن کسی نے کہا۔ کہ مسمیٰ الباطن پر سبق ہے۔ کسی نے مراقبہ احدیت فرمایا۔ اور لطف یہ ہے کہ ظاہری شریعت کے پابند نہیں۔ وارٹھی ہے تو تراشیدہ۔ حرص ہے تو کامل۔ خیالات ہیں تو فاسدینہ، لیکن گھنٹوں مراقب نظر آتے ہیں۔ نام لے کر گنتا۔ لیکن یہ مقصود نہیں بلکہ ذہنیت کو درست کرنا مقصود ہے۔

۱۔ اذن سے نکلا ہے جس کے معنی اجازت کے ہیں۔ ماذون (جس کو اجازت دی گئی ہے یعنی خلافت عطا کی گئی ہو)۔

۲۔ راہ باطن کی طرف رہنمائی کرنا (اسی رشد سے اسم فاعل مُرشد ہے یعنی راہنما)۔

۳۔ اصطلاح: کسی فن کو ظاہر کرنے والے مختصر الفاظ۔

۴۔ نبوت کا عکس ہے دلالت لیکن لفظی طور پر نہیں حقیقی کمالات ظاہری و باطنی ہوں و ذرہ نفس کا دھوکہ ہے۔

۵۔ دیکھو راستے کا مشرق کہاں سے کہاں چلا گیا۔

۶۔ سانس کا ولایت کبریٰ میں حقائق و صفات کی طرف متوجہ ہونا اور اس توجہ کی مشق کرنا۔

۷۔ ذات احد مطلق کی طرف خیال کر کے کیسے ہو جانا۔ ۸۔ ذہنی لالچ خدا جوئی کی ضد ہے جب تک یہ نفسانی بلاد و ذرہ ہو فقر میں قدم نہیں اٹھاتا۔

۹۔ خیال میں پاکیزگی ذکر کا اولین نتیجہ ہے اور نہ یوں سمجھے کہ ذکر نے اپنا مقام حاصل نہیں کیا جب ذکر ہی نہیں تو فقر و دلالت کہاں۔

۱۷۷ کچھ ایسے بھی صاحب اجازت نظر آئے۔ کہ ان بیچاروں کو سلوک (سیر نفسی) کی غائت تک معلوم نہیں کہ آخر ہمارا مدعا اس سلوک سے کیا ہے؟ ایک بار ایک صاحب اجازت نے اپنی زبانی ذکر کیا: "کہ ایک طالب سے میں نے پوچھا کہ قلب میں کچھ حرکت ہوتی ہے۔ اس نے کہا جی ہاں بڑے زور سے۔ میں نے کہا کہ قلب کا مکان کونسا ہے تو اس نے ناف کے نیچے بتلایا۔ مجھے بڑی ہنسی آئی۔ کہ کہاں سے کدھر چلا گیا۔ آخر اس کو سمجھایا گیا؛ انتہی کلام۔"

۱۷۸ لیکن اس ہنسی سے بڑھ کر آپ کے صاحب ارشاد ہونے پر مجھے بہت ہنسی آئی۔ کہ اس بے چارے سالک سے

"کہ سالک بے خبر نہ بود ز راہ و رسم و منزل ہا"

کو اتنا بھی تو معلوم نہیں کہ طالب ایک مستعد طبیعت ہے اور پہلی بار ہی ذکر نے نفس پر جا کر خود بخود ضرب دی۔

۱۷۹ اس پر لطف ہے کہ دیگر طریقوں اور سلاسل کی نسبتوں پر پھبتیاں اڑانی جاتی ہیں۔ اور خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ خواجہ فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ خواجہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اور اپنے سلسلہ کے سلف صالحین مثلاً خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگوں کو مراتب ولایت سے بڑھنے نہیں دیا جاتا۔ اور خود کمالات نبوت کی مسند پر جا بیٹھتے ہیں۔ اللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّ اَرِّزْنَا اِتِّبَاعًا - وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَاَرِّزْنَا اجْتِنَابًا - اللّٰهُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْيَاءِ كَمَا هِيَ - تَوْقًا مُسْلِمِينَ - وَاَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِينَ - اللّٰهُمَّ اَرِنَا حَقَّ اِسْمِ اللّٰهِ

۱۷۷ سلوک (سیر نفسی) سے مراد اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی جدوجہد کرنا ہے کہ اصطلاحات تصوف کی ترتیب اور یادداشت قائم کرنا۔ قلب باطن پستان سے نیچے تین انگلی کے فاصلہ پر وہ مقام ہے جو قلب کہلاتا ہے اور جسم کی صحت بھی اس کی صحت پر موقوف ہے اور روح کی درستی بھی اسی کی درستی پر موقوف ہے۔ چونکہ لطیفہ نفس کا مقام ناف سے نیچے ہے اور مستعد اور سالک کا لطیفہ نفس ذکر سے متاثر اور متحرک ہوا اور وہ اصطلاحات جانتا نہ تھا اور قلب کا نام اور حرکت سنی تھی اس لئے مغالطہ کھا گیا ورنہ اس کی استعداد اور تاثر میں کوئی کمی نہیں۔ اس کی بات ختم ہوئی۔ سالک منزل کے راہ و رسم سے ناواقف نہیں ہوتا۔ صرف مجددی سلسلے کی اصطلاحات یاد کر لینے یا کچھ کچھ تاثرات معلوم کر لینے سے اپنے آپ کو کمالات نبوت کا حال سمجھ لیا جاتا ہے اور عظیم الشان اولیاء اللہ کو کم درجہ (اپنی جہالت سے) دیتے ہیں۔ یا اللہ ہم کو حق کی صورت میں حق دکھلائیے اور حق کی اطاعت کرنے کی توفیق بخشئے اور باطل کو باطل کی صورت میں دکھلائیے اور اس سے بچنے کی توفیق بخشئے۔ اور یا اللہ ہم پر تمام چیزوں کے حقائق کھول دیجئے اور ہمیں مسلمان کر کے مارئیے اور صالحین کے ساتھ ہم کو ملائیے۔

علیہ وآلہ وسلم کے صدقے لغزشوں سے پناہ دے۔ آمین ثم آمین۔ طرہ یہ کہ امام مجدد علیہ الرحمۃ کے صرف اسی فقرہ پر بھی توجہ نہیں۔ ”محبت شہ طراہ است“ زبانی جمع خرچ کے حاصلات تو کچھ نہیں۔ البتہ محبت میں استھلاک اور اضمحلال کچھ معنی رکھتا ہے۔ حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہی خوب فرمایا ہے

جائیکہ زاہداں بسزارا لعین رسند

مست شراب عشق بیک آہ میرسد

مولیناروم نے ایسی طبیعتوں کو سنگ پارس کہا ہے

”از محبت مہس ہا زرمی شود“

جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اصل چھوڑ نقل کے اٹھانے کی بھی ہدایت فرمائی ہے

متماب از عشق روگر چہ مجازست

شلوک مجددی

شلوک مجددی ایک نہایت لطیف اور باریک ترین سیر کی پوری پوری تفصیل ہے۔ ہر

کہ و مہ کی یہ طاقت نہیں کہ جس تحقیق اور روشنی سے حضرت امام علیہ الرحمۃ نے سیر فرمایا اور جو

اشیا قبل وصول یا بعد وصول آپ نے دیکھی ہیں۔ بعینہ ہر ایک آدمی دیکھ سکے۔ ہاں حضرت

امام صاحب سے اگر کسی دوسرے درجہ کی استعداد والا اس راہ چلے تو بیشک دیکھ سکتا ہے۔

۱۔ عجیب بات ۲۔ محبت اس ہذا شلوک کی شرط ہے یعنی بغیر محبت معرفت کا راستہ طے نہیں ہو سکتا ۳۔ محبت میں فنا ہو جانا اور انانیت کا گم ہو جانا ۴۔ جہاں پر ناہد لوگ ہزاروں چلے کر کے پہنچتے ہیں عشق و محبت کی شراب میں مست ہونے والا ایک دفعہ آہ بھرنے سے پہنچ جاتا ہے ۵۔ محبت سے تانا بسونا بن جاتا ہے۔

۶۔ محبت سے منہ موڑ اگرچہ مجازی ہے۔ یعنی محبت اپنی ذات میں اکیسیر ہے حقیقت کی طرف بھی جذبہ پروا نہ کرے گا۔ یعنی طبع میں جذبہ محبت ہونا ضروری ہے ۷۔ حضرت شیخ مجدد الف ثانی نے جو تجدیدی کارنامہ کیا وہ یہی ہے کہ طریقت کو شریعت حقہ کے لباس میں دکھلایا اور آسان طریقہ وصول الی اللہ کا بتلایا۔

۸۔ یہ سیر لطیف ترین سیر ہے۔ صرف اصطلاحات یاد کر لینے سے ایک اجمالی ذہنی خاکہ اس روحانی سیر کا حاصل ہوتا ہے۔

۹۔ مراد حضرت شیخ احمد سرمندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ۔

جیسا کہ قیوم ثانی (خواجہ محمد معصوم) رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ (ملاحظہ ہو سب سے زیادہ مصنفہ حضرت علامہ علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ) اور مجد و رحمۃ اللہ علیہ کے نشان کردہ اشیاء کو پاسکتا ہے۔ ہاں ہر سیاح کے سفر نامہ کے عجوبات ایک سمجھ دار گھڑیٹھے پڑھ کر لطف اٹھا سکتا ہے۔ لیکن اس کی حقیقت سیاح کی نہیں ہوتی بلکہ اخبار بین کی۔ یا تصویر کے دیکھنے سے تمام خط و خال نظر آجاتے ہیں۔ لیکن تصویر کچھ اور ہے اور عین کچھ اور، تصویر کے دیکھنے والا عین کا روشناس نہیں ہو سکتا۔

۱۸۔ کوئی آدمی کسی حاجی کا سفر نامہ پڑھنے سے حاجی نہیں بن سکتا۔ اور نہ ہی کسی کا ادنیٰ خادم ادنیٰ طبیعت اپنے آقا کے ہمراہ اگر ساری دنیا بھی پھر آئے تو سیاح کہلا سکتا ہے۔ گو تابع متبوع کے ہمراہ ہو کر حاجی کہلاتا ہے۔ لیکن تابع و متبوع (خادم و مخدوم) کے حج میں از روئے مشاہدات از روئے کیفیات اور از روئے ثواب اخروی کتنا وسیع اور بلند فرق ہے۔ فتدبر فی ذالک فانہ مزلة الاقدام لاذکیاء۔

۱۸۱۔ سلوک مجددی پر سالک (مرشد) اگر یہ نظر رکھے کہ مراتب اور تعینات اور حقائق کو پیش کرنے سے طالب کی پوری قوت اور کامل توجہ اس سیر میں صرف ہوگی۔ تو پھر یہ سیر نہایت ہی مبارک ہے اور باسعادت۔ اگر صرف سند حاصل کرنا مقصود قرار دیا جاوے تو طالب کے لیے اس سے بڑھ کر سم قاتل کوئی نہیں۔ چونکہ اس وقت طبیعتوں کا میلان آرام طلبی کی طرف مائل ہے اور اسناد لینے کے درپے لوگ ہو گئے ہیں۔ اس لیے زمانہ موجودہ میں یہ طریقہ نہایت مضر ہو رہا ہے اور چونکہ سالک (مرشد) خود زیادہ غور و خوض سے کام نہیں لیتے۔ اور اپنی باطنی نسبت

۱۔ تابع - اتباع (پیروی) کرنے والا - متبوع - جس کی اتباع کی گئی ہو۔

۲۔ اس مقام پر خوب غور و خوض کریں کیونکہ اس مقام پر بڑے بڑے دانائے پھسل جاتے ہیں۔

۳۔ سالک - مرشد کامل

۴۔ مراتب - یہاں مراتب سے مراد توحید سے مراتب (نزولی شانیں) ہیں۔

۵۔ تعینات - تمام منظم تعینات کہلاتے ہیں۔

۶۔ مراد خرقہ خلافت ہے۔ گویا یہ بھی کوئی علمی درس گاہ ہے۔ جہاں اصطلاحات یاد کر لینے سے سندیں مل جائیں گی۔ تصوف احوال و کوائف کی دنیا سے اس پر جب تک بلند کوائف نہ حاصل ہوں گے۔ طالب کسی قابل نہ ہوگا۔ اور جب خود کسی لائق نہ ہوگا تو دوسروں کو کیسے کوئی مرتبہ قرب الہی دلا سکے گا۔

سے ان کی باطنی نسبت نہیں جاچتے۔ بلکہ طالب کے وہم و گمان پر ہی اگلے سبق کا تصور دلایا جاتا ہے اور بہت ہی تھوڑے عرصہ (چار پانچ سال) میں ولایت علیا کی سند دے کر کمالاتِ نبوت کی مسند پر بٹھایا جاتا ہے۔ اور خود طالب بھی اپنی خامی کی طرف نہیں دیکھتا۔ اس لیے اس کے منہ سے اس کے فوائد سے بہت بڑھ گئے ہیں۔ بخلاف بزرگانِ سلف رحمۃ اللہ علیہم کہ سالوں بلکہ عمر میں ایک ہی مقام میں طالب کی گزار دیتے۔ لیکن مقام تبدیل نہ فرماتے۔ تاہم اس کی اس صفت میں خامی نہ رہتی۔ بلکہ نہایت مستعد طبیعتوں کے بارہ چودہ سال صرف ہو جاتے۔ پھر بھی پیشوا فرماتے "ہر آن تحفظ نسبت ضروری است"۔ (ملاحظہ ہو کتب صوفیہ صافیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین) اس سے بڑھ کر تعجب یہ ہے کہ طالب کی استعداد میں کمالات و ولایت کا تحقق بدرجہ اتم پاتے نہیں۔ اور کمالات و ولایت کا ملکہ پورا پیدا نہیں ہوتا اور اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اکل حلال نہیں اور یہ ہے اور وہ لیکن کمالاتِ نبوت جو کمالات و ولایت سے بڑھ کر لطیف ہیں، ان کا ملکہ کیونکر پیدا کیا جاتا ہے۔ حالانکہ کمالاتِ نبوت کا پہلا درجہ کمالات و ولایت ہے۔ اس درجہ کے بغیر اس درجہ پر کامیابی کیونکر ہو سکتی ہے۔ ہم نے کبھی سنا نہیں کہ انٹرنس پاس کیے بغیر کوئی بی۔ اے ہو گیا ہو۔ جبکہ پہلا درجہ دوسرے کے حصول کے لیے لازم کر دیا گیا۔ البتہ کسی دوسرے طریقہ سے معلومات میں بڑھ جانا کچھ اور معنی رکھتا ہے۔

۱۸۳ ہاں تسلیم کرتا ہوں کہ کمالات و ولایت کا ظل طالب کو حاصل کسی وقت ہو گیا اور ملکہ کی بجائے حال آیا ہو تو پھر اسی درجہ کے کمالاتِ نبوت کا فیضان بھی وہی ہوگا۔ جتنی کسی کی فنا اتم ہوگی اتنی ہی

یعنی طالب جو کچھ بیان کرتا ہے وہ اس کا اپنا خیال ہوتا ہے اور اپنا خیال اپنے متعلق مبالغہ سے خالی نہیں ہو سکتا اس لئے مرشد کامل طالب کے بیان سے اس کی حالت کا اندازہ نہ لگائے۔ بلکہ اپنے آئینہ دل میں اس کی تصویر دیکھے اور اس کو آگے چلائے۔ ولایت علیا یعنی ولایت کبریٰ کا نسبت (یعنی تعلق باللہ کی کیفیت) کی حفاظت ہر وقت ضروری ہے۔ اکل حلال۔ حلال کھانا۔ عام مسلمانوں کو ہر شے کے کھانے سے پرہیز کرنا لازم ہے لیکن اہ مولانا کا سالک تو اول درجہ کا انسان ہے اسے اپنے کھانے پینے میں نہایت احتیاط برتنی چاہیے۔ کیونکہ غذا کا اثر سارے جسم میں ہوتا ہے اور جسم کی ناجائز تربیت سے روح اپنا حقیقی جوہر کھو بیٹھتی ہے۔ جب انسان دنیا میں اپنی حقیقت کی طرف ترقی کرتا ہے تو اس پر عجائبات کا ایک باب کھل جاتا ہے قربِ خلد و محسوس کرنا ہے اور اللہ کہلاتا ہے اور اس قرب اور دوستی کی انتہا نبوت رسالت سے بلا ظل۔ سایہ، ولایت کا سایہ یہ کیفیت ذاتی نہیں ہوتی عکسی ہوتی ہے اگر اس کے ساتھ ذاتی محنت و مجاہدہ شامل ہو جائے تو یہ کیفیت قائم رہتی ہے۔ عادت۔ عادت۔ یہاں مراد مقام ہے جو کسی فضیلت و دعائی کو قائم رکھتا ہے۔ حال۔ جب کسی کیفیت و دعائی اپنی جھلک دکھا کر غائب ہو جائے تو اس کو حال کہتے ہیں۔ فنا۔ سالک کی طبیعت جو در عالم روح کے اثرات قبول کرتی جاتی ہے توں توں مادی حالات سے اس کی طبع اٹھتی جاتی ہے اور مادی اثرات طبیعت پر اثر انداز نہیں ہوتے اس کا نام فنا ہے۔

بقا بھی۔

۱۸۴ اس لیے ہر اس طریقہ پر سلوک کے حاصل کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ کتب صوفیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مطالعہ سے ہر وقت اپنا موازنہ خود کرے اور کسی کے کہنے کا اعتبار نہ کرے اور اپنے اندازہ کرنے میں نہایت احتیاط برتے۔ کیونکہ اس راہ میں بہت سے دھوکے لگ جاتے ہیں۔ یہاں کا دھوکہ ہمیشہ کے لیے وبال ہو جاتا ہے۔ میں نے جو کچھ لکھا کثیر مشاہدہ کے بعد لکھا اور جو کچھ لکھا حقانیت کے اظہار کے لیے لکھا۔ ورنہ مجال و مژدن بھی اس کا سار کو اس راہ میں نہیں۔

۱۸۵ ہمارے حضرت قبلہ اس تربیت میں درجہ کمال رکھتے تھے اور چونکہ مکاشفہ اور اشراق کمال کے مالک تھے۔ اس لیے جو کمی آپ دیکھتے اسی کی طرف اشارہ فرماتے اور نہایت صحیح معیار پر لاتے۔

۱۸۶ اس کے بھی دو طریقے تھے۔ ایک مجلس شریف میں ارشادات بلکہ تمثیلات سے۔ اور دوسرا تعلیم یافتہ گروہ کے لیے مطالعہ کتب وغیرہ سے تھا۔

۱۸۷ اب پہلے طریقے کا خاکہ عرض کرتا ہوں۔

۱۸۸ زہد سے بچنے کی ترغیب: ایک آدمی آیا۔ اور تلقین ذکر کے بعد عرض کی، کہ دعا فرماؤں کہ دنیا سے الگ ہو بیٹھوں۔ فرمایا کہ کہاں جاؤ گے۔ آخر قبر بھی تو دنیا میں ہوگی۔

۱۸۹ بناوٹ سے نفرت: ایک نے عرض کی کہ کوئی چلہ فرماویں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم توجہ کشتی کو کبھی پسند نہیں کرتے۔

بقا = فاجب مہل ہو جاتی ہے اور طبیعت عالم بالا کے تمام اثرات قبول کر لیتی ہے تو پھر احساسات میں عالم آب گل کے قیام کی حکمتیں نمودار کر دی جاتی ہیں اور اب سالک دنیا کی طرف زندہ احساسات سے دیکھتا ہے۔ لیکن پہلی زندگی اور اس دوسری بقا میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ پہلی زندگی کے احساسات حیوانی تھے اب احساسات خلافت الہیہ کے ہیں۔ سالک بشریت کے تقاضوں کے ساتھ خدا کی طرف چلتا ہے ان تقاضوں پر سیلان قوتیں آسانی سے آجاتی ہیں۔ رہنمائی کمال ہو تو غلط قوتیں کم اثر کرتی ہیں ورنہ دھوکہ لگ جانے کا اندیشہ غالب رہتا ہے۔ مکاشفہ و اشراق، ماضی عالم اور مستقبل کی کیفیات کا مرد کمال کے آئینہ دل پر عکس یز ہونا۔ اس کی بہت سی صورتیں اور بہت سی اقسام ہیں۔ زہد کے معنی ترک دنیا کے ہیں لیکن جستی ترک سے زیادہ معنوی ترک اسلامی زہد سے مقصود ہے۔ یعنی حب دنیا دل سے نکل جائے جو تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔

۱۹۰ فنائے دنیا کا نقشہ - مجھے پختہ مکانوں کا بڑا شوق تھا۔ اور اکثر خیال اسی میں ابتدا میں رہتا۔ ایک بار جو حاضر ہوا تو ایک برآمدہ کی تیاری ہوئی۔ مجلس میں فرمانے لگے کہ لقمان کو کسی نے کہا کہ کیوں گھر نہیں بنانا۔ اُس نے مٹھی بھر مٹی لے کر چلتے ہوئے پانی میں ڈال دی اور کہا کہ کیوں گھر بناؤں۔ یعنی عمر رواں پر کیوں گھر بھروسہ اور قیام ہو۔

۱۹۱ انگریزی اور بدیشی اشیاء سے نفرت : ایک بار مجھے آٹے کی مشین لگانے کا جنون سوار ہو گیا۔ حاضر ہوا تو کسی سے مخاطب ہو کر انگریزی کلوں کی بے انتہا برائی فرمائی۔ آخر فرمایا کہ ہمارے خراسوں کو بھی لوہے کی مشینوں نے بند کر دیا جو دیکھو اسی خیال میں غرق ہے۔ لیکن مجھے بالکل اپنا خیال نہ آیا۔ بلکہ سمجھتا رہا کسی غیر سے آپ مخاطب ہیں۔ لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ درحقیقت مجھے ہی خطاب تھا۔

۱۹۲ غصہ پی جانا ایمان کی نشانی ہے : ہماری خاندانی ناچاقی حد سے گذر گئی۔ اور آپ ہمیشہ صلہ رحمی کے ارشادات فرماتے۔ ایک بار مجھے بارہ دن اپنی ملازمت میں رکھا۔ کیا رہو میں دن آپ نے ایک مجلس میں یہ الفاظ بھی فرمائے۔ وَالْكَافِرِينَ الْغَائِبِينَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ بھی مومن کا ایک نشان ہے۔ گو آپ ظاہر کسی دوسرے سے مخاطب تھے۔ لیکن میں تاڑ گیا۔ روئے خطاب میں ہوں اور دل ہی دل میں کہنے لگا کہ کوئی صورت پیدا ہو تو یہ ارشاد بجالاؤں گھر آیا تو حضرت اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے ہمیشہ زادہ صاحب نے فریقین میں صلح کرا دی۔ اور آخری فیصلہ کے لیے میرے منظر تھے۔ راستہ ہی میں چچا صاحب مذکور نے مجھ سے مل کر ماجرا

۱۔ ایک جلیل القدر ہستی جو اپنی حکمتوں سے اور حکمت کی باتوں سے مشہور ہے بعض لوگ ان کو پیغمبر کہتے ہیں اور بعض لوگ ولی اللہ، یہ وہی حضرت لقمان ہیں جن کے نام سے شدان کریم کی ایک سورہ، سورہ لقمان کے نام سے موسوم ہے۔

۲۔ صلہ رحمی۔ اپنے خوئی رشتوں کو جوڑنا۔ اسلام میں اس کی بڑی تاکید ہے۔ دنیا داری کا بڑا واپس عزیزوں سے زیادہ ہونا رہتا ہے اور دنیوی منافع بہت عزیز ہوتے ہیں ان کو چھوڑنا نفس پر بہت بھاری ہے۔ اس لئے باہمی لڑائی جھگڑے اور قساد ہوتے رہتے ہیں جن سے جسم تو نقصان اٹھاتا ہے لیکن روح کو تو بہت ہی خسارہ ہوتا ہے اس لئے صلہ رحمی فرائض اخلاقی میں ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تو تعریف یوں فرمائی کہ ”جو تجھے نقصان پہنچائے تو اُسے نفع پہنچائے۔“ ۳۔ اور غصے کو پینے والے اور انسانوں سے درگزر کرنے والے۔

۴۔ مولوی غلام رسول صاحب ساکنہ، جی گلان علاقہ سکون یکسر ضلع سرگودھا جو ایک باخدا انسان تھے اور نقشبندی سلسلہ میں خاندان مرسی ندی شریف کے منسوب اور حضرت نماز محمد سراج الدین کے خلیفہ مجاز تھے اب ان کے دو صاحبزادے موجود ہیں۔ صوفی محمد حنیف صاحب جو رکارڈ موزہ شریف کے تربیت یافتہ ہیں اور صوبہ راجستھان

بیان کیا اور فرمایا کہ تمہارا انتظار تھا۔ میں نے فی الفور کہا۔ کہ مجھ سے تو اس فیصلہ پر شرفیو شریف میں ہی دستخط کر لیے گئے۔ سبحان اللہ کشف دیکھو اور اصلاح دیکھو۔

۱۹۳۰ خلاصہ سلوک - ایک صابری خاندان کے معمر آدمی صوفیانہ لباس میں جمعہ کو بعد عصر آپ سے ملے۔ آپ کی طبیعت نہایت بشاش اور چہرہ مبارک ہنس کی طرح دمک رہا تھا۔ کئی ایک سوال انہوں نے کئے لیکن وہ اتنے صاحب فراست نہ تھے۔ آخر آپ نے صابری کے یہ دو شعر نہایت ذوق شوق سے پڑھے اور فرمایا کہ یہ تو آپ کے صابری صاحب فرماتے ہیں۔

پھر ادھر ادھر کیوں پوچھتے پھرتے ہو۔ اس پر عمل کرو۔

ہو فتا ذات میں کہ تو نہ رہے تیری ہستی کی رنگ بو نہ رہے

اس قدر اُس میں ڈوب اُصابہ کہ بجز ہو کے غیر ہو نہ رہے

۱۹۴۰ اعمال صالحہ دلیل سعادت ہیں نہ مقام تولد۔ ایک دن حاضر تھا۔ کہ بھیرہ کمیٹی کے پریزیڈنٹ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اتفاقاً اس وقت حضور نیچے کی منزل میں تھے۔ آپ کی نگاہ اُن پر پڑی تو بے چارے حیران سے رہ گئے۔ اور دوزانو بیٹھنا بھول گئے۔ آپ نے دریافت فرمایا۔ کہ کہاں سے آئے۔ کہنے لگے کہ بھیرہ کمیٹی کا پریزیڈنٹ ہوں۔ آپ نے جذب اور جوش میں آکر فرمایا کہ ڈنڈ و نڈ نہیں جانتا۔ پھر تو وہ سہم گئے۔ اور اپنا بچاؤ اس میں دیکھا کہ جی میری پیدائش عرب میں ہوئی۔ آپ نے آہستہ فرمایا کہ ہاں جنت البقیع میں سے اُونٹ بھی لدے ہوئے گزرتے ہیں۔

۱۔ یہ خاندان حضرت علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے پاک ہند میں چشتی سلسلہ کے دو طرُق مشہور ہیں۔ ایک نظامی اور دوسرا صابری۔ حضرت علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ صابری سلسلے کے بانی ہیں اور آپ حضرت شیخ فرید شکر گنج علیہ الرحمۃ کے بھانجے اور خلیفہ ہیں۔ کلیئر شریف (بھارت) میں آپ کا فرار مبارک ہے جو زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

۲۔ سالک جب ذکر و فکر کے ذریعے راہ سلوک طے کرتا ہے تو کامل پیر کے اثرات اور ذکر اس کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتا ہے۔ اور احساس قرب پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اس کی ہستی اور انانیت اس نور مطلق کے قرب کی وجہ سے غیر محسوس ہو جاتی ہے۔ اس کو اصطلاح میں فنا کہتے ہیں۔

۳۔ مدینہ شریف کا قبرستان جہاں جلیل القدر صحابہ اور اہل بیت کی قبور ہیں۔ مسجد نبوی کے مشرق میں تھوڑے فاصلے پر واقع ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ مبارک قبرستان ہے۔

۱۹۵ حسن سلوک کے لیے تنبیہ: میاں رمضان نے کہا کہ جب میں اپنے بھائی سے جھگڑ کر حاضر ہوا تو فوراً جاتے ہی فرمایا کہ کنتوں کی طرح پیسیہ پر ایک بھائی دوسرے بھائی سے لڑ کر آجاتا ہے۔

۱۹۶ نسبت صدیقی کی حقیقت: ایک بزرگ حضرت مولانا عبدالرسول صاحب قصوری کے مجازوں سے آپکی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور باتوں کے بعد انہوں نے دریافت کیا کہ کے لطیفے ہیں اور ان پر کیا حالات اردہتے ہیں۔ (اس سوال سے ان کو ایک خاص غرض کسی کے حال پر متوجہ کرنے کی تھی، آپ نے ایک دو بار تو ان کو ٹال دیا۔ لیکن وہ نہ سمجھے۔ آخر آپ جوش میں آ کر فرمانے لگے۔ سارا جسم ہی لطیفوں سے پڑے ہے۔ اور ایک ایک جگہ ان کے جسم پر ہاتھ رکھتے تھے کہ یہ لطیفہ ہے یہ لطیفہ ہے، یہ ہے، یہ ہے، یہ ہے، وہ کہتے جاتے کہ جی ہاں جی ہاں۔ آخر فرمایا لطیفوں سے کیا ہوتا ہے۔ نسبت ہے تو صدیقی اور گھر ہے مال سے پُر، صدیق صاحب نے تو ایک پیسیہ بھی گھر نہ رکھا تھا۔ اس نسبت سے کیا فائدہ! اور وہ بیچارے حضرت کو بغل میں لیے ہوئے یہ ہی فرماتے جاتے تھے۔ کہ آپ تو ہمارے شیخ ہوئے۔ آپ تو ہمارے شیخ ہوئے۔ سبحان اللہ کتنی بلند بات فرما گئے، کوئی ایسا نظر آتا ہے؟

۱۹۷ حسن معاملہ کی رہبری: میرے نزدیک تو وہی اچھا ہے جو معاملات میں اچھا ہے۔

۱۹۸ دنیا کی حقیقت: فرماتے حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ۔ فرماتے۔ مہتوں والے مہیوں نے ہمارے اندر بھی بُت پیدا کر دیئے۔

۱۔ حضرت عبدالرسول رحمۃ اللہ علیہ حضرت غلام محی الدین قصوری کے صاحبزادہ ہیں اور آپؑ مادر زاد ولی اللہ تھے اور آپؑ کی قبر مبارک قصور شریف کے بڑے قبرستان میں ایک مسجد کے دامن میں ہے۔ (وفات ۲۱ محرم ۱۲۹۲ھ)

۲۔ نقشبندی مجددی سلسلہ میں بتدی کو لطائف پر ذکر کی مشق کرائی جاتی ہے اور لطائف چھ ہیں جن کے نام یہ ہیں: قلب، روح، بر، نخی، اخفی، نفس۔ بدن میں ان کے الگ الگ مقام ہیں۔ اور ہر ایک پر ذکر کے حالات اور کیفیات الگ الگ ہیں۔

۳۔ ذکر کی مشق سلسلہ مجددیہ میں لطائف پر اس لئے کرائی گئی کہ یہ مقامات ذکر کی تاثیرات قبول کرنے میں پوری طرح مستعد ہیں۔ ورنہ کامل استعداد کا سالک جب ذکر سے پوری طرح متاثر ہوتا ہے تو رُؤاں رُؤاں ذکر کرنے لگتا ہے۔ اور سارا جسم لطیفوں سے پُر نظر آتا ہے۔ مقصد تو ذکر کثیر سے ہے نہ کہ صرف لطائف کے ذکر بنانے سے اور پھر علمی اصطلاحات کی یادداشت ہی کو مقصود بنانا ٹھیک نہیں۔

۴۔ نقشبندی سلسلے کی نسبت اعلیٰ صدیق اکبرؑ سے آئی ہے اور صدیق اکبرؑ نے خدا تعالیٰ کے نام پر حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر سب کچھ قربان کر دیا۔ اس لئے صدیقی نسبت حاصل کرنے والے کو فقر پسند ہونا چاہیے۔ (بقیہ صفحہ ۷۹ پر)

۱۹۹ عوام کی خدمت کے حقوق - ایک بار حاضر ہوا۔ تو عوام کی خدمت کی ہدایت ان الفاظ میں فرمائی۔ چچا کی خدمت کرنا کوئی بڑی بات نہیں لیکن ہر بڑے آدمی کو چچا کے برابر دیکھنا اور اس کی خدمت کرنا البتہ کام ہے۔

۲۰۰ بزرگوں سے نکل اور رضا کے سبق - میرے چچا کا برتاؤ بعینہ وہی تھا جو تمہارے چچا کا ہے لیکن گذر گئے اور وہ کہاں۔

ایک دوست کی زبانی معلوم ہوا کہ جب مخلصین نے مکان کی ضرورت ظاہر کی۔ اور مدت کے بعد آن زبدۃ الکرام نے اجازت بخشی۔ تو آپ کے چچا صاحب نے لکڑی کے لیے درخت بہت کمزور عنایت کیے مگر مخلصین نے لینے سے انکار کیا۔ اور مشورہ کیا کہ اپنی گرہ سے اور لکڑیاں خرید لاتے ہیں مگر جب آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا۔ "ہیں مکان بنوانا نہیں چاہتا۔ اگر چچا صاحب کی عطیہ لکڑیوں کو نہیں چڑھاتے۔" آخر وہی لکڑیاں استعمال کی گئیں اور اب تک مکان میں ان کے نقص دکھائی دیتے ہیں۔

۲۰۱ مسلمان تن آسان نہیں ہوتا۔ جمعہ کے دن منجھے لوگ جامع مسجد میں گرمیوں سے گھبراتے تو آپ فرماتے متقدمین تو اسلام پر اپنا خون بہاتے اور اُت نہ کرتے۔ لیکن اب مسلمان سپینہ بننے سے بھی گھبراتے ہیں اور ایک گھڑی مسجد میں بہ آرام بیٹھ نہیں سکتے۔

۲۰۲ نیاز مندی اور اخلاص کا طریقہ - ایک جوان خدمت میں حاضر ہوا۔ تو آپ نے اُسے کھڑا کر دیا۔ اور اپنے چہرے سے دونوں قدموں میں فاصلہ ناپ کر فرمایا۔ کہ نماز پڑھتے وقت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۸) ۷ معاملات۔ لوگوں سے بتاؤ، میل جول اور لین دین۔ حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد کا درجہ ہے اور ایک سالک مومن کے لئے یہ دونوں پر پروا نہ ہیں۔

۷ دنیا کی محبت ہر بڑائی کی بنیاد ہے (حدیث) سلوک کا مقصد ہی یہی ہے کہ سالک اس حب دنیا کو دل سے نکال پھینکے اور اس کی بجائے حب مولا اور محبتِ آخرت کو جگہ دے۔

۷ زبدۃ الکرام - زبدہ بھٹن کو کہتے ہیں۔ کسی چیز کا پختہ، اور کرام کریم کی جمع ہے یعنی بزرگوں میں چنا ہوا اور منتخب بزرگ۔
۷ متقدمین - متقدم کی جمع ہے۔ اگلے لوگ، اسلام میں پہلے زمانوں کے بزرگانِ دین۔

دل میں کہا کرو کہ اللہ العظیم۔ میں نے اپنا منہ تو تیری طرف کیا ہے۔ اب تو میرے دل کو بھی اپنی طرف پھیر دے۔ کیونکہ وہ میرے اختیار سے باہر ہے۔

۲۰۳ توجہ خاص پر نازاں نہ ہونا چاہیے۔ اکثر فرماتے ہیں نے سنا ہے کہ خانصاحب حضرت صاحب زادہ اللہ شریف والا کو توجہ خاص فرمایا کرتے۔ لیکن میں سمجھتا نہیں۔ کہ وہ توجہ خاص کیونکر ہوتی ہے۔ وہ تو ایک ہے پھر نتیجہ کیا ہوا۔ کیا خان صاحب نے کوئی کسر اپنی طرف سے چھوڑی تھی۔ انتہی۔ واقف کار اس ملفوظ سے پورا پتہ لے سکتے ہیں۔ خانصاحب نے یہ بڑا کام کیا۔ کہ حالات مشائخ میں تمام مشکوٰۃ شریف بھردی۔ انتہی یعنی مقابلہ کر کے حالات دکھائے۔

۲۰۴ شیخ کے گلے لگانے پر نازاں نہ ہونا کوشش درکار ہے۔ اکثر مجھے مخاطب ہو کر فرماتے۔ کہ اگر میں تجھے گلے لگا لوں تو کیا ہو جاوے گا۔

ان دونوں ملفوظات کا اکثر میں مخاطب ہوتا تھا۔ کیونکہ محبت اور شفقت جواز راہ حد مجید علیہ الرحمۃ اس خاکسار پر انخسور کو تھی۔ اس وجہ سے اکثر آپ سینہ مبارک سے مجھے شرف یاب کرتے اور اس آخری پنجسالہ میں سوائے اس خاکسار سیا کال کے کسی کو توجہ خاص بھی عنایت نہ فرماتے۔ ان ملفوظات کا یہ مطلب نہیں۔ کہ کچھ فائدہ ہی نہیں رکھتے۔ بلکہ مرشد کی عنایت دیکھ کر بے پڑاہ نہ ہونا چاہیے۔ بلکہ پہلے سے بھی زیادہ سعی اور مجاہدہ اٹھانا چاہیے۔ بعینہ حضرت قبلہ جدامجد علیہ الرحمۃ اپنے ایک خاص مرید کو اپنی خاص تہنیت دے کر خط میں تحریر فرماتے ہیں۔ "تسبیح خاص عمدہ فرستادہ شود لیکن بیش از من پر چائی نیست۔"

۱۔ مولوی محمد حسن خان صاحب کو لکہ کیرت پور ضلع بجنور کے رہنے والے ہیں۔ حضرت اعلیٰ غلام نبی للہی رح کے خلیفہ مجاز ہیں اور حالات مشائخ نقشبندیہ کے مصنف ہیں۔

۲ (ترجمہ)

ایک خاص عمدہ تسبیح بھیجی جاتی ہے۔ لیکن یہ ایک دلجوئی سے زیادہ

کچھ نہیں ہے۔

۲۰۵ مشیت ایزدی کے مقابل کسی کا چارہ نہیں چلتا۔ فرمایا کوٹ بھائیجاں کے دونوں رئیس چچا بھتیجا دونوں حضرت صاحب کے ایسے مرید تھے۔ کہ راتوں غلہ بار کرنا کرنا نہ کر دیتے تھے کہ شاید پیر کے لنگر میں غلہ ختم نہ ہو۔ لیکن مسجد کے کونے پر دو نو جھگڑتے رہے۔

۲۰۶ کیا حضرت کے کمال میں کچھ گھاٹا تھا۔ یا ان کے اخلاص میں اور دینداری میں۔ کیا ہماری مرضی ہے کہ اسلام سبت ہو۔ اور فرنگیوں کی سلطنت رہے۔

۲۰۷ عبادت پر تخریبیں۔ اکثر فرماتے۔ کہ ٹٹی جھاڑے سے بھی کم لوگ خدا کی اطاعت کو جانتے ہیں۔ گرمی ہو کہ سردی۔ بھوک ہو کہ پیاس۔ صحت ہو کہ بیماری۔ درد ہو یا بے آرامی۔ سب لوگ پاخانہ پھرتے ہیں۔ لیکن نماز کے لیے معمولی بہانہ لاتے آئے۔ تو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

۲۰۸ اصل اتباع پر توجہ نہیں رہی۔ ایک بار فرمایا۔ کہ پیر کی سنت کے لیے تو لوگ انگلیوں پر پاخانہ لگاتے پھرتے ہیں کہ پیر کی سنت ہے۔ لیکن نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سنت کی پروا نہیں۔

۲۰۹ فقر و حقیقت اتباع سنت ہے۔ فرمایا کہ ہم فقیری فقوری کو نہیں جانتے۔ ہم تو صرف سنت نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جانتے ہیں۔

۲۱۰ صبغة اللہ کی ضرورت ہے اور بس ہمیں تو ایک ہی شجرہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کافی ہے اور کسی شجرہ کی ضرورت نہیں مسلمان نہیں بنتے اور فقیر بنتے ہیں۔

۲۱۱ قلبی صفائی کے حصول کا طریقہ۔ ایک روز ایک نے عرض کیا کہ صفائی حاصل نہیں ہوتی۔ فرمایا

۱۔ سردار شیر محمد خان اور سردار حاجی فتح محمد خاں مرحوم یہ دونوں صاحبان کوٹ بھائی خان نزد بیر بل شریف ضلع شاہ پور کے رئیس تھے حضرت اعلیٰ بیر بلوی کے مرید مخلص تھے۔ ۲۔ یہ نفس انسانی کی کمزوری ہے کہ بعض اوقات نہایت اذیت ناک چیز کے لیے اپنا وقت رکھ دیتا ہے۔ ۳۔ بعض مریدوں کو اپنے پیرو مشد سے والہانہ محبت ہوتی ہے جو جنون تک پہنچ جاتی ہے لیکن یہی محبت اتباع رسول اکرم پر صرف ہو تو پھر کام بن جائے۔ ۴۔ فقر کا ظاہر اتباع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے اس اتباع سے خالی فقیری مقبول نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں بزرگوں میں اپنے اپنے سلسلے کا شجرہ پڑھنا شروع ہے۔ حضرت میاں صاحب کی اپنی نسبت چونکہ بہت ہی بلند تھی اس لیے وہ براہ راست نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت جوڑنے کو بہت پسند فرماتے تھے اور اس کے لیے اتباع رسالت ہی کام دیتی ہے۔ ۵۔ یعنی اسلام کے ظاہر رسوم کو چھوڑ دینے ہیں اور باطن کی اصلاح و تزکیہ کا دعویٰ کرتے ہیں اور ایسا فقر اسلامی فقر کہلانے کا حقدار نہیں ہے۔

ہاتھ بھی ہیں۔ اور پاؤں بھی ہیں۔ آنکھ بھی ہے منہ بھی ہے۔ پھر صفائی کس طرح داخل ہو۔ انتہی کلامہ :- سچ ہے س

چشم بند و گوش بند و لب بہ بند
گر نہ بینی ستر حق بر من بخت بند

۲۱۲ یادِ الہی کا تخیل با خدا بودن افضل است۔ فرمایا: بہر کائے کہ باشی با خدا باش
آپ با خدا بودن کو صرف پسند کرتے تھے۔ کسی خاص صورت کسی خاص وضع کسی خاص حیثیت سے تعلق نہ تھا۔

رشتحات میں ہے کہ ایک بزرگ کے مریدوں میں مباحثہ تھا۔ ایک فریق نماز کو افضل از ذکر کہتا تھا۔ دوسرا فریق ذکر کو نماز سے افضل گردانتا۔ فقیر صاحب گھر سے نشر لائے اور سن کر فرمایا کہ ”با خدا بودن افضل است۔“

۲۱۳ مستورات کو تلقین پر وہ حاضر ہوا تو فرمایا ”میں ایک بار لنگے (ضلع گجرات) کے پیچھے کرنی چاہیے“ میں صوفی چیراغ دین سے ملنے کو گیا۔ ”تو انہوں نے ایک طرف چار پائی رکھ دی۔ میں نے دریافت کیا۔“ کہ یہ کیوں! انہوں نے کہا کہ ہمارے حضرت صاحب (بیربل والے) عورتوں کو وغظ سنانے کے لیے ایسا کرتے کہ وہ بھی محروم نہ رہیں“ سبحان اللہ کیا عمدہ طریقہ ہے۔

۲۱۴ آپ سے میں یہ خبر سن کر حیران تھا کہ آپ نے اس ذکر کو کیوں دہرایا لیکن گھر آیا تو احتیاط

- ۱۔ آنکھ بند کریں کان بند کریں اور منہ بند کریں۔ اور اگر (اس کرنے پر بھی) خدا کا بھید نظر نہ آئے تو پھر ہماری ہنسی اڑانا۔
- ۲۔ جس کام میں بھی تو ہو اللہ کے ساتھ ہو۔ (یعنی معیتِ الہی۔ هُوَ مَعَكُمْ اَيُّهَا كُنْتُمْ) کا مراقبہ پختہ ہو جائے۔
- ۳۔ رشتحات حضرت مولانا جامی کی کتاب ہے جو تصوف کی مشہور کتابوں میں سے ہے۔
- ۴۔ خدا کے ساتھ ہونا (هُوَ مَعَكُمْ) کا خیال پکانا بہترین وظیفہ ہے۔
- ۵۔ صوفی چیراغ دین مرحوم لنگے کھوجے ضلع گجرات کے رہنے والے تھے اور حضرت اعلیٰ بیر بلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اور حضورؐ کے حالات ان کو یاد تھے اور ذوق شوق سے بیان کرتے تھے۔

کی نیت تک پہنچا۔ ان دنوں روضہ شریف کی مجاورہ کی بھانجی آئی ہوئی تھی۔ اس نے مجھ سے رکن الدین کا سبق پڑھنا چاہا۔ جھٹ حضرت مرحوم کی احتیاط کا خیال آگیا۔

۲۱۵ مرید کو اتنی محبت پیر سے ہو کہ پیر مرید کا خوشگوار ہو جائے۔ فرمایا کہ ”یہ کوئی بڑی بات نہیں کہ آجایا کرتے ہو۔ لطف تو یہ ہے کہ خود ہمیں یہ شوق پیدا ہو جائے کہ صاحبزادہ سے گھر بیٹھے مل آئیں۔“ زان بعد فرمایا ”کہ بابا صاحب ہمارے گھر بہت آیا کرتے۔“ میری والدہ صاحبہ نے میرے والد علیہم الرحمۃ سے فرمایا کہ بابا جی کیوں زیادہ ہمارے گھر آتے ہیں۔

۲۱۶ اس پر بابا جی درحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ”کہ میں تو صرف اس لڑکے کو دیکھنے کے لیے آیا کرتا ہوں۔ سبحان اللہ مرید ہونو ایسا ہو کہ پیر گھر چل کر آوے۔“

۲۱۷ وسواس کی نگہداشت۔ اکثر اپنے مخلصین کو فرماتے ”تیرا سینہ تیرے پاس ہے۔ پھر کیا ضرورت۔ یعنی جو کچھ نہ ماننا تھا فرما دیا۔ اب سینہ میں صفائی پیدا کرو۔ قوت روحانی پیدا کرو، تمام سلوک کی جڑ یہی سینہ ہے جو سینہ کو قابو کرے، وہ سمجھے کہ اب میں راہ راست پر چل رہا ہوں۔“

۲۱۸ وسواس کا علاج سورۃ ناس کا خاصہ۔ ایک بار ابتداءً مجھے بہت خیالات نے تنگ کر رکھا تھا۔ جہاں میں بیٹھتا خیالات اور وسواس سے تنگ رہتا۔ حاضر ہوا تو فرمایا۔ ”سورۃ قل اعوذ برب الناس کس مرض کی دوا ہے۔“ زان بعد جب مجھے خیال آتے تو میں یہ ہی پڑھنا شروع کرتا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضور کے ارشاد کی برکت اور سورۃ ناس کی نصیحت

علا رکن الدین فارسی زبان میں فقہ کی ایک کتاب ہے۔

علا محبت دونوں طرف سے ہوا کرتی ہے۔ محبوب کی محبت ہی محبت کو قائم رکھتی ہے۔ مرید کی محبت ایسی ادا میں رکھتی ہو کہ پیر اپنے مرید کو دیکھنے کے لیے بیتاب ہو۔

۳ حضرت بابا امیر الدین جو حضرت شرفی کے پیر مرشد تھے آپ کی بیعت حضرت قطب العالم امام علی شاہ صاحب سے تھی آپ کا فرما مبارک کو طہ شریف ضلع شیخوپورہ میں ہے۔
۴ روح اور جسم متضاد چیزیں آکھی ہیں جسم کے ذریعے جو قوت زندگی بحال رکھنے کے لیے غذاؤں و دواؤں سے پیدا کی جاتی ہے وہ جسمانی قوت ہے۔ اور روح کی قوت عبادات، ذکر، فکر، کسوٹی اور روحانیت کے لئے کی جانے والی ہر نیکی سے پیدا ہوتی ہے پھر وہ بڑھتی ہے یہاں تک کہ جسمانی قوتیں روحانی طاقت سے مغلوب ہو جاتی ہیں۔
۵ وسواس ناقص خیالات کو کہتے ہیں اور ابتداءً ہی چیز روحانی ترقی کے راستے میں روکاؤں ہے اس کا افسری علاج خدا کی طرف دھیان لگانا ہے اور اس کی امداد پر بھروسہ کرنا ہے اور چونکہ سورۃ الناس میں ہی امداد اللہ تعالیٰ سے طلب کی گئی ہے اور خصوصاً وسواس شیطانی کے مقابلے میں۔ اس لئے یہ سورۃ اس مقصد کے لئے افسری ہے۔

سے کچھ مدت کے بعد بالکل بند ہو گئے۔ الحمد للہ علی ذلک۔

با خدا بودن ضروری ہے۔ جب ابتداً مجھے ذکر کے لیے تاکید تھی۔ ہر وقت ذکر میں مشغول رہتا۔ خواہ تصور ذات بابرکات کا ہونا یا نہ ہونا۔ آپ نے فرمایا: صرف اللہ اللہ کرنے سے کیا فائدہ؟ انتہی۔ میں نے بہت سے طالب ایسے دیکھے کہ عمر بھر ذکر میں گذر گئی۔ لیکن اس سے آگے نہ بڑھے اور کچھ فائدہ بھی نہ ہوا۔ کیونکہ حقیقتاً الحقائق کا تخیل نہیں کرتے اور طوطے کی طرح صرف الفاظ کی قید میں رٹ لگاتے رہتے ہیں۔

۲۲۰۔ زان بعد آپ نے مواہب الرحمن کے مقدمے سے وہ جگہ دکھائی کہ جس میں لکھا تھا کہ اللہ کے لفظ کے حروف نہایت بابرکت ہیں۔ اور اس کے بے شمار برکات ہیں۔ لیکن خود ذات بابرکات (مسمی) کے بغیر اسم کا کیا فائدہ۔ اور اس کے مقابلہ میں اس کی کیا حقیقت؟

آسمان نسبت بعرش آمد و در نہ بس عالی است پیش خاک تو

۲۲۱ نفی در حقیقت توحید اثباتی ہے۔ ایک بار حضرت قبلہ مرشد مرحمۃ اللہ علیہ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ”کلمہ شریف کی نفی در حقیقت اثبات الا اللہ کی جڑ ہے۔ اس لیے نفی کے بعد وقفہ کچھ برا نہیں۔ کیونکہ اس نفی کے اندر توحید ہے۔ بلکہ پہلے توحید کی روح آئی۔ تو اس کے بعد نفی کے وجود نے قدم رکھا۔ ورنہ اس نفی کی ضرورت کہاں تھی۔ اس لیے بعض بزرگوں نے جو یہ تاکید فرمائی کہ نفی کو اثبات کے ساتھ پڑھا جائے۔ تاکہ وقت مرگ نفی پر دم نہ نکلے۔ اس کی چنداں اصلیت قرار نہیں دی جاسکتی۔ بلکہ یہ نفی اور اثبات دونوں برابر سبحان اللہ! کتنا لطیف اور باریک سکہ کس آسانی سے بیان فرمایا۔

۱ ذکر ابتدا ہے فکر کی۔ اور فکر بلند ذکر کی کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔ ذات الہی کا تصور فروریات فقر میں سے ہے کسی ذکر کو اگر یہ کیفیت پیدا نہ ہو تو فقر کی بلندیوں پر وہ نہیں جاسکتا۔

۲ تمام حقیقتوں کی اصل حقیقت یعنی ذات خداوندی۔

۳ مواہب الرحمن، تفسیر قرآن کریم ہے۔ چونکہ صوفیاء مشرب کی تفسیر ہے اس لئے حضرت میاں صاحب سے پسند فرماتے تھے۔

۴ آسمان عرش معلیٰ کے مقابلے میں اگرچہ پست ہے۔ لیکن ایک بلند ٹیلے کے مقابلے میں وہ بہت ہی بلند ہے۔

۵ علماء میں اختلاف ہے کہ لا الہ کے بعد الا اللہ بہت تیزی سے بلا وقفہ ملانا ضروری ہے کہ نہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ بالفرض اگر لا الہ پر بغیر الا اللہ کے دم نکل گیا تو یہ خطرہ ہے کہ نفی پر خاتمہ ہو حضرت اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مسئلے کو واضح فرمایا ہے

تربیت ذہنی کتابی

۲۲۲ دوسری شق کا خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔ اکثر اجاب۔ زائرین، مخلصین لکھے پڑھے لوگ ہوتے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت قبلہ روحی فراہ کو عقل کل اور اشراق کامل دیا تھا۔ اس لیے جہاں کہیں کمی دیکھتے یا طالب کو جس کی ضرورت ہوتی۔ وہی اس کے پیش کرتے۔ کتب تصوف، تفاسیر اور احادیث کا انبار ہر وقت سامنے لگا رہتا اور تمام کتب میں نشان رکھے تھے۔ اور علامات صفحہ پر موجود ہوتیں۔ اپنے دستِ خاص سے کتاب کو کھولتے اور فرماتے کہ یہاں سے پڑھو بلکہ اگر کوئی خواندہ بزور پڑھتا۔ کہ آپ کے کان میں آواز پہنچے۔ تو گاہ بگاہ آپ فرما دیتے۔ کہ ”مجھے تو معلوم ہے۔ مجھے تو پتہ ہے آپ پڑھتے جائیں۔“ کبھی کبھی کسی اپنے حاشیہ نشین خادم سے سٹولتے۔ اور ایک نشان کے بعد دوسرا نشان، پھر تیسرا۔ غرض ایک گھڑی میں وہ تمام سامان مہیا فرما دیتے۔ جس کی طالب کو ضرورت تھی۔ اور جس کی تلاش کے لیے اسے بہت سا وقت اور بہت سی محنت درکار ہوتی۔

۲۲۳ علماء کی جماعت کی راہبری اکثر اسی طریقہ سے فرماتے۔ اور میری حاضری کے ایام میں اکثر دیکھا گیا۔ کہ پانچ چھ مولوی صاحبان اکثر روزانہ اکٹھے ہو جاتے۔ اور اس گروہ سے نہایت اخلاص مندی اور جان نثاری فرماتے۔ بلکہ کئی بار اس خاکسار نے دیکھا کہ گھنٹوں مغز ماری کے

۱۔ میری روح ان پر متربان ہو۔

۲۔ عقل کل۔ مراد طریقت اور شریعت کے تمام جزئی اور کلی امور کو پوری طرح سمجھنے والا۔

۳۔ اشراق۔ ذکر الہی سے اور تعلق باللہ سے جب سینہ روشن ہو جائے تو ماضی، حال اور مستقبل کے حالات سینے کے آئینہ میں منکس ہوتے ہیں اور حقائق اشیاء کھل کر سامنے آتے ہیں یہی اشراق ہے۔ اس کے لفظی معنی ہیں کسی چیز کو چکانا۔

بعد جب آپ مایوس ہو جاتے۔ تو آپ فرماتے ”میں نے تو مولوی صاحب سے بہت کوشش کی۔ لیکن کارگر نہ ہوئی۔“ گو وہ رونے کے قریب ہو گئے۔ لیکن روئے تو نہیں۔“ گاہے مولوی صاحبان کا کتاب کے ساتھ سلوک ناروا دیکھ کر تخلیہ میں فرماتے کہ افسوس۔ کتاب کا ادب تک نہیں کرتے، حالانکہ ان کا اثاثہ یہی ہے۔ مگر جب آرام پا کر طبیعت درست ہو جاتی پھر مولوی صاحبان کو وقت دیا جاتا۔ حالانکہ عموماً سے ایک دو لفظ سے زیادہ ان آخری سالوں میں نہ فرماتے۔ اور وہ اسی میں دم بخود ہو جاتے۔

۲۲۴ اکثر اعتدال پسند طبیعتیں درست ہو کر نکلتیں۔ حالانکہ نصف کے برابر ایسے عالم ہوتے۔ جو حنفی مذہب کو درست نہ جانتے۔ یا جانتے تو اپنے مذہب کو ترجیح دیتے۔ اور بعض اکثر طبیعتیں لاجواب ہو کر خاموش رہ جاتیں۔ ایک بار لاہور کے ایک بڑے فاضل اور ایک بڑے کالج کے پروفیسر سے آپ نے کچھ بیان فرمایا۔ تو انہوں نے کہا کہ آپ تو حال بیان فرما رہے ہیں ہم صاحب قال، حال کو کیا جانیں۔ آپ کو جوش آگیا اور فرمایا کہ مولوی صاحب یہ قرآن تمام قال ہی قال ہے، اس پر وہ ایسے دم بخود ہوئے۔ کہ پھر نہ بولے۔ آپ کسی سے تکرار نہ فرماتے۔ نہ الجھتے بلکہ بطائف الجہل سمجھاتے۔ اکثر عادت مبارک تھی۔ کہ استفسار نہ لب و لہجہ ہوتا۔ اور استقرانی طریقہ سے چلتے۔ اور باطنی توجہ سے زیادہ کام لیتے۔ چنانچہ باتوں باتوں میں بڑے بڑے مسائل حل ہو جاتے۔ ایک بار فرمایا کہ آمَنَّا شَرِيفًا إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا کے بعد آیتہ شریفہ۔ إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ

یا علم ظاہر انکشافات علمی کے ساتھ ساتھ تجربہ بھی پیدا کر دیتا ہے اور اس مرض کا ازالہ بہت مشکل ہے اور یہی کبر کے مقام پر پہنچ کر حجاب بن جاتا ہے اسی واسطے فرمایا گیا کہ العلم جبال کبر علم ایک بہت بڑا حجاب ہے جب پرہ موجود ہے تو تاثیر کیسے ہو۔ رقت قلبی و عانی اصلاح کا نشان ہے۔ جب تک اس کی سختی موجود ہے تب تک گریہ زاری نہیں ہوتی اور حضرت علیؑ فرماتے کہ کمالات میں یہ چیز سرفہرست تھی کہ آپ کی ادنیٰ توجہ سے رقت قلبی پیدا ہو جاتی تھی۔ فیض کے حصول کا دار مد طبیعت سالک پر ہے۔ تشدد عالم کے لئے راستہ بڑا دشوار ہے اور نرم طبیعت اعتدال پسند کی مشکلات سلوک جلدی حل ہو جاتی ہیں۔ مگر تشدد قسم کے علما ہر طبقے میں موجود ہیں۔ بعض اہل حدیث کا تشدد علمی اتنا بڑھا ہوا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ پر کڑی نقطہ چینی کر گزرتے ہیں۔ مولوی نجم الدین صاحب مرحوم پرنسپل کالج لاہور نے حال کیفیت کو حال کہتے ہیں۔ فقر و تصوف میں حال وہ کیفیت ہے جو سلوک الی اللہ کے راستے میں سالک اپنے احساس میں کوئی عجیب تبدیلی محسوس کرے یہ بند کیفیت ہوتی رہتی ہے کبھی بند کبھی پست لیکن کیف کا ذوق اور احساس ہر حال میں موجود رہتا ہے۔ حال کے حافی صوفیائے کرام ہوتے ہیں۔ قال۔ بات (قول) کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں علم ظاہر اور اس کا بیان اور اظہار اصحاب قال علم ظاہر کو کہتے ہیں، صرف علم دل کے کیفیات روحی کو کہتے ہیں۔ عمدہ طریقے سے سوال کا جواب خود مسؤل اپنے سابقہ تجربات سے ہے۔ مذابحہ شکر تالی اور اس کے فرشتے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے ہیں۔

اللہ ورسولہ اعتصموا باللہ فی الذنبا والاکھوتہ۔ فاعذ اللہ عذابا قہیما۔

کیوں کہ اس کا تعلق خاص در بدر شریف کے ماضی کے حق میں ہے جو اپنی طرح اس کو
بیشک کہ خطاب مذاہبہ بجا کر کے ہیں۔

ایک بار ہندو حاضر ہوا۔ تو آپ نے کشتِ الجروب سے کئی مقامات دکھائے۔ اس میں
سے ایک یہ تھا کہ ذوق حاصل نہ ہو۔ تو یہ اپنے مشاغل جاری رکھے۔ اور کہ اس وقت تک ایک
ایسا گروہ ہے۔ کہ وہ ذوق و شوق کا دعویٰ گریہ کرے کہ غفلت خدا کی گواہی کا باعث ہوا
ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

۱۲۱ ایک بار حاضر ہوا تو صاحبِ القلمی کا مقدمہ دکھایا۔ کہ ستمی کی کئی ذات تصور میں سے
اور یہاں تک اللہ تعالیٰ انکی اولاد اور اولاد اللہ تعالیٰ اولیا بقسطہ اولیا کرے
کی تفسیر شریف دکھائی۔ سبحان شرا جو بات اس مظلوم سے کہیں۔ یہ کبھی نہ کھلی تھی۔ حالانکہ
موت اور زمانہ جنگ میں یہ آیت شریف پانچ چھ سال میرے زیرِ نظر رہی۔

۱۲۲ انجیم ہوا نامولوی فخر القریب صاحب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے قہر کے
بیت سے اشارہ پڑھے۔ نہ اس بجز نہ دیا۔ کہ مصلوہ افغان سکھوں کیلئے آپ کے فائدہ میں ہے
انہوں نے عرض کی کہ میں نے آج تک کسی کتاب میں نہیں دیکھی۔ اور نہ ہی طریقہ معلوم ہے۔
اور نہ ہی کسی سے سنا ہے کہ جو آپ نے صاحبِ القلمی سے نقل کیا ہے۔ **اللہ
فأقبحونی یحییٰ کون اللہ** کی تفسیر کا نشان دکھا کر فرمایا کہ اس کو خوب مطالعہ کر لینا۔

تفسیر شریف میں ہے کہ یہ آیت مصلوہ افغان سکھوں کیلئے ہے۔ اور یہ آیت شریف پانچ چھ سال میرے زیرِ نظر رہی۔
موت اور زمانہ جنگ میں یہ آیت شریف پانچ چھ سال میرے زیرِ نظر رہی۔
موت اور زمانہ جنگ میں یہ آیت شریف پانچ چھ سال میرے زیرِ نظر رہی۔
موت اور زمانہ جنگ میں یہ آیت شریف پانچ چھ سال میرے زیرِ نظر رہی۔
موت اور زمانہ جنگ میں یہ آیت شریف پانچ چھ سال میرے زیرِ نظر رہی۔
موت اور زمانہ جنگ میں یہ آیت شریف پانچ چھ سال میرے زیرِ نظر رہی۔
موت اور زمانہ جنگ میں یہ آیت شریف پانچ چھ سال میرے زیرِ نظر رہی۔
موت اور زمانہ جنگ میں یہ آیت شریف پانچ چھ سال میرے زیرِ نظر رہی۔

برادر عزیز فرماتے ہیں کہ ایک نشان وقت کی تنگی سے سرسری دیکھا۔ اور کتاب واپس کر دی
 مٹھوڑی دیر کے بعد ایک خادم پھر کتاب لایا۔ اور اس سرسری دیکھے ہوئے نشان کا ورق پکڑ کر
 کہہ کہ میاں صاحب فرماتے ہیں کہ اس جگہ کو غور سے دیکھ لیویں نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ
 پھر میں نے غور سے دیکھا تو واقعی اتنا ہی غور طلب تھا۔ جتنا آپ نے فرمایا۔ نماز معکوسی کا پتہ
 بعد میں مقامات احمدیہ کی اس عبارت سے لگا: "بابا فرید قدس سرہ ہشت سال صلوات معکوسی
 سرزیر و پابالادرچاہ آویزیدہ میگردند و تمام شب بزدکر و فکر بسرے بردند وقت صبح حناوم
 میکشید گویا آپ کا مقصود تھا۔ کہ بابا صاحب نے کیوں یہ خلاف سنت عمل کیا۔ سبحان اللہ!
 کس ادا سے سمجھا گئے۔ کہ برا معلوم بھی نہ ہو اور حقیقت کھل بھی جائے۔ اور کسی پر طعن تشنیع بھی
 نہ ہو یہ تھا طریقہ تعلیم آپ کا، کہ اشاروں میں مشکلات حل فرمادیتے۔ اور یہ تھا کشف۔ کہ اسی
 وقت کتاب دوبارہ روانہ کی اور وہی ورق کہا جو رہ گیا تھا۔

۲۲۸ برادر عزیز فرماتے ہیں کہ مرآة المحققین عنایت فرما کر آخری تین ورق پکڑ کر فرمایا۔ کہ ضروری
 بس یہی ہیں۔"

۲۲۹ چنانچہ اگر غور کیا جائے تو تمام تصوف کا پچوڑ بس وہی ورق ہیں اور بس۔ باقی سب اس
 کی تفصیل ہے۔

۲۳۰ انگریزی دان اصحاب کو اکثر مولانا غلام قادر صاحب مرحوم بھیروی کے سلسلہ اسلام کی
 کتب کے مطالعہ کے لیے فرماتے۔ کیونکہ ان لوگوں کے عقائد خراب ہوتے ہیں۔ اکثر قرآن مجید کے

- | | |
|---|--|
| ۱ | حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات اور مناقب اور خواجہ محمد مصنوم رحمۃ اللہ علیہ کے حالات و مناقب میں لکھی گئی۔ |
| ۲ | بابا فرید اللہ تعالیٰ ان کے بھید کو پاک فرمادے۔ پاکپن شریف میں مزار حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکڑ کے مرید، اور ریاضات میں اپنی مثال آپ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی اور خواجہ علی احمد صابری کے پیرو مشد تھے۔ (وفات ۵ محرم ۸۱۷ھ) |
| ۳ | آٹھ سال تک صلوات معکوسی، سر نیچے اور پاؤں اوپر کر کے اور کنوئیں میں لٹک کر ادا فرماتے تھے۔ |
| ۴ | مرآة المحققین۔ حضرت قیوم عالم خواجہ امام علی شاہ صاحب۔ پنے پیرو مشد حضرت قطب عالم شاہ حسین مجددی والی سرکار کے حالات میں لکھی۔ |
| ۵ | مولانا غلام قادر صاحب چشتی سلسلے کے بزرگ تھے۔ علم ظاہر اور تربیت باطن کا ایک خوبصورت مجتہد تھے۔ آپ کے بہت سے مرید ہیں۔ بہت کتا ہیں لکھیں۔ مسجد بیگم شاہی لاہور میں ہمیشہ قیام رہا اور یہیں آپ کی آخری آرام گاہ ہے۔ |

آخری پاروں کا ترجمہ یا کسی خاص تفسیر کا نام لے کر بھی ارشاد فرماتے۔ تفسیر مراد یہ کا آخری پارہ صرف اسی غرض سے چھپوایا تھا۔ لیکن افسوس کہ آپ کے وصال کے بعد طبع ہو کر آیا۔ اور سجادہ نشین صاحب نے حبیب اللہ اپنے آقا کی مرضی کے مطابق مفت تقسیم فرمایا۔ سیرت نبوی پر زیادہ توجہ تھی۔ اور مختلف اصحاب کو مختلف کتب سیرت، ارشاد فرماتے اور پہلے خود کتاب بھی اکثر دکھاتے۔

۲۳۱ مخلصین جاوہ سلوک میں قدم استقامت دکھاتے۔ اور اپنے حال کو درست کر لیتے اور پابند مشاغل ہونے لگتے تو حسب طبیعت اور حسب مذاق کتب تصوف کے مطالعہ کا ارشاد فرماتے مثلاً ایک صاحب ذوق و شوق کے لیے مثنوی مولانا روم وغیرہ عاشقانہ انتخاب فرماتے! اور صاحب سلوک اور استدلالی طبیعت کے لیے کشف المحجوب، مکتوبات حضرت نقشبندیہ یا حالات وغیرہ کی کوئی ایک کتاب تجویز فرماتے جس سے طالب کی طبیعت دن بدن زیادہ موزوں اور صاحب حال و قال ہوتی جاتی۔

۲۳۲ ہاں گاہے گاہے ترتیب الٹ بھی دیتے تھے۔ مثلاً جب دیکھتے کہ آتش جذبہ زیادہ ہو گئی ہے۔ تو اسے سرد کرنے کے لیے استدلالی اور تحقیقی کتب تجویز فرماتے۔ اور محقق اور صاحب تحقیق و فلسفہ کے لیے عاشقانہ کتب انتخاب فرماتے۔ کہ مطالعہ سے جذبہ کی آگ بھڑک کر فلسفہ کی دھجیاں اڑا دے۔ اور تن میں عشق میں جل جائے۔ سبحان اللہ! کتنے صاحب نظر بلند تھے۔ آج کوئی پروفیسر بھی نفسیات کے اس نظریہ پر عمل آرا نظر نہیں آتا ہے۔

۲۳۳ چونکہ اس روسیہ باہر دار کو ہمیشہ سے استدلال عقل اور فلسفہ سے واسطہ رہا۔ اور

۱۔ تفسیر مراد یہ۔ حضرت مراد اللہ انصاری منہجی قادری نقشبندی کی تفسیر ہے۔ حضرت اعلیٰ شرفپوری نے آخری پارہ کا یہ حصہ اپنے خرچ سے طبع کرایا۔

۲۔ لیکن حضور کے وصال کے بعد طبع سے آیا حضرت ثانی صاحب نے اجاب میں تقسیم کیا۔

۳۔ حبیب اللہ۔ محض اللہ کے واسطے۔

۴۔ جاوہ سلوک۔ اللہ کی طرف چلنے کا راستہ۔

۵۔ استدلالی طبیعت۔ وہ طبیعت جو دلائل اور تمثیلات سے متاثر ہو۔

۶۔ مکتوبات و حالات مشائخ نقشبند۔ ان دونوں مضامین پر کئی کتابیں موجود ہیں۔

طبیعت کا میدان بھی اسی طرف تھا اس لیے میری تربیت ذہنی اس طرح فرمائی۔

۲۳۴-۱- شرفیابی پر حضور قبلہ نے حکایات الصالحین اور مرآة المحققین عنایت فرمائیں۔ اور فرمایا کہ تفسیریں تو بہت دیکھی ہونگی، لیکن تفسیر حسینی کا مطالعہ کر لینا۔ چونکہ طبیعت سہل پسند نہیں اس لیے تفسیر حسینی کا مطالعہ زیادہ دیر تک چل سکا۔ اور حضور کا مطلب بھی میں تار گیا کہ اصل غایت صرف ان نکات سلوک کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے جس کو صاحب حسینی (ملا علی کاشفی صاحب) بعض مقامات پر عین تفسیر میں بطور معارف بیان کرتے ہیں۔ لیکن اس گنہگار کا بد مذاق اتنا بڑھا ہوا ہے کہ سوائے ابارا افکار کے کچھ پسند نہیں آتا اور یہی وجہ ہوئی۔ کہ تفسیر کے مطالعہ کو بھی طبیعت نے پسند نہ کیا۔

۲۳۵ حکایات الصالحین جذبہ محبت کو بڑھانے کے لیے عنایت کی ہوئی تھی۔ لیکن اس کے مترجم کو خدا غریق رحمت فرماوے کہ ترجمہ صاف اور سلجھا ہوا نہیں۔ اور نہ وہ روحانیت تھی۔ جو اصل کتاب میں ہوئی۔ اس لیے چند حکایات کے سوا میں نے اس سے بھی کوئی فائدہ نہ اٹھایا اور یہی وقت کشف المحجوب کے ترجمہ میں بھی پیش آئی۔ لیکن اصل مل جانے سے میری طبیعت خوب بیٹھی۔ بیان صاف اور روحانیت و محبت سے پر ہے۔

۲۳۶ ابنت مرآة المحققین سے میں نے خوب فائدہ اٹھایا اور اس کا مطالعہ کئی بار کیا ہر بار نیا لطف اس کے دیکھنے سے حاصل ہوا۔ اور طبیعت میں خوب بیٹھی۔

۲۳۷-۲ شرف سعادت کے دوسرے سال مکتوبات حضرت جد امجد رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد فرمایا۔ جن کے مطالعہ نے مجھ میں اعراض ماسوا پیدا کر دیا۔ کیونکہ حضرت مرحوم کے تمام مکتوبات میں

۱ حکایات الصالحین۔ اردو ترجمہ ہے ریاض الصالحین۔ مصنف امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ۔

۲ تفسیر حسینی۔ ملا علی کاشفی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تفسیر فارسی زبان میں ہے۔

۳ نکات جمع۔ لطیف اور باریک علمی بات۔ ایک نقطہ ہے جس کی جمع نقاط ہے یہی نقطہ ہے کہ جب دو خطوط ایک دوسرے کو کاٹیں تو تقاطع کے مقام پر پیدا ہوا ہے

۴ ابارا۔ بکر کی جمع معنی "ان چھوٹے"۔ افکار۔ فکر کی جمع (ابکار) افکار نئے اور عجیب و غریب فکر۔

۵ حضرت امیر غلام مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات متاخرین اولیاء اللہ کے مکتوبات میں نہایت بلند درجہ کے ہیں۔ بعض تو انوار منقوی حضور کے حالات میں ایک نہایت عمدہ کتاب مولوی حکیم عبدالرسول صاحب ساکن بکھر بار نے لکھی (میں طبع شدہ ہیں اور اکثر غیر مطبوعہ ہیں۔

۶ اعراض ماسوا۔ اصطلاح تصوف میں یہ ماسوا اللہ کا مخف ہے یعنی جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کے سوا ہے۔ اعراض۔ رد گردانی اور بے توجہی کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ بھی ہے اس سے منہ موڑنا۔

یہی رنگ زیادہ ہے۔ اور متاخرین میں میں نے کسی ایک بزرگ کے مکتوبات بھی اس درجہ کے نہ پائے۔ جن کی عبارت نہایت دلچسپ اور معانی اور حقیقت سے پُر ہو۔

۲۳۸ (۳) تیسرے سال کشف المحجوب کے مطالعہ کا ارشاد ہوا۔ جس سے وہ مجہول کیفیات بے نقاب ہوئیں۔ جو وقتاً فوقتاً وارد حال ہوتی تھیں جن کی صحت اور غلط ہونے میں تردد تھا۔ اور جن کی تمیز ضروری تھی۔ اس کے علاوہ اصطلاحات صوفیہ کرام رحمہم اللہ اجمعین سے بھی واقف ہو گیا۔ اور اپنی کمیوں اور خامیوں کا صحیح اندازہ ہو گیا۔

۲۳۹ (۴) چوتھے سال بعض علمی اور حالی نسبتوں میں تردد پیدا ہو گیا۔ چنانچہ میں نے امام مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کا مطالعہ شروع کیا لیکن ساتھ ہی ایک غیر حرف شناس آدمی اپنے علاقہ کا جب حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو فرمایا کہ ان سے جا کر کہنا کہ مکتوبات کا مطالعہ کرو۔ اور اسم ذات پر بہت زیادہ توجہ کرو۔ اس سال کے اخیر میں جب خود حاضر ہوا تو حاجی عبدالرحمن صاحب کے ذریعہ ارشاد کیا کہ معارج النبوت اور مدارج النبوت کا مطالعہ کرنا ضروری ہے انتہی، چنانچہ میں نے ان کی جگہ مواہب لدنیہ کا مطالعہ شروع کیا۔ کیونکہ حضور کا مقصد سیرت نبوی سے واقف کرنا تھا۔ اور یہ کمی مجھ میں بہت نمایاں تھی۔ گو کہ صوفیائے کرام کے حالات سے واقف، اور ان کی تصنیفات سے غلطی و افترا اٹھا چکا تھا۔ لیکن خود منبع نبوت سے بلا واسطہ اسوۂ حسنہ کی سیرابی ضروری تھی۔ اور یہی کمی اکثر آج کل پائی جاتی ہے کہ اصل چشمہ نبوت علیہ التمجید والسلام کی طرف صوفیائے عظام کی توجہ کم ہے۔ اور ہر فعل کو پیر کی سنت خیال کر کے عمل میں لایا جاتا ہے لیکن اگر وہی فعل براہ راست سنت نبوی علیہ التمجید والسلام کی طرف منسوب کیا جائے

۱۔ مجہول کیفیات: وہ کیفیات جو واضح طور پر وارد نہ ہوں۔ اور سالک کو ان کے بارے میں تردد ہے۔

۲۔ مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ میں ہیں اور اصل فارسی زبان میں ہیں اور وہیں ترجمہ ہو چکا ہے۔ مولانا نور احمد صاحب امرتسری نے ترجمہ کیا تھا اور وہ طبع شدہ ہے اب دوبارہ منضاح ہوا ہے۔

۳۔ اسم ذات: اللہ تعالیٰ کے نافرمان نام ہیں باقی تمام اسمائے کرامی صفاتی ہیں صرف اللہ ذاتی نام ہے۔ اور نقشبندی سلسلے میں ہی اسم مبارک ابتدا اور انتہا میں مرکز توجہ ہے۔

۴۔ معارج النبوت: حضور پروردگار عالم کی سیرت پر نہایت مسودہ کتاب ہے۔ فارسی زبان میں ہے ہر قسم کے تاریخی مباحث اس میں جو ہیں علامہ کاظمی کی تصنیف ہے۔

۵۔ مدارج النبوت: حضور نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کی نہایت جامع کتاب ہے فارسی زبان میں ہے۔ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی تصنیف ہے۔

۶۔ مواہب لدنیہ: سیرت سید ولد آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نہایت مسودہ کتاب عربی زبان میں ہے شیخ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔

۷۔ اسوۂ حسنہ: یقرآنی مہطلاح ہے (بہترین نمونہ) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہر لحاظ سے بہترین نمونہ ہے۔

مُسَوَّب کیا جائے تو اس کی اہمیت خدائے جل و علا کے نزدیک اور خلق اللہ کے نزدیک کتنی بڑھ جاتی ہے۔ اسکی قربت میں کتنا بڑا بلند درجہ اور ثواب ملتا ہے۔ اور محبت و عشق کی شان کتنی بلند ہوتی جاتی ہے۔ گو ابتدا میں پیری پیر حاصل کر کے فنا فی الشیخ کا لقب ملتا ہے لیکن کون اس حقیقت سے منکر ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد دوسرا درجہ فنا فی الرسول کا ہے اور یہی صوفیا کا آخری معیار ہے۔ مولانا مرحوم شوہاوی نے کیا اچھا کہا۔ ع "بقا باللہ فانی فی البنی ہے۔"

فنا فی الرسول کے بعد بقا باللہ کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ اور اسی کی طرف قرآن پاک میں اشارہ ہے۔
قُلْ اِنَّ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاَتَّبِعُوْنِيْ يُحِبِّكُمْ اللّٰهُ۔

۲۴۰ فنا و بقا کی کئی تعریفات کی گئی ہیں۔ لیکن شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔
"کہ فانی سے فنا ہونا فنا ہے۔ اور باقی سے باقی رہنا بقا ہے۔" لیکن میں عرض کرتا ہوں۔ کہ صفات ذاتی کو صفات نبوت علیہ التحیۃ و السلام میں فنا کر دینا فنا ہے۔ اور اپنی ذات کو ذات حق جل و علا میں فنا کرنا اور (قائم کرنا) بقا ہے اور فنا مقدم ہے بقا سے۔ جیسا کہ علت مقدم ہے معلول سے۔

۲۴۱ یہاں پر یہ کہہ دینا بے جا نہ ہوگا کہ جب تک حالی کیفیت کا قدم آگے نہ بڑھے تب تک علمی مطالعہ کی طرف احتیاج نہیں بلکہ حالی کیفیات کے نشانات دیکھنے اور رکھونج نکالنے کے لیے علمی مطالعہ اور انکشاف کی ضرورت ہے نہ یہ کہ اس راہ میں علمی مطالعہ یا انکشاف بالذات کوئی حقیقت رکھتا ہے۔ شاہ کلیم اللہ صاحب جہان آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ع۱ فنا فی الشیخ۔ کامل پیر کے اثر سے اُنہیں کمی آجاتی ہے اور اس اثر اور ذکر و فکر سے انوار غلبہ کرتے جلتے ہیں یہاں تک کہ انہیں ختم ہو جاتی ہے اور پیر کا اثر اتنا غالب ہو جاتا ہے کہ تمام تاثیرات سالک کے اندر اپنے پیر کی جلوہ گر ہوتی ہیں۔ اس کو فنا فی الشیخ کہتے ہیں۔ ع۲ فنا فی الرسول، فنا فی الشیخ کے بعد طبیعت ترقی کرتی ہے اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی تاثیرات سالک پر جلوہ ریز ہوتی ہیں اور پھر اس کی موجودہ کیفیات حضور کی تاثیرات میں گم ہو جاتی ہیں اس کو فنا فی الرسول کہتے ہیں۔ ع۳ مولانا محبوب عالم شوہاوی رحمۃ اللہ علیہ سو داوہ تحصیل پھالیہ ضلع گجرات کے رہنے والے تھے علم ظاہر اور حقیقت باطن اپنے پیر مرشد حضرت اعلیٰ بیر بلوچی سے حاصل کی، طبیعت میں بیحد سوز تھا اور اپنے پیر مرشد سے عشق تھا، نظم و نثر میں کئی کتابیں لکھیں اپنے پیر مرشد کی حیات میں ہی انتقال کیا ع۴ بقا باللہ۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ باقی ہونا، سالک کے فنا کے بعد بقا کا مقام حاصل ہوتا ہے فنا فی البنی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں فنا ہونے والا ہے آپ کہہ دیں کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تمہیں دوست رکھے گا ع۵ شاہ کلیم اللہ جہان آبادی سے مراد ہے ع۶ فانی سے فنا ہونا یعنی مادیات سے گزر جانا کیونکہ مرادہ فانی ہے۔ باقی سے باقی رہنا۔ عالم لہریا ذات و صفات الہی کے ساتھ واصل ہونا، روح خود بھی باقی ہے اور اجلا لوجود کے ساتھ تعلق کے بعد اسکی بقا قابلِ رشک اور مقصود حیات ہے ع۷ حالی کیفیت۔ سالک جب اہ مولانا میں چلتا ہے تو اس کو عجیب و غریب کیفیا حاصل ہوتی ہیں اور انہی کیفیات کا وارد ہونا حال کہلاتا ہے اور وہ کیفیت حالی کیفیت کہلاتی ہے ع۸ یعنی کتاب پڑھنے سے کوئی کیفیت نہ پیدا ہوتی ہے نہ بدلتی ہے۔

”کہ از مطالعہ کتب ہیج نکشاید۔“

۲۲۲ مکتوبات حضرت امام مجید علیہ الرحمۃ کی طرف ہاتھ اور آنکھ اس وقت بڑھائی جاوے جب طبیعت کے جولان نے طبیعت میں گونا گون رنگ اور کیفیات پیدا کر دی ہوں۔ اور کہ پیرو مرشدان تمام کی تفصیلات دکھانے پر مجبور ہو گئے ہوں۔ اور کہ طبیعت اپنی بیچون و بے چگون کیفیات سے لبریز ہو کر دم بخود ہو کر کچھ تمیز نہ کر سکے۔ ورنہ مکتوبات کا مطالعہ بجائے فائدہ کے سخت نقصان دے گا۔ اور تمام حالی کیفیات علمی و تہمات میں بدل جائیں گی۔ اور سالک کے لیے بجائے حقیقت کے مجاز چہرہ کشا ہو جائے گا۔

۲۲۳ حضرت امام علیہ الرحمۃ والرضوان کے مکتوبات شریف دیکھنے کے لیے دو بلند استعدادوں کی ضرورت ہے۔ ایک طرف تو حالی کیفیات نہایت ہی بلند ہوں، اور استعداد کامل ہو اور دوسری طرف علمی ساریہ معقول و منقول کافی و وافی ہو۔ تاکہ جس حقیقت کو بے نقاب کرنے کے لیے حضرت امام علیہ الرحمۃ نے دفتروں کے دفتر لکھے۔ وہ سالک پر بعینہ اسی صورت جلوہ گر ہو۔ ورنہ اس سے کم درجہ کی کتابوں کا مطالعہ کر کے اپنی حالت کو درست کرتے رہنا چاہیے۔ اس سلسلہ مجید و بد میں اس راہ کے چلنے والے کے لیے بہت کافی ذخیرہ موجود ہے متقدمین سے بڑھ کر متاخرین نے تفصیلات قلم بند فرمائیں۔ اور ہر ایک امر پر تفصیلی روشنی ڈالی اور متاخرین سے بڑھ کر متقدمین کی کتب سر امر روحانیت سے پُر اور حالات سے لبریز۔ متاخرین سے مکتوبات حضرت غلام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ اور مناقبات احمدیہ وغیرہ مناقبات اور مکتوبات اور ملفوظات کے

۱۔ کتابوں کے مطالعہ سے (باطن کا سلسلہ) کچھ نہیں کھلتا۔

۲۔ یعنی پیرو مرشد سالک کو حکم دین کہ کتابیں پڑھ کر اپنی کیفیات کی تمیز اور تصدیق کرے۔

۳۔ حال کیفیت کے ظہور کا نام ہے اور کیفیت کا علم بے ظہور علم کیفیت ہے جس کا صحیح اندازہ عالم کو نہیں ہوتا اور اس کا وہم اندازے بنا رہتا ہے اگر کیفیات کی کثرت ہو اور حال زور ہو تو کیفیات کا علم فائدہ دے گا ورنہ صرف مطالعہ سے علمی اندازے کرنے کی طرف طبیعت مائل ہو جائے گی۔

۴۔ معقول۔ فلسفہ منطق وغیرہ۔ منقول۔ قرآن و حدیث و فقہ وغیرہ۔

۵۔ کم درجہ کتب سے مراد ایسی کتب جو عام تعلیم یافتہ پڑھ سکے اور سمجھ سکے۔

۶۔ حضرت غلام علی شاہ صاحب دہلوی نقشبندی سلسلے کے آفتاب ہوئے وفات ۱۲۴۰ھ میں ہوئی۔

ذخیرے موجود ہیں۔ اور متقدمین کی اجمالی اور حالی کیفیات کے مطالعہ کے لیے رشحات حضرت اقدس
نفحات الانس وغیرہ کتب سیرت و مناقبات کتنی ہیں۔

۲۴۴۔ حضرت مرحوم و منفور روحی فداہ کی وفات کے بعد میں نے رشحات اور مناقبات احمدیہ کا
زیادہ مطالعہ کیا۔ رشحات سالک کے لیے ایک نہایت عمدہ کتاب ہے جس سے ہر گھڑی اپنا
موازنہ کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ کسی بزرگوں کے حالات اور ان کے رشحات (ملفوظات) نے دل کو
کئی طبیعتوں کا آئینہ کیفیات پیش کر دیا ہے اور طبیعت اور ہر حال و کیفیت کی بابت ضروری
اجمال مل سکتا ہے۔ اپنے لیے میں نے اس سے بڑھ کر کسی کتاب کو مفید نہ پایا۔

۲۴۵ (۵۱) پانچویں سال کے عین وسط میں جب کہ شعبان ۱۳۱۵ھ میں حاضر ہوا تو حاجی صاحب
موصوف سلمہ ربہ کی زبانی ارشاد ہوا۔ ”کہ کتاب الفتن مشکوٰۃ تشریف دیکھ لینا۔ میں حیران تھا۔
کہ یہ کیوں ارشاد ہوا۔ کتاب کھول کر دیکھی۔ سبحان اللہ یہ ایک آخری منزل تھی جس کی ضرورت
اس موجودہ دور میں نہایت ضروری قابل توجہ تھی۔ اس بات کی طرف کسی صوفی کی توجہ موجودہ
دور میں نہیں دیکھی۔ صاحب علم سے اس بات کی اہمیت پوشیدہ نہیں۔ اور تفصیل کے لیے موقع
نہیں۔ اس کے علاوہ آتے ہی گھر میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ اور کسی شرعی مسئلہ پر علماء میں گفتگو
علی الاعلان دنیاوی حیثیت سے ہو گئی۔ اگر میں نے اس باب کا مطالعہ نہ کیا ہوتا۔ تو معلوم
نہیں کتنوں کو کافر کتنا۔ کتنے لوگوں سے الگ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ قائم کرتا۔ گو میں حق
پر تھا۔ لیکن پھر بھی جماعت کی تفریق سے خائف اور ندامت آنکھوں میں، اور توبہ زبان پر تھی۔

۱۔ رشحات۔ مولنا جامی کی کتاب ہے فارسی زبان میں تصوف کے حقائق ہیں۔

۲۔ حضرات اقدس: ہر دو جلد مؤلفہ حضرت مولینا بدر الدین سرہندی خلیفہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ۔

۳۔ نفحات الانس حضرت مولنا عبدالرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے 685 اولیاء اللہ کے حالات ہیں۔

۴۔ حضرت اعلیٰ میاں صاحب شرفپوری رحمۃ اللہ علیہ۔

۵۔ حاجی صاحب سے مراد حضرت حاجی عبدالرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

۶۔ کتاب الفتن: فتنوں کا بیان (مشکوٰۃ المصابیح کا ایک باب ہے)۔

۷۔ شرعی مسئلہ میں دنیوی حیثیت سے گفتگو ہونا۔ علم جب تک فقر کے سانچے میں نہ آئے اس کے نقشہ نگار نہیں کھلتے۔ اہل علم حضرات نے دین کی بڑی خدمت
کی لیکن دنیا کی آمیزش نے بعض کے مغز کو ناقص کر دیا جس سے دین کو نقصان پہنچا۔ ناقص علماء کو دیکھ کر اہل دنیا حقیقی دین سے بدظن ہو جاتے ہیں۔

اور ہر گھڑی وہی ارشاد کا خلاصہ آنکھوں میں تھا کہ حضور اقدس علیہ السلام کی ہدایات اس زمانہ پر فتن میں دیکھ کر حیران تھا۔ کہ تھے تو بشر لیکن یہ کتنے دور کی کتنی واضح اور روشن تصویر کھینچ گئے
 اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلَىٰ آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ ط
 ۲۴۶ اس قدم بوسی اور شرفیابی کے بعد اگرچہ دو بار آپ کی حیات طیبہ میں در دولت پر حاضر ہوا لیکن کوئی ارشاد اس علمی تربیت کے بارے میں نہ فرمایا۔ البتہ اپنے پاس بالا خانہ پر بلوائے اور بعد فراغ طعام مصافحہ فرما کر مسجد جانے کے لیے ارشاد فرماتے۔

۱ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات نورانی کا ظہور ہے اور علماء حضرات نور و بشر کے جھگڑوں میں پڑے ہیں۔ حضرت قبلہ و کعبہ دام ظلہ نے "تھے تو بشر" فرما کر لطیف تعریف فرمائی ہے کہ بھلا بشر چودہ سو سال نہیں قیامت تک کے لئے اتنی عنینم پیشگوئیاں کیسے کر سکتا ہے اتنا اشرار تو نور ہی کو ہو سکتا ہے جس کے سامنے کوئی مانع، مانع نہ ہو سکے۔
 ۲ اے اللہ تو درود و سلام بھیج ہمارے سردار محمد النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اذلی و ابدی علم والے پر اور آپ کی آل و اصحاب تمام پر۔

ترتیب جلالی و جمالی

۲۴۷ آپ کی ذات بابرکات میں یہ صفت ممتاز تھی جس سے کسی دوسرے کو کم ہی حصہ ملا ہوگا آپ کا جلال کسی کو آگے نہ بڑھنے دیتا تھا۔ اور جمال کسی کو سٹپنے نہ دیتا تھا۔ جو ایک بار حاضر ہوا پھر عمر بھر اسی دولت کا غلام ہی رہا۔ کبھی جلال دل پر غالب ہوتا تو دل و ہر گناہ اور کبھی جمال اپنا جمال دکھاتا تو طبیعت بے اختیار جذبہ الفت میں بے قرار ہوتی۔

۲۴۸ جو طبیعت خائف ہو کر سامنے ہوتی۔ تو آپ کا جمال اُس کی تواضع کرتا۔ اور جو صورت متکبرانہ رنگ میں پیش ہوتی تو آپ کا جلال اُس کی مدارات کرتا۔ اِدْنِ اَعْلٰی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی۔ لیکن ساتھ ہی کہتر و مہتر آپ کی محبت کے دعوے دار تھے۔ اور ہر ایک اپنے خیال میں راز الفت کا مدعی تھا۔ اور بحق تھا بھی ایسا ہی، کہ وہ سراسر محبت تھے۔ اور سرحشتمہ رحمت، جمال آپ کا ذاتی تھا۔ اور جلال صفاتی، کون ہے، جو حاضر ہوا اور آپ کے جمال نے اس کے آنسو پھوڑ پھوڑ کر نہ گرائے۔ اور کون ہے، جو پیش ہوا۔ اور آپ کے جلال سے دم بخود نہ رہ گیا ہو۔ گھر میں میٹھے خون ہوتا کہ اب کیا پیش آئے۔ اور کالے کوسوں دور دل پھر گناہ کہ کب دیدار نصیب ہوگا۔ آپ کی اس صفت نے آپ کے دم سیمانی پر سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ اور رَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (حدیث قدسی) اور رَحْمَتِي سَبَقَتْ عَلٰی اَعْصَابِيْ

۱۔ جلال ہیبت نشان شوکت: اس سے مراد ہے ایسی تربیت جس سے شان بے نیازی کا ظہور ہو اور سالک تکالیف مصائب کی آزمائشوں میں لاکر گرمی پہنچائی جائے جمال خوبصورتی اور حسن کو کہتے ہیں یہاں ایسی تربیت مراد ہے کہ سالک ہر طرح کے آرام راحت لذات باطن سے سرفراز فرمایا جائے اور نیز کسی آزمائش کے محبت کی اداؤں سے اس کی تربیت فرمائی جائے ۲۔ آپ کی ہیبت سے لوگ خائف تھے اور بے تکلفی کا نام نہ تھا بلکہ آپ محبت اور انس میں بھی یگانہ تھے کہ جس نے ایک دفعہ دیکھ لیا وہ فریفتہ ہو گیا ۳۔ ولایت کی کشش قبول کرنے والا اپنے اپنے درجے کا قرب اور رضوی پانا ہے اور ہر درجے کے بعض راز ہوتے ہیں اور شیخ کامل اُن پر وہ راز کھولتا ہے نیز شفقت اور محبت کا پھیلاؤ اور تاثرات بھی پوری پوری اپنیت پیدا کرتی ہیں اس لئے ہر شخص محبت کا اور قرب کا مدعی بن سکتا ہے ۴۔ جمال ذاتی تھا، یعنی فی الحقیقت آپ محبت و الفت کا خزانہ تھے اور محبت کا دریا ہمیشہ جوش میں رہتا تھا اس لئے جو آیا سیراب ہوا۔ اور اپنی لطافت یمانی اور مخلوق کی خیر خواہی اور اصلاح کی وجہ سے ناراض ہونا پڑتا اور یہ صفت جلال ذاتی جمال کے ساتھ مل کر سالک کا کام بنا جاتی ۵۔ میری رحمت ہر چیز پر چھا گئی۔ (ترجمہ حدیث مبارک) ۶۔ میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی۔ (ترجمہ حدیث مبارک)

کا پورا نمونہ اور پورا عکس آپ کی ذات بابرکات تھی۔

۲۴۹ ایک طرف حکومت کا ایک اعلیٰ افسر اپنے جاہ و جلال کے ساتھ پیش ہوتا ہے تو منہ پر طمانچہ کھا رہا ہے اور دوسری طرف ایک غریب پھٹے پرانے لباس میں حاضر ہوتا ہے تو گلے لگا یا جا رہا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ ہر گھڑی اور ہر آن یہ دونوں رنگ بیک وقت ظہور پذیر ہوتے، ظاہر جلال ہے اور اندر جمال، اور شاذ و نادر اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔ جب دیکھتے کہ چارہ گر کچھ نہیں ہو سکتا تو نرم مزاجی سے ٹال دیتے۔ لیکن اندر (باطن) بیتاب ہوتا۔ اور آپ کے جلال کی برقی ویلا جلوہ پذیر ہوتی۔ جہاں بارانِ جمال کی رحمت اُس کے پے در پے ہوتی گویا رحمتِ الہی کی گھٹا ہوتی۔ کہ چمک دمک کر برس پڑتی۔

۲۵۰ آپ جب عام مجلس میں تشریف لاتے تو طبیعت شریف پوری مستعد ہو کر آتی اور اس وقت کی ہر ایک حرکت ہر ایک فعل من جانب اللہ ہوتا۔ اور بِنِیْسَمِعٍ وَبِنِیْصِرٍ وَبِنِیْبْطِیْنِ کا پورا نمونہ ہوتی۔ لیکن جب آپ اپنے خلوت خانہ میں تشریف لے جاتے تو جمال ہی جمال رہ جاتے اور حتیٰ کہ یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ یہ وہی مشیرِ محمدؐ ہے یا کوئی اور بے کس و مسکین۔

۲۵۱ ایک بار حاضر ہوا۔ تو خادم نے حسب ارشاد آپ کو اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا کہ اوپر بلا لو۔ حاضر ہوا تو کیا دیکھ لہوں کہ آپ رومائل بہ قطب تشریف رکھتے ہیں۔ اور ارد گرد پانچ چھ لڑکے، آپ اُن کو مواہب الرحمن دکھا اور سنا رہے ہیں۔ اور فرما رہے ہیں کہ اس کے مصنف نے عنایہ شرح ہدایہ بھی لکھی۔ چونکہ وہ بچے تھے۔ وہ عنایہ اور ہدایہ تشریف کو کیا جانیں۔ آخر خواجہ

۱۔ یعنی ایک ہی مجلس میں متکبر کے ساتھ سختی اور متواضع کے ساتھ محبت و نرمی ہوتی تھی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔

۳۔ مجھ سے سنتا ہے مجھ سے دیکھتا ہے اور مجھ سے پکڑتا ہے۔

۴۔ عنایہ شرح ہدایہ۔ فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ کی شرح ہے۔

۵۔ خواجہ دین محمد صاحب فیض پور کے رہنے والے تھے اور حضور رحمۃ اللہ کے ہمہ وقتی دربان تھے۔

دین محمد صاحب سے کہا کہ عنایہ کی جلدیں لے آؤ اور وہ لے آئے۔ اور لڑکوں کے سامنے رکھ کر فرمایا کہ یہ کتاب بھی اسی مصنف کی ہے۔ سبحان اللہ! چونکہ میں نے پہلے حضرت کو اس حالت میں نہیں دیکھا تھا۔ اس لیے حیرت کے سوا مجھے کچھ ہوش نہیں کہ اتنے پسند پا یہ کا ولی ہے۔ اپنے وقت کا غوث اور زمانہ کا قیوم پھر اس سبکی میں مجلس افروزہ کہ دیکھنے والا حیرت میں آجائے۔ کہ وہ کیا تھے۔ جن کو نیچے کی منزل میں دیکھا تھا۔ اور یہ کیا ہیں جو بالا خانہ میں نظر آ رہے ہیں۔ اور یہ نقشہ مرنے دم تک میری آنکھوں سے نہ جائے گا۔

۲۵۲ ساتھ ہی آنحضرت (روحی فداہ) رحمۃ اللہ علیہ اپنے اس جلال و جمال سے واقف بھی تھے۔ اور حسب موقعہ استعمال فرماتے۔ گا ہے گا ہے بعض خادموں کو جذبہ الفت بے اختیار کر دیتا تھا۔ تو آپ زُرْعِيًّا تَرُدُّ دَجِيًّا کے مطابق اپنے مجذوب کو سحت عتاب فرماتے اور دربار سے نکال دیتے اور فرماتے، ”تم کیوں آئے! تمہارے آنے کی کیا ضرورت! گھر میں بیٹھے رہا کرو“ مجھے ایسا آدمی پسند نہیں جو بے فائدہ پھرتا رہے۔ مجھے ایسوں سے الفت نہیں۔ یہ الفاظ اور آپ کا یہ طرز آتش محبت پر تیل کا کام دینا اور جذبہ الفت و محبت کی آگ طالب کی چوٹی سے جانتگنی اور فنا کی آخری سرحد پر طالب بلا مجاہدہ یک دم جا پہنچتا۔ اور پیر مرشد رحمۃ اللہ علیہ کے عکسی نور سے منور ہو بیٹھتا اور نمونہ ہے

من نؤشدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی

ہونکلتا۔ عادات، اخلاق سے بڑھ کر صورت پر جانتگنی جہنا۔ ہاں جس کو جذبہ الفت کم ہوتا

ع۱ غوث : اولیاء اللہ میں سب سے بلند درجہ غوث ہے۔

ع۲ قیوم : اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ بعض اولیاء اللہ کو اس صفاقی نام کی برکات سے حاصل ہوتی ہیں اور وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی برکت کی قیام کا اور اسکی تشریح طریقتیہ ہے۔

ع۳ ایک دن چھوڑ کر زیارت کیا کرو اس سے محبت بڑھتی ہے۔

ع۴ محبت کو آگ فرمایا ہے اور الحق بشریت کے خن و خاشاک کو جلانے کے لئے اس آگ کی از بس ضرورت ہے۔

ع۵ کامل پیکر کمال تو یہی ہے کہ شفقت اور محبت سے جس کی تکمیل چاہی اُسے آنا فنا فنا کی چاشنی سے آشنا کرایا اور بڑے بڑے مجاہدوں سے جو کام ممکن تھا وہ صرف نظر کیا اثر سے کر دیا۔

ع۶ میں تو بن گیا اور تو میں بن گیا (یعنی ایک ہو گئے) میں جسم بن گیا اور تو جان بن گیا۔ تاکہ اس کے بعد کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ میں اور ہوں اور تو اور ہے کھل شعریوں

سے من نؤشدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی۔ تاکہ نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

اس کے ساتھ دوسرا جمالی سلوک کیا جاتا۔ اپنے پاس بٹھاتے گلے لگاتے، محبت بھرے آہنستہ آہنستہ
 طمانچے لگاتے، گاہے دباتے، نرم اور نمکین تلمط فرماتے۔ یہاں تک کہ آنسو پھوٹ آتے اور
 ہر گھڑی وہی نقشہ طالب کی آنکھوں میں جم جاتا اور منزل ریاضت پر مکر حیرت ہونکلتا۔ اور وہ
 حالت ہوتی کہ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ سچ تو یہ ہے کہ
 خدا جب حسن دینا ہے نزاکت آہی جاتی ہے۔

کئی ایک واقعات اپنی نظر سے دیکھے۔ ایک دو واقعات مثلاً عرض کیے دیتا ہوں ورنہ اس
 شمع ہدیٰ پر پروانہ ہائے محبت کی کمی نہ تھی۔

۲۵۳ میاں احمد دین سکنت بکھر بار ضلع شاہ پور میرے قریب کے رہنے والے اور مجھ سے تقریباً
 اڑھائی سال پہلے حضرت قبلہ روحی فداہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ڈیڑھ سال کے عرصہ میں
 اس درجہ پہنچ گئے تھے کہ ایک بار جب وہ اپنے پیر و مرشد رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لیے
 جا رہے تھے۔ اور مجھے اس وقت تعلق کہیں پیدا نہ تھا۔ گاڑی میں سوار ہوا تو گاڑی میں موجود
 تھے، عجیب کیفیت سے لبریز بیٹھے تھے۔ مجھ سے مصافحہ کیا اور اپنی حالت میں پھر بیٹھ گئے۔
 میں بار بار ان کا چہرہ دیکھتا تھا اور حیران ہوتا تھا کہ الہی یہ کیا دولت ہے جو انہیں نصیب سے
 اور جس سے یہ کیفیت مستانہ میں بیتاب غرق ہیں۔ میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے کہ کاش کہیں
 میرا بھی ایسا تعلق ہوتا۔ تو میں بھی اس لذت سے شناسا ہوتا۔

۲۵۴ جس کسی نے ان کا چہرہ دیکھا، وہی ان کی اس حلاوت کا مقرر ہے اور ان کے اس جمال

۱۔ ریاضت ہی سلوک اور تعلق باللہ کی سہولت ہے۔ ریاضت کے بغیر احوال کا پیدا ہونا اور نچتہ ہونا ممکن نہیں۔ نفس
 پر ریاضت مشکل ہے محبت کی چاشنی آجائے تو یہ مشکل آسان ہو جاتی ہے۔

۲۔ نہ ٹھہرنے کی جگہ نہ چلنے کے پاؤں۔ یعنی مجبور ہو جانا۔

۳۔ شناسا۔ واقف۔ طالب مولا کے لیے یہی طلب ہی منزل مقصود کی سواری ہے جتنی یہ طلب

زیادہ ہوگی اتنی منزل قریب ہوگی۔

کا معترف لیکن دربار حضرت قبلہ روحی فداہ میں یہ حالت ہے کہ آتے ہی دھتکارے جاتے ہیں۔ مگر پروانہ محبت کا یہ حال ہے۔ کہ سینکڑوں میل واپس آکر دوسرے دن بلانڈ اور راہ پھر پاپیادہ شرف پور شریف کا راستہ لے لیتا ہے۔

۲۵۵ دوسری بار جب حضور قبلہ روحی فداہ مجھے اپنے ہمراہ مکان شریف لے گئے۔ تو میاں احمد دین وہاں موجود تھے اور حضرت نے انہیں ارشاد فرمایا تھا۔ "کہ روضہ شریف میں رہو۔ اور عرس کے بعد حضور نے اپنی جیب خاص سے پانچ روپیہ کرایہ دے کر براستہ نارووال رخصت فرمایا۔ لیکن جب ہم شرف پور شریف واپس گئے۔ اور چند دن گزر گئے۔ تو وہ مرد خدا بھی گھر سے پاپیادہ پھر پہنچ گیا۔ خادموں نے اسے کہا کہ حضرت میاں صاحب کے سامنے نہ ہونا۔ آپ ناراض ہوں گے۔ مرحوم بیچارہ بلا شرف زیارت شرف پور شریف کی دیواروں سے بغل گیر ہوتا ہوا واپس چلا آیا۔

۲۵۶ ایک بار جمعہ کو حاضر ہوئے، اور کھانے بیٹھے ہی تھے کہ حضور بالا خانے سے تشریف لے آئے۔ ان کو دیکھ کر خادم سے فرمایا کہ اسے نکال دو۔ میاں احمد دین حضرت میاں صاحب کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھتے جاتے تھے۔ اور زبانی عرض کرتے جاتے۔ کہ کئے کو کہاں تک دھتکارو گے ابھی پھر واپس آجائے گا۔ حضور کی محبت بھی بیثبات ہو گئی۔ اور اپنے دست مبارک سے پکڑ کر پھر دسترخوان پر بٹھا دیا۔

۲۵۷ ایک ایک ماہ میں کئی بار گھر پہنچ کر پھر حاضر ہو جاتے۔ گھر میں زاہد راہ (کرایہ) نہ ہوتا، تو پاپیادہ ہی چل دیتے۔ وقت ناوقت جب کبھی خیال آجاتا تو چل دیتے۔ راستہ میں دریا پڑتا تھا۔

۱۔ طالب مولا پر محبت اور عشق کے ذریعے ایک جاذب کیفیت ایسی طاری ہو جاتی ہے کہ جو اسے دیکھتا ہے وہ سرشار ہو جاتا ہے۔
 ۲۔ محبوب کے در و دیوار بھی محبوب ہوتے ہیں اور اس کے مکان اور شہر کا تصور اور مشاہدہ بھی روح افزا ہوتا ہے اور جاں فزا۔
 ۳۔ جب کامل کی نظر کی تیزیوں سے فنا کی دولت حاصل ہوتی ہے تو اپنا آپ نہایت حقیر نظر آتا ہے۔ اور کمتر سے کمتر چیز سے کمتر دکھائی دیتا ہے۔ اسی واسطے اکثر متوسلین اپنے آپ کو بزرگوں کا سگ دربار کہتے سُنے جاتے ہیں۔
 ۴۔ محبت کی تاثیریں دو دھاری تلوار کی طرح دونوں طرف گھائل کرتی ہیں محبوب کی محبت ہی صاحب محبت کو اپنے محبوب کا محبوب بنا دیتی ہے۔

کشتی کا موقع نہ ہوتا۔ تو چھلانگ مار کر دریا میں کود پڑتے۔ غرض کوئی رکاوٹ یا مانع اس مرد عاشق کے سامنے حاصل نہ تھا۔

۲۵۸ ایک بار حاضر ہوئے تو حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے تھے: ”کہ مرید صادق وہ ہے۔ جو اپنی جان و مال پر پرتا کر دے۔“ گھر آئے، تمام زلیور، تمام برتن، تمام پارچہ جات لے کر الگ الگ گھڑیاں باندھ کر احباب سے کہا کہ آج حضور کی خدمت میں جانے کا ارادہ ہے۔ چونکہ یارانِ طریقت اُن پر فدا تھے۔ اور اُن کے ہمراہ پیر و مرشد علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہونا سعادتِ عظمیٰ جانتے تھے، اس لیے سب احباب ہمراہی کے لیے تیار ہو گئے گھر بلایا، اور ان کو ایک ایک گھڑی حوالہ کی لیکن اُن کو کچھ نہ بتلایا۔ سب ٹٹولتے تھے۔ لیکن کسی کو مجالِ دریافت نہ ہوئی۔ حاضر ہوئے تو خادم کے سب حوالے کر دیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کیوں یہ تمام اشیاء لائے، تو میاں احمد دین نے عرض کی، کہ حضور جان تو پہلے حاضر تھی۔ مرید صادق بننے کے لیے یہ کھتی سو حاضر ہے۔ آپ نے (حضرت قبلہ روحی فداہ) نے فرمایا۔ ”اوہو تم نے سمجھا نہیں کوئی اپنے بیٹے سے بھی مال لیتا ہے۔“ جاؤ زلیور اپنے گھر میں دینا کہ وہ ہماری ہو ہے۔“ اور برتن اور پارچہ جات والدہ کو کہ وہ ہماری ہمیشہ ہے اُس کے حوالے کر دینا۔“ ایسی اشیاء کی یہاں کچھ ضرورت نہیں۔“ سبحان اللہ۔ مرشد ہو تو ایسا معنی اور مرید ہو تو ایسا با اخلاص۔

اِس سَعَادَتِ زَوْرٍ بَارِزٍ عِيسَتِ تَانَهُ بَخْشِ خَدَائِهِ بَخْشِنْدَه

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَن يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ اور یہی تعبیر ہے۔

۱۔ حقیقی محبت اکثر اوقات ایسے کام کرواتا ہے جو بے محبت انسان کے لئے حیرت کا سبب بنتے ہیں۔
۲۔ صداقت اور اخلاص کا ثبوت قربانی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے یہ قربانی اکثر اوقات تو محب کے اپنے عمل اور ارادے سے وقوع میں آتی ہے لیکن کبھی کبھی محبوب بھی استقامت دیکھنے کے لئے یا جلتی پرتیل گرانے کے لئے خود آزمائش فرماتا ہے۔
۳۔ ذکر و فکر اور عشق و محبت سے جب نیا انسان بنتا ہے تو پچھلی تمام آلائشیں ختم ہو جاتی ہیں۔ اب محبت کے شہنشاہ کی حکومت اور اس کا اپنا عجب داب ہے۔ کسی کو کیا مجال کہ منہ کھولے۔
۴۔ قربانی دراصل جذبہ کراتا ہے۔ بس قربانی کا جذبہ ہو اور جذبے کا اظہار ہو جائے مقصود یہی ہے۔
۵۔ یہ سعادت مندی زور بازو سے حاصل نہیں ہوتی جب تک اللہ تعالیٰ اپنی عنایت نہ فرماوے۔
۶۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے جس کو چاہے بخش دے اور اللہ تعالیٰ بہت عظیم فضل و کرم کا مالک ہے۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا - ہر چہ واری خرچ کن در راہ اؤ، کی۔

۲۵۹ اس پر و انہ محبت کو ایک طرف تو در و محبت اور آتش عشق کھائے جاتی تھی اور دوسری طرف مجاہدہ و ریاضت اُسے گھائل کرتی جاتی۔ یہاں تک کہ تینس تینس برس کی عمر میں وہ ساٹھ سالہ معلوم ہوتے تھے۔ اور حرارت قلبی نے وق کا لباس لے لیا۔ اور چار پائی پر جامٹے بچھایا۔ اگرچہ باطنی حرارت ظاہر میں نمودار ہو گئی تھی۔ لیکن تنور عشق دم بدم تیز ہوتا جاتا۔ دو بار چار پائی ہی پر منزل عشق طے کر کے ایک بار مکان شریف حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دوسری بار شرفیور شریف اور زیارت کے بعد چھٹے یا ساتویں روز وہ پر و انہ محبت ہمیشہ کے لیے آتش عشق میں جل گیا۔

۲۶۰ وقت نزع کسی نے پوچھا کہ اس وقت کچھ طلب ہے۔ ہاتھ اٹھا کر کہا کہ اللہ۔ کیا یہ وہی عکس نہیں۔ اللہم بالرفیق الاعلیٰ کا۔

۲۶۱ گاڑی میں جب بیہوش ہو گئے تو والدہ نے ہوش آنے پر کہا، بچہ! ہمارا واپس ہونا بہتر ہے۔ تو کہا، کیوں شرفیور شریف مرنا کچھ بُرا ہے، میں تو کبھی واپس نہیں ہوتا۔ جو کچھ ہو گا، دیکھ لیا جائیگا آگے ہی جائیں گے۔

۲۶۲ اب اس مرو خدا کی حالت دوسرے پہلو پر دیکھو کہ حاضری سے پیشتر۔ چور، پکابے دین دنیا کے تمام فسادات کی جڑ، لیکن طبیعت نے اتنا پلٹا کھایا کہ جس جس کا مال اپنی عمر میں چر ابا تھا۔ اُس کے پاس گئے۔ اپنے قصور کا اعتراف کیا بخشش کے طالب ہوئے اور قیمت مال پیش کی۔ اکثر اُن کی حالت کو بدلے ہوئے دیکھ کر احباب کہتے کہ ہم نے تمہیں پہلے ہی بخش دیا ہے لیکن

۱ جو بھی تیرے پاس ہے اس کو اللہ کے راستے میں خرچ کرے جب تک اُس کے راستے میں اپنی محبوب چیز خرچ نہ کرے گی کو نہیں پاؤ گے۔

۲ محبت روح کی شفا اور جسم کی بیماری سے اور محبت بیماری سے کہیں زیادہ جسم کو کمزور اور ناتواں کرتی ہے۔

۳ مجاہدہ بھی اس لئے ہے کہ حیوانی قوتیں کمزور ہو جائیں اور روح کا نکھار ظاہر ہو۔

۴ یعنی ذکر و فکر کی گرمی نے جسم کو ایسا جلایا کہ ظاہر میں تب دق کی صورت بن گئی۔

۵ حضور سرور کونین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال کے وقت یہ کلمات طیبات فرمائے تھے۔

"الہی! میں رفیقِ اعلیٰ سے ملنا چاہتا ہوں۔"

۶ پہلی حالت کا نقشہ ہے۔ اس کی رحمت ہو جائے تو ایک چور نہیں کٹی چور قطب بن جاتے ہیں۔

۷ صحیح توبہ کے وقت وہ مطلق کریم تو کیوں نہ بخشے مخلوق بھی سچی توبہ سے متاثر ہو کر اپنے حقوق بخش دیتی ہے۔

وہ کہتے مفت تو کوئی نہیں بخشتا، قیمت لے لیں اور میرا گناہ بخشیں۔ لیکن وہ باصرار واپس کرتے۔
مگر مروجہ کہتے کہ نصف تو لے لو۔ ورنہ دل سے تم بخشتے نہیں۔ چنانچہ مجبوراً انہیں یہ قیمت واپس
دیتے۔

۲۶۳ اُن کے گاؤں کا حال نہایت اتر تھا۔ اور علاقہ کے تمام گاؤں اور شہروں سے بدتر۔ کئی
عالم بھی وہاں تھے۔ اور بہت سے واعظ باکمال بھی ہو گزرے۔ لیکن کسی کا اثر گاؤں والوں
پر نہ ہوا۔ تا اینکہ میاں احمد الدین نے اپنا منور چہرہ خلقت کے سامنے پیش کیا اور شریعتِ حقہ
کے لیے سینہ سپر ہو گئے۔ بڑے بڑے اکابر جن کے بارے کلام مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔ **فِي كُلِّ
قَرْيَةٍ اَكَابِرٌ مُّجْرِمِيهَا لِيَكُروا فِيهَا**، ان کی حقانیت پر سر تسلیم خم کرنے لگے۔ فاتحہ خوانی
میت پر حقہ نوشتی کا رواج تھا، لیکن جب وہ مجلس کے سامنے ہوتے تو حقہ الگ کر دیا جاتا
بلکہ بہت سے موقعوں اور تقریبات پر حقہ الگ کر دیا گیا۔ اُن کے گاؤں میں شیعہ مذہب
نے قدم جمانے شروع کیے تو اسی مجاہد نے اُن کا مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ اُس کے دُکے کے
سوا کوئی بھی شیعہ خیال کا نہ رہا۔ شادی پر ڈھول باجے کی رسم تھی! اور لڑکیوں کو غیر محرم
ڈولی میں اٹھا کر لے جاتے۔ لیکن میاں احمد الدین اُس گھر میں نہ جاتے جہاں یہ رسومات قبیحہ
ہوتیں۔ خواہ کتنا ہی قریبی تعلق رشتہ داری ہوتا۔ اور سب سے بڑھ کر ایک ایسی جماعت مرتب
ہو گئی۔ کہ **اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ شَكْوٰى اللَّيْلِ وَنِصْفًا وَثَلَاثَةً وَ
طَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ** اس جماعت کا ہر ایک فرد اپنے پیشوا کے رنگ میں نظر

۱۔ ہر ایک گاؤں میں وہاں کے بچے اور غنڈے ہوتے ہیں کہ وہ اپنے اپنے گاؤں
میں چالیں چلتے ہیں۔

۲۔ تیز رتب (اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) جانتا ہے کہ آپ تقریباً
دو چھتے رات یا ایک تہائی کھڑے رہتے ہیں، اور ایمانداروں کا ایک گروہ
بھی آپ کے ساتھ ہوتا ہے۔

آتا، وہی حضرت قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نشست و برخاست وہی طرز گفتگو، وہی لباس، دیکھنے والا خیال کرتا کہ یہ صوفی لوگ لاہور یا اس کے مصافحات کے رہنے والے ہیں۔ ہر ایک قوم رکھتر و مہتر سے جماعت بھر پور تھی۔ لیکن غیریت اور ذات پات کا خیال اٹھ گیا تھا۔ اور اصحابِ صفہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی طرح ایک ویران مسجد میں شب و روز بعد فراغت کار بار و نیوی موجود رہتے۔ جن کے صدر نشین وہی ہمارے میاں احمد الدین ہوتے اور شب و روز اپنے خیال الفت میں مستغرق رہتے۔

۲۶۴ عوام الناس کو تو زجر ازبان سے امورات فبیحہ یا خلاف سنت سے منع فرماتے۔ لیکن خواص اور مکھے پڑھے بزرگوں کے سامنے حسب استعداد کچھ کتابوں کا مطالعہ کر کے ان کے سامنے لے جاتے۔ اور کہتے کہ یہاں سے مجھے سناؤ۔ اس کا کیا مطلب ہے۔ پڑھنے والا ان کا مطلب نارٹ جاتا۔ اور اپنی غلطی پر متنبہ ہو جاتا۔

۲۶۵ ایک بار ایک علما گھرانے کی شادی پر ڈھول بجایا گیا۔ گو اس وقت بیمار تھے۔ لیکن اپنے کوٹھے پر چڑھ کر علی الاعلان ان کے اس فعل کا استحقار کیا۔

۲۶۶ وفات سے چند روز پیشتر جب قدرے آرام ہوا تو غسل کر کے جامع مسجد میں جمعہ کے لیے گئے۔ جمعہ کا خطبہ ہو رہا تھا۔ لوگوں نے جو نظر کی تو سب کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت میاں صاحب بذات خود تشریف لے آئے۔ سبحان اللہ۔ اسے ہی فنا فی الشیخ کہتے ہیں۔

۲۶۷ آخری زیارت کے لیے جب چار پائی پر حضور اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی والدہ کو

حضرت علی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں ایک چبوترہ بنا دیا تھا۔ اور بہت سے درویش صحابہ رات دن وہاں رہتے تھے اور ان کا کام سوائے ذکر و فکر کے اور کوئی نہ تھا۔ ان کی گذران صاحب استطاعت صحابہ کی داد و دہش پر تھی۔ گویا ان کا وجود اور سرور و دعاء صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق اور ذکر و فکر کا شغل یہی خانقاہیت کی بنیاد تھی۔ جو خود مسجد نبوی میں رکھی گئی۔ افسوس کہ آج بعض علما غلط فہمی کی وجہ سے خانقاہ پر اعتراض کرتے ہیں۔

۲ علی الاعلان۔ کھلم کھلا۔ شریعت مطہرہ کی پیروی اشد ضروری ہے نہ صرف ان لوگوں کیلئے جن کو ہر زمانے میں عوام سند پکڑتے ہیں اور وہ دین کے نام سے شہرت رکھتے ہیں۔

۳ فنا فی الشیخ۔ اپنے پیروں میں گم ہو جانا۔ سالک کے جذبات محبت جب کام کرنا شروع کر دیتے ہیں تو انوار محبت اور انوار تصور سالک کے وجود پر سپہم عکس ریزہ ہوتے ہیں۔ اور کچھ وہ اندر باہر ظاہر و باطن پر و مرشد کے رنگ میں رنگا جاتا ہے اور "گاٹا" ہوا ہوتا ہے۔

فرمایا کہ اب ان کو جلدی گھری لے چلو۔ نور گرم ہے۔ اب باپنی بھی چھڑکا تو آتش تنور اور بھڑکے گی اور حرارت بڑھے گی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو مغربی رحمت فرماوے۔ طوالت ضرور ہوگئی، ع

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتیم

۲۶۸ دوسرا جوان نور محمد بٹالوی حضور کی خدمت کے قیام کے وقت دیکھا۔ ایک ہی ہفتہ میں معلوم نہیں کہ چار پانچ بار آیا۔ لیکن پہلے دن کے سوا پھر زیارت نصیب نہ ہوئی۔ بلکہ ایک دو بار مجھے یاد پڑتا ہے، کہ کھانا تک بھی نہ کھلایا گیا اور نکال دیا گیا۔ خادم ہی فرمادیتے کہ حضور تمہارے رہنے سے سخت ناراض ہیں، اپنے کام میں جا کر مشغول ہو جاؤ۔

۲۶۹ جمعرات کو حاجی صاحب (سلمہ رتہ) نے اس کو رخصت کیا۔ اور پھر جمعہ کی اذان کے وقت لاہور سے ہی پھر واپس آ گیا۔ یہاں تک کہ حضور تشریف مسجد میں لے آئے۔ تو بیچارہ گھبرایا ہوا بھاگتا ایک کونہ میں جا پناہ گزیں ہوا کہ حضور کی نظر نہ پڑے۔ لیکن جب آپ نماز میں شاغل ہو گئے۔ تو نہایت درد مندانہ نگاہ سے حضور کے چہرہ مبارک کو دیکھتا تھا۔ لوگ نماز جمعہ میں مشغول تھے۔ اور یہ نماز عشق ادا کر رہا تھا۔ کیا خوب کسی نے کہا ہے

تجھ کو بھٹاکے سامنے یاد خدا کروں

بعد نماز جمعہ کے چلا گیا۔

۲۷۰ ہفتہ کو پھر اٹاری سے واپس آ گیا۔ اور لطف یہ کہ پریشانی نام تک نہیں۔ خادم کچھ بھی کہیں۔ کچھ کسی سے شکایت نہیں۔ اپنے حال میں مست۔

یہ حکایت پر لطف تھی اس لئے میں نے اسے کچھ لمبا کر لیا۔

ملا نور محمد بٹالوی۔ شاہکار رہنے والا ایک صاحب حضرت اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے وقت تو عشق و محبت کی یہ کیفیت تھی حضور کے وصال کے بعد بھی شوق دید میں مست ہے قبلہ حضرت شاہ اسماعیل صاحب کو مانوالا کی خدمت میں حاضری دیتا ہے، لاہور میں مقیم ہے۔

۳۲ محبت تیز ہو جائے تو اس کی لذت میں عقل کی پابندیاں چھوٹ جاتی ہیں اور سوائے محبوب اور محبت کے کچھ اور نہیں سوچتا۔ حدود شرعیہ کا ایسے موقعوں پر نگاہ رکھنا بڑی ہمت ہے اور ہر کہ و مر کا کام نہیں ایسے موقعوں پر حد کو ملحوظ رکھنے والے ہی صاحب کمال بنتے ہیں۔

ملا محبت کے دیوانے محبت میں فنا ہو جائیں تو ان کو راستے کی مشکلات کا احساس نہیں رہتا اور بشریت کی انانیت بھی نہیں ستاتی۔ کوئی کچھ کہے یہ اپنے حال میں مست ہوتے ہیں۔ لوگ ان پر ہنستے ہیں یہ لوگوں پر ہنستے ہیں۔

۲۴۱ ایک دن صبح کو حاجی صاحب نے فرمایا۔ کہ تم چلے جاؤ۔ کہا بہتر۔ بعد میں کیا دیکھتا ہوں۔ نہایت اطمینان سے غسل کیا۔ اور پھر درویش شریف میں مشغول ہو گیا۔ زان بعد تلاوت قرآن میں بیٹھ گیا، اتنے میں دس گیارہ بجے کا وقت ہو گیا۔ اور گریہوں کے دن تھے۔ چون تھا یا جولائی میں نے کہا کہ تمہیں رخصت تو ہو گئی تھی، ابھی یہیں ہو! بے چارہ کہنے لگا کہ اب تیار ہوں۔ کھانا اٹاری جا کر کھا ڈنگا۔ میں نے کہا کہ کچھ یہیں ہی پڑھ لوں۔“

۲۴۲ مجھے چونکہ ایسے پروانہ ہائے عشق سے نہایت محبت ہے۔ اس لیے ان کے حال و حال سے مجھے بڑا لطف آتا ہے اور جب کبھی کوئی مل جائے۔ تو میں غنیمت جانتا ہوں اور اس کے احوال پر رشک کھاتا ہوں۔

۲۴۳ نور محمد سے میں نے تعلق اور معیت کی وجہ پوچھی تو کہا کہ حضور مکان شریف تشریف لے گئے اور عرس پر میں بھی حاضر ہوا کہ کسی بزرگ کی زیارت کر آؤں۔ جب میں نے حضرت قبر مبارک میں صاحب روحی فداہ کو دیکھا، آپ کی صورت میرے دل میں بیٹھ گئی۔ میں دُور سے آپ کی طرف دیکھتا پھرتا تھا۔ اچانک حضرت مبارک صاحب بعد ایک خادم میرے پاس سے گزرے اور دبی زبان سے فرما گئے کہ ہمیں ایسے آدمی پسند نہیں۔ اس کے بعد میں نے اپنا کاروبار چھوڑ دیا۔ اور اسی حال میں پھرتا ہوں۔ یہاں رہنے نہیں دیتے۔ اور گھر میں رہ نہیں سکتا جب رخصت ہوتا ہوں تو کبھی لائل پور، کبھی لاہور، گاہے اس جگہ سے گاہے اس گاؤں سے، پھر بے تاب ہو کر آنکھٹا ہوں۔

۱۔ مکان شریف۔ جس کا دوسرا نام ہے رتڑ چھڑ۔ یہ ایک گاؤں ہے دریائے راوی کے کنارے ضلع گورداسپور

میں۔ یہ پاک سرزمین وہ ہے جہاں حضرت غوث زمان امام علی شاہ صاحبؒ، اور حضرت اعلیٰ

شاہ حسین بھورے والی سرکار مدفون ہیں۔ تقسیم ملک میں وہ ہندوستان میں چلا گیا۔

۲۶۳ اور سب سے بڑھ کر تعجب یہ کہ میاں صاحب یا آپ کے خادموں کی عدم التفات پر کوئی شکایت نہیں۔ بلکہ اپنے حال میں مست، بیباکی سے کہتے ہیں۔

۲۶۴ ایک بار سید نور الحسن صاحب جو آپ کے خلیفہ تھے۔ بہو جب ارشاد عالی گھر میں نہ جاتے تھے۔ اور شرفِ سعادت کو آپ کے ارشاد سے مقدم جانتے تھے۔ جناب حاجی صاحب اور دیگر احباب نے باصرار شاہ صاحب سے کہا کہ آپ (یعنی قبلہ میاں صاحب) آپ کے قیام سے سخت ناراض ہیں، آپ ضرور چلے جائیں۔ تو شاہ صاحب نے کہا، کہ میں تو چلا جاؤں گا لیکن میرے جانے کے بعد آپ لوگوں پر ہی حضرت ناراض ہوں گے۔ آپ کو کیا معلوم، کہ وہ کس زبان اور کس دل سے فرما رہے ہیں۔ میرے تعلقات میں آپ لوگ نہ آیا کریں۔

۲۶۵ بخدا یہ بات شاہ صاحب کی مجھے بڑی ہی پسند آئی۔ کہ راز ہائے الفت کے سینوں میں کسی دوسرے کی گنجائش کہاں! معشوق کے ناز کو عاشق ہی کچھ جانتے ہیں۔ دوسرے بے خبروں کو اس سے کیا خبر۔

۲۶۶ لیکن شاہ صاحب اگر تربیتِ جلالی کھا جاتے اور قرب پر دوری اور وصال پر ہجر کو اختیار کرتے اور بے سجادہ رنگیں کن گرت پیرمغاں گوید۔ پر عمل پیرا ہو جاتے۔ تو آج شاہ صاحب اپنی آخری سرحد پر ہوتے! اور اپنے پیر و مرشد علیہ الرحمۃ کے سفر و کرم سے وہ کچھ مضنم کراٹھتے جو کسی دوسرے کو کم نصیب تھا۔ کیونکہ شاہ صاحب کی طبیعت سوز و گداز سے پڑھتی۔ صرف ایک ٹھوکر کھانے سے کام بالاتر ہو نکلتا۔ اور وہاں پہنچتے جہاں دوسروں کی

۱۔ محبت کی بقراری درد کی بقراری کی طرح اپنی طرف ایسا مشغول رکھتی ہے کہ دوسری کسی کیفیت کا احساس بھی نہیں ہوتا۔
۲۔ سید نور الحسن شاہ صاحب۔

۳۔ فی الحقیقت صاحبِ محبت مرید اپنے محبوب اور کامل پیر و مرشد سے وہ راز و نیاز اور ایسے تعلقاتِ نفسی رکھتا ہے جو دوسروں کے خیال میں بھی نہیں آسکتے اور بسا اوقات محبتِ متعدی ہو جاتی ہے اور پیر اپنے مرید سے محبت فرماتا ہے۔ تراذمن اگر بر سید داغ است۔ نہ پنداری کہ نراں داغم فراغ است
۴۔ جلال رعب اب کو کہتے ہیں اور عظمتِ شان بھی اس کے معنی ہیں لیکن تعویف کی مطلق میں راہ مولانا میں جو تکیاں اور تکالیف، دوریاں اور فراق کی قیدیں اور مختلف قسم کے امتحانات ہوتے ہیں یہ سب یاد کا جلال کہلاتے ہیں اور سالک کو مہاب دے کر اللہ تعالیٰ تربیتِ جلالی فرماتا ہے۔

۵۔ مکمل شریعہ ہے، بے سجادہ رنگیں کن گرت پیرمغاں گوید۔ کہ سالک بے خبر بنو در راہ و رسم منزلہا
ترجمہ: اگر تجھے اپنا مرید بنانا ہے تو اپنے مہلتے کو شراب سے رنگیں کر دے تو ایسا کر دے کیونکہ سالک (کامل پیر) منزل (حق) کے طور طریقے اور رسوم جانتا ہے۔

نظر نہ پہنچتی۔ تاہم سوز و گداز نے ان کا پایہ بہت کچھ بلند کر رکھا ہے۔ اور بارگاہ الہی سے پوری توقع ہے کہ کسی دن یہ جوان اپنی جوانی پر پہنچ کر خلقت کی ہدایت کا باعث پورا پورا ہوگا۔ اور اپنے جمال سے اور اپنی طاقت سے کیوں گوگردائیاں دیگا۔ اللّٰهُمَّ زِدْ قِرْدًا وَلَا تَنْقُصْ۔

۲۶۶ کاش میری طبیعت میں بھی اس کا خمیر دیا جاتا۔ تاکہ میں بھی اس زمرہ میں شامل ہو کر سعادتِ ابدی حاصل کر سکتا۔ لیکن

نداؤندو در دست من اختیار
کہ من خویشتن را کنم بختیار

تاہم دعا ہے۔

۲۶۸ الہی دل پاک احمد کا صدقہ
نبی مکرم کے گنبد کا صدقہ
تیرے ذرروالوں کے مشہد کا صدقہ
محبت عطا کر محمد کا صدقہ

پیش دے خلش دے غم جان گسل دے
میرے دینے والے مجھے درد دل دے

۲۶۹ کسی دوست کو اس ناز اندازانہ سلوک سے تردد اور دقت نہ ہو بلکہ نہایت ہی خوش نصیب انسان ہے جسے برگزیدہ انسان کی ناز برداری کا موقعہ دیا جاتا ہے۔ ہر ایک کی قسمت میں مجنون بننا کہاں! اس جھائے ناز کی لذت وہی جانے جسے یہ نصیب ہو۔

ہائے کجبت تو نے پی ہی نہیں

۲۸۰ خود حاجی عبدالرحمن صاحب خلیفہ جناب حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ متواتر چھ سال سرزمینِ یثرب میں آوارہ و شرتِ محبت رہے۔ اب بھی ان کے سینہ سے بوئے کباب آتی ہے۔ گو وہ

۱۔ گردانیاں دینا۔ چکر دینا، مراد وجد کا پیدا کر دینا۔ یہ ایک پیش گوئی تھی جو بالکل حق ثابت ہوئی اور دنیا نے حضرت نور الحسن شاہ صاحب کے کلمات اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ کئی محبت کے متوالے اس دربار کے چکر کاٹتے رہے۔

۲۔ یا اللہ تو زیادہ سے زیادہ عنایت فرما اور کمی نہ فرما۔

۳۔ میرے ہاتھ میں قضا و قدر نے اختیار نہیں دیا کہ میں اپنے آپ کو خوش نصیب بنا لوں۔

۴۔ مشہد۔ جہتے شہادت یعنی قبر مبارک، جاں گسل۔ جان کو توڑنے والا۔ محبت کی آرزو بارگاہِ لایزالی سے بہترین آرزو ہے اور بہترین دعا۔

۵۔ کسی سے قربت کا باعث سعادتِ عظمیٰ ہے اور بڑا ہی خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو یہ دولت مل جائے۔

۶۔ یثرب، یثرب شریف۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے مدینہ منورہ کو یثرب کہتے تھے۔

خاموش نظر آتے ہیں۔ لیکن اندر ہی اندر محبت و درد کی ہنڈیا جوش کھا رہی ہے۔ اپنے درد سے نڈھال نظر آتے ہیں اور اس درد و محبت نے ان کو حضور قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں درجہ صدیقیت دلایا۔

۲۸۱ جمالی تربیت لینے والے زیادہ تھے۔ اور خود میرا نصیب بھی اسی جماعت کے ساتھ تھا۔ غیر مذہب لوگوں کے ساتھ ایسے طریقہ سے حضور پیش آتے کہ دیکھنے والا حیرت میں آجائے لیکن حضور کو یہ حصہ خلق براہ راست حضور انور (باپِ انت و امی) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ ملا ہوا تھا۔ اس لیے اُس کی نظیر اولیائے عظام کے حالات میں کم ملتی ہے۔

۲۸۲ آپ کو جب کبھی وقت نا وقت کسی غیر مذہب والے کے آنے کی اطلاع پہنچتی، تو فی الفور تشریف لاتے۔ بسا اوقات جب آپ کمزوری یا علالت طبع کی وجہ سے نیچے تشریف نہ لاسکتے اور مخلصین انتظار میں بیٹھے گھنٹوں گزار دیتے تو اچانک کسی غیر مذہب کی آمد ملاحظہ سے بھی بڑھ کر ہوتی۔ کیونکہ تمام خدام، تمام زائرین کو یقین ہوتا کہ اب آپ ضرور تشریف لائینگے خواہ طبیعت مبارک پر کتنا ہی شاق ہو۔

۲۸۳ چنانچہ آپ تشریف لاتے تو نہایت محبت کے ساتھ گفتگو فرماتے اور معاف کرنے تک پرواہ نہ فرماتے۔ کبھی اسے دباتے۔ کبھی اس کے چہرہ کی طرف دیکھتے۔ کبھی اس سے دوچار ہوتے خصوصاً سکھوں کے ساتھ نہایت محبت تھی۔ اور سکھوں کو بھی آپ سے خاص اُنس تھا اکثر حضور رحمۃ اللہ علیہ ان کی توجیدی محبت کا ذکر فرماتے۔

علا صدیقیت: صدیق ہونا یہاں مراد ہے ایسا قرب اور ایسی مقبولیت جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو روایات کائنات علیہ السلام سے تھی اور اصطلاح قرآنی میں نبی کے بعد صدیق کا لفظ اولیاء اللہ کے لئے استعمال ہوا ہے علا جمال: جلال کے مقابلے کا لفظ ہے۔ خوبصورتی کے معنی دیتا ہے۔ اور مراد راحت، آرام اور شفقت ہے۔ تربیت جمالی، ایسی تربیت جس میں تکالیف نہ ہوں اور آسانیاں سب موجود ہوں علا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ یہ فقہ صحابہ کرام کی زبان پر ہر وقت ہوتا تھا جب وہ حضور روایات کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوتے علا ہر ولی کی خصوصیت الگ الگ ہوتی ہے حضور روایات کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جامعیت اخلاق عالیہ میں غیر مسلموں پر ہر بانی کی خصوصیت واضح خصوصیت ہے اور یہ درجہ رحمت بعض کالمین کو عطا ہوتا ہے علا انتظار کے بعد حاصل ہونے والی خوشی کو ہلال عید سے تشبیہ دیتے ہیں علا معافتہ: گلے ملنا۔ علا سکھ: متحدہ پنجاب میں ایک قوم تھی جو سکھ کہلاتی تھی۔ اب وہ مشرقی پنجاب میں آباد ہیں۔ اگرچہ وہ ہندوؤں کا ایک حصہ ہے۔ لیکن توجیدی پرست ہیں اور بدن کے تمام بال قائم رکھنا ان کی ظاہری خصوصیت ہے۔ ان کی ڈاڑھی موچھ سر کے بال ہمیشہ جوں کے توں قائم رہتے ہیں۔

۲۸۴ ایک بار حاجی صاحب نے بموجب ارشاد عالی میری حالت مجھ سے دریافت فرمائی۔
میں نے عرض کیا کہ اور تو میں کچھ اب نہیں چاہتا۔ البتہ درد و محبت کی کمی اپنے میں بہت محسوس
کرتا ہوں۔ اور اس درد کی خواہش ہے

۲۸۵ کفر کا شر اور دین دیندار را۔ ذرہ درد سے دل عطار را

۲۸۵ جب میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ ایک بار میں امر تسر گیا۔ تو چند سیکھ مجھے دیکھ کر
کہنے لگے کہ تمہاری چپ (خاموشی) ہمیں کھائے جاتی ہے۔ تم کچھ بولو! میں نے ان سے دو چار
باتیں کہیں۔ تو وہ زار و زار رونے لگے۔ لیکن اصل بات تو یہ ہے کہ ان کو اپنے گور و کے ساتھ محبت
ہے اور ہمیں گورہ سے محبت نہیں۔ ورنہ میں یہاں کتنی باتیں کرتا رہتا ہوں۔

۲۸۶ آپ کو ان کا جذبہ محبت بڑا پسند تھا۔ جو دوسرے مذاہب کے لوگوں میں کم ہے۔ اسی
وجہ سے آپ ان لوگوں کو نہایت محبت کی نگاہ سے دیکھتے۔ اس کے علاوہ دیگر مذاہب والوں کے
ساتھ جذبہ انسانیت اور جذبہ سنت آپ کو اپنے طریقہ مخصوص میں مجبور کرتا۔ اور ہر ایک آنے
والے کو کچھ نہ کچھ نقد، آٹھ آنے یا روپیہ عنایت فرما کر فرماتے۔ یہ تمہاری روٹی ہے۔ کیونکہ
جو بھی حضور کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ اپنے آقائے نامدار سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ
علیہ وسلم کی طرح بلا کھلائے یا پلائے رخصت نہ فرماتے۔ سبحان اللہ و بحمدہ۔

وَضَعَى اللّٰهُ عَلٰى نُوْرٍ كَزَوْثِرٍ نُّوْرًا يَّسِيْرًا

زمین و رجب اوساکن فلک در عشق او شیدا

۱ کافر اپنے کفر میں ہے اور مسلم اپنے اسلام میں۔ لیکن عطار (خواجہ فرید الدین عطار) کو تھوڑا سا درد دل چاہیے۔
۲ ذکرِ خفی میں توجہ الی اللہ کا عکس جب سالک پر چھا جاتا ہے تو سالک پر محبت نثار ہوتی ہے اور ہمنشین کا جذبہ باطن
بھی بیدار ہو جاتا ہے۔

۳ سکھوں کو گور و نانک صاحب سے بے حد محبت ہے۔ اور یہ چیز ان کی اتباع سے واضح ہے۔ حضرت میاں صاحب
رحمۃ اللہ علیہ اہل محبت کو پسند فرماتے تھے۔

۴ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین تھے اور اپنے بیگانے سب پر یہ ابریکرم برستا تھا۔ اس
واسطے غیروں پر شفقت کرنا بھی سنت ہے۔

۵ اللہ تعالیٰ کا سلام ہو اُس نور مجسم پر جس سے نور پیدا ہوئے۔ زمین ان کی محبت میں ساکن ہے اور آسمان ان کے عشق میں گرد آواز

۲۸۷ ایک بار گنکار حاضر تھا۔ کہ ایک ہندو بابو حاضر ہوئے جو ملکہ ڈاک خانہ میں سے تھے۔ آپ تشریف لائے۔ ان کے پاس آکر بیٹھ گئے۔ حال و احوال دریافت فرمائے۔ کوئی تکلیف تو نہیں! کون افسر ہیں، اور کیسا۔ پھر فرمایا۔ آج کیوں آئے۔ عرض کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔ تو آجاتا ہوں۔ آپ اپنے دست مبارک سے حسب معمول دبانے لگے۔ کچھ دیر کے بعد فرمایا۔ اب تو طبیعت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اس نے عرض کی جی ہاں۔ فرمایا۔ اگر اسی طرح ہر وقت رہے تو بہت اچھا ہوگا۔ آپ لوگوں کو لوگوں سے معاملہ کم ہے۔ بیٹھ لکھتے رہے اور توہیں توں کرتے رہے۔“

۲۸۸ ایک بار ایک ہندو معمر آئے۔ تو آپ نے کچھ نقدی روٹی کے لیے عنایت فرمادی۔ وہ بے چارے آپ کی کرم بخشی اور مہمان نوازی سے ناواقف تھے۔ وہ انکار کرتے اور آپ اصرار فرماتے۔ پھر خادم سے آں قبیلہ حاجات نے فرمایا کہ ان کو کہو کہ یہ ضرور لے لیں۔ لیکن وہ سمجھے کہ شاید آپ ناراض ہیں کہ میرا ہدیہ بھی قبول نہیں فرمایا۔ لہذا اپنے پاس سے کچھ دیتے ہیں۔ آخر بہ ہزار وقت ان کو نقدی دی گئی کہ یہ تمہارے لیے برکت ہے اور یہ حضور کا خاصہ ہے، ناراض نہیں۔

۲۸۹ ایک بار ایک جوان کشمیری کو رخصت فرمایا اور آپ بھی اوپر جانے لگے۔ جوان کی طبیعت بھر گئی۔ آپ نے چہرہ کو دیکھ کر فرمایا ”اچھا دو تین دن اور یہاں رہ لو۔“ حضور تو تشریف لے گئے۔ لیکن یہ جوان اس درد سے پھوٹ پڑا کہ گویا پانی کا بھرا گھڑا ہاتھ سے

۱۔ توں ہی توں؛ اللہ تعالیٰ کو مخاطب ہے کہ تو ہی ہے ادا باقی کچھ نہیں۔ غیر مسلم بھی خدا کو مانتے ہیں لیکن غیر اللہ کو شریک بناتے ہیں تو ہی تو کا درد نبلہ کر لآ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا غلامہ درد کے طور ان کو عنایت فرمادیا۔ یہی ہے اہل تبلیغ اسلام جب وہ کامل کے انفاس قدسیہ سے اثر لے کر تو ہی تو پکاریں گے تو توحید اور اسلام ان کے رگ و ریشہ میں سما جائے گا۔

۲۔ بوڑھا ہندو؛ اولیاء اللہ کے پاس غیر مسلم کیوں آتے ہیں ہر اہل توحید میں جذب کامل موجود ہے جب کوئی بندہ حقیقی توحید سے سرشار ہو جاتا ہے تو وہ کشش اور جاذبیت میں مفاطیس کا ایک پہاڑ بن جاتا ہے۔ ہر چیز کشاں کشاں آ رہی ہوتی ہے۔ اور وہ مرکزیت کے فرائض انجام دے رہا ہوتا ہے اور ہر تنفس اس کشش سے متاثر ہوتا ہے۔

۳۔ اولیاء اللہ کی پہلی نظر کے مختلف خواص ہوتے ہیں حضرت میا صاحب نرقیوری رحمۃ اللہ علیہ کے جذب میں ہمہ وقت قلب کی تاثیرات غالب تھیں سدا تمند لوگوں پر گریہ طاری ہو جاتا تھا۔

گر پڑا۔

۲۹۰ ایک لوجوان سید عالم دیوبند سے فارغ التحصیل گجرات شہر کے رہنے والے حاضر ہوئے۔ اور زائرین میں سے دو آدمی ایک سید صاحب اور دوسرے مولوی صاحب بھی ان کے ہمراہ جامعہ مسجد شرقیہ میں ہو گئے۔ یہ دونوں بزرگ میرے بھی واقف تھے۔ آپس میں بے تکلفانہ باتیں رات کو کرتے رہے۔ مجھے بھی بلایا۔ لیکن میں جانتا تھا کہ ایسی مجلسوں اور محفلوں کا انجام ایسے مقام پر کیا ہوتا ہے اور میں خود دل میں کڑھتا تھا کہ ان کو اتنی ہوش نہیں۔ مگر چونکہ وہ سید زادے تھے اور یہ مولوی، اور اپنے اپنے زعم میں کچھ تھے بھی، میں نے کچھ نہ کہا۔ لیکن دل میں تھا کہ اب دیکھئے صبح کو کیا پیش آئے۔ صبح کو حضور نے بلا دریافت رحمت فرمایا۔ گو ان میں سے ایک کی درخواست تحریری گزری اور مدت کے آنے جانے والے تھے۔ لیکن کچھ بھی انتفات نہ فرمائی۔ اور مولوی صاحب جو کئی دن میرے ہمراہ حضور کے خاص مہربانیوں کا مورد ہو چکے تھے۔ اور آپ نے کئی بار خلوت میں ان سے باتیں کی تھیں۔ مگر اب کے نام تک دریافت نہ فرمایا۔ بلکہ توجہ تک نہ کی۔ تیسرے جوان ایک دو باد آئے تھے۔ اور اس مرتبہ کوئی عالم رویا کا واقعہ دیکھ کر آئے تھے۔ ان کی طبیعت بھرا آئی۔ آپ نے ان کا چہرہ دیکھ کر فرمایا۔ کہ اچھا تم کسی قدر ٹھہراؤ۔ چنانچہ بالا خانہ پر بلا کر کچھ فرمایا۔

۲۹۱ ایک دفعہ کئی آدمی لوہیانا کے آئے۔ آپ نے ذکر کی تلقین فرمائی۔ پھر فرمایا۔

۱۔ اصلاح قلب کے مقصد کے لئے اسی مقصد کی ضروریات درکار ہیں۔ خاموشی۔ تنہائی۔ ذکر و فکر۔ مجالس اور محافل، گفتگو میں اور بے تکلفیاں نقصان دہتی ہیں۔

۲۔ حضرت امام غزالیؒ تکر کے اسباب میں ایک سبب بیان فرماتے ہیں کہ تکبر اپنے خاندان اور نسب پر فخر کرتا ہے اور یہ مادہ فطرت میں موجود ہے اور اس کی اصلاح سے کام بنتا ہے اور ایک قسم تکبر اپنے علم پر اترانا بھی ہے اور بغیر اصلاح قلبی کے بظاہر ایک فضیلت یعنی علم اس طرح ایک مذہبیت بن جاتا ہے۔

۳۔ عارف کامل پر ان کی بے راہ رویوں کا عکس پڑتا تھا جو نتیجہ خیز ثابت ہوا۔ اور سفر کی تمام محنت اکارت گئی۔

کہ کیا کام کرتے ہو۔ انہوں نے عرض کی۔ کہ سفید باف ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر تو عجب بات ہے، ایک طرف سے نال ڈالی تو یارحیم کہا۔ دوسری طرف ڈالی تو یارحیم۔ اور دیتیک اپنے ہاتھوں کو حرکت دیتے رہے۔ اور زبان سے یارحیم یا کریم کہتے رہے۔ سبحان اللہ! عجب حال تھا۔ آنکھیں بند تھیں۔ ہاتھ زبان کے ساتھ برابر چلتے تھے اور معلوم نہیں، خود حضور کس عالم میں تھے۔

۲۹۲ ایک بار دو آدمی جوان خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے۔ ایک کو فرمایا کہ کیوں آئے؟ اُس نے عرض کی کہ گنہگار ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ آئندہ گناہ نہ کرنا۔ اس نے کہا کہ آئندہ کے لئے تو گھر میں ہی توبہ کر کے آیا۔ میں تو گذشتہ گناہوں کے لئے حاضر ہوا ہوں اس پر آپ نے فرمایا: تم نے مجھے کیا سمجھا! لیکن خوشی سے چہرہ مبارک سُرخ تھا۔ اس نے عرض کی کہ شکر سمجھ کر آیا۔ بس پھر کیا تھا۔ چہرہ مبارک روشن تر ہو گیا۔ گویا بدر ہے مگر چونکہ وہ دل سے کہہ رہا تھا۔ اس لیے خلاف عادت زبان مبارک سے کچھ بھی نہ فرمایا بلکہ مرید پریمی کی طرح برس پڑے اور نہایت محبت سے یقین ذکر فرمائی۔

۲۹۳ غرض آپ کی طبیعت مبارک نہایت طینت شناس تھی، اور ہر ایک طبیعت کے جزوی فرق کو بھی واگزار نہ کرتی۔ وہی سلوک ہوتا جو عین طبیعت طالب اور زائر کے مطابق ہوتا۔ اب میں اس حسن سلوک اور مہربانی کے فراواں، اور کرم ہائے شانانہ کا ذکر کرتا ہوں جو اس بے مایہ ہیچ میرز کے ساتھ آل عالی جناب قدوۃ الکاظمین زبدۃ العارفین نے ابتداء سے لے کر انتہا تک فرمائے۔

- ۱۔ یارحیم یا کریم کا وظیفہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ بعض زائرین کو فرماتے۔ اور حضور میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سنت میں میرے قبضہ و کعبہ بھی بعض مریدین کو یہی وظیفہ پڑھنے کا حکم دیتے ہیں۔ عموماً ایک ہزار کی یا گیارہ سو کی تعداد ہوتی ہے۔
- ۲۔ ولی اللہ کا ظاہر، باطن کا آئینہ ہوتا ہے۔ ظاہر کیفیت سے پُر ہوتا باطن مشاہدہ کے بام پر جلوہ گر ہوتا ہے۔
- ۳۔ دل سے نکلے ہوئے تعریفی کلمات بعض اوقات اولیاء اللہ کی شفقت کو کھینچ لاتے ہیں۔
- ۴۔ جس طرح مادی حسن جزئیات سے بنتا ہے۔ بالکل اسی طرح باطنی کیفیت کا کمال بھی روحانی جزئیات سے بھر پور ہوتا ہے۔ اور جزئیات کا چھوٹے سے چھوٹا فرق بھی صاحب کمال کی نظر میں ہوتا ہے۔
- ۵۔ سالکین کا رہنما۔ عارفوں کا خلاصہ۔

حُسنِ قسمت سے ملا تھا ہم کو استا و شفیق
صُبحِ کل، آزاد، خوشدل، مہربان بے حد شفیق

ایک طرف تو آوارہ و شتِ تلاش کھوکھو کریں کھاتا چشمہ آبِ حیات پر پہنچا۔ اور دوسری
طرف سے حضرت قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی محبتِ خاندانِ مرقدِ صوفی کے حالات اور
واقعاتِ خاندانی سُن کر اندر ہی جوش کھا رہی تھی۔ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ
کو حضرت جد امجد رحمۃ اللہ علیہ سے جو محبت اور اخلاص تھا اُس کا اندازہ وہی لوگ کر
سکتے ہیں جن کو آپ سے گہرا تعلق تھا۔ بات بات پر حضرت جد امجد رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر
فرماتے اور ہر ایک امر میں آپ کو نظیراً پیش فرماتے۔ کسی مخلصینِ حضورِ حبِ علاقہ شاپور
میں کسی وجہ سے آئے، تو حضرت جد امجد رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ انور پر حاضر ہو کر فرار
ہوس ہوئے۔ کیونکہ آپ ایسا ارشاد فرماتے تھے۔

۲۹۵ ایک بار صوفی ابراہیم صاحب نے حضرت جد امجد رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کرتے ہوئے
آپ سے بیان کیا۔ کہ صوفی چراغِ الدین صاحب کنگے ضلع گجرات کو آپ کے بہت سے
واقعات اور حالات یاد ہیں، اور نہایت درد سے بیان کرتے ہیں۔ آپ نے صوفی صاحب
کا پتہ لیا اور قصور شریف سے سیدھے درس میاں و ڈا صاحب تقریباً بارہ بجے رات
کو پہنچ گئے۔ خود حضور تو باہر ایک تالاب پر تشریف فرما ہو گئے اور صوفی صاحب کو بلوایا
صوفی صاحب حیران، کہ الہی! کیا ماجرا ہے؟ کہ آدھی رات کو یہ بزرگ تشریف لے آئے
حاضر ہوئے تو فرمایا کہ میں نے بھائی محمد ابراہیم صاحب سے سنا ہے کہ آپ کو حضرت صاحب
بیربل والا کے بہت سے حالات یاد ہیں، میں صرف اُن کے سُننے کے لئے آیا ہوں۔

علاؤ اللہ کو چشمہ آبِ حیات کہنا کتنی خوبصورت تشبیہ سے واقعی روحانی زندگی کا احساس اور رُوح کی بیداری کامل مرشد کی تربیت سے حاصل ہوتی ہے۔
حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے اور آپ میرے قبیلہ و کعبہ محبوب الہی حضرت محمد عمر صاحب ام ظہار کے جد امجد ہیں۔ بیربل شریف میں
روضہ مبارک ہے۔ آپ اپنے وقت کے کامل ولی اللہ تھے اور علم و عمل کا ایک نہایت خوبصورت مجسمہ ایک جہان نے آپ سے علم و عرفان کا فیض پایا۔
ملا صوفی محمد ابراہیم صاحب قسوی سنہ ۱۲۸۰ ہجری میں حضرت اعلیٰ بیروٹی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اور حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے۔ جو اس تھا
اکثر آپ کی خدمت میں تشریف لاتے میاں صاحب بھی اُن پر بے حد مہربان تھے۔

علاؤ اللہ صوفی چراغِ دین صاحب موضع کنگے ضلع گجرات کے رہنے والے تھے حضرت اعلیٰ بیروٹی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔
روضہ قصور۔ مشہور قصبہ ہے ضلع لاہور کی تحصیل ہے لاہور سے ۴۰ میل کے فاصلے پر جانب جنوب واقع ہے۔
حضرت محمد اسماعیل عرف میاں و ڈا صاحب رحمۃ اللہ علیہ مغلیہ پورہ لاہور میں آپ کا مزار مبارک ہے۔

۲۹۶ صوفی صاحب کو اپنے پیر و مرشد علیہ الرحمۃ سے جو محبت تھی، وہ بیان نہیں ہو سکتی لفظ لفظ پر صوفی صاحب کے آنسو گرتے تھے۔ اور حضرت میاں صاحب جذبہ محبت سے تڑپتے تھے۔ غرض صبح صادق تک یہ دونوں پروانہ ہائے محبت، ذکر حضرت صاحب سے جلتے اور تڑپتے رہے اور نور ظہور ہونے سے پیشتر ہی الگ الگ ہو گئے اور کسی کو پتہ تک نہ لگا کہ رات کیسی کٹی؛ سوتے یا تڑپتے۔

۲۹۷ ایک بار آنحضرت رحمۃ اللہ علیہ اسی طرح موضع لنگے خوجے ضلع گجرات میں بھی صوفی صاحب کے پاس جا پہنچے اور اپنی پیاس بجھا کر واپس ہوئے۔ خود حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی میں نے وہ حالات حضرت جدا مجد رحمۃ اللہ علیہ کے سنے۔

۲۹۸ جن کو میں خود نہ جانتا تھا اور نہ کسی سے سنے تھے۔ مثلاً آپ نے فرمایا تھا کہ حضرت صاحب کس طرف اور کس رخ بیٹھا کرتے؛ میں نے عرض کی شمالاً۔ آپ نے فرمایا ”مجھے تو خیال ہے کہ شمال و مغرب کے رخ ہوتے تھے۔ چنانچہ جب میں نے میاں کرم الدین صاحب سے (جو ایک مدت آپ کی خدمت میں حاضر رہے تھے) دریافت کیا۔ تو بعینہ اسی طرح بتلایا۔

۲۹۹ جب کبھی کوئی حضرت جدا مجد رحمۃ اللہ علیہ کا مرید آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ تو نہایت مہربانی فرماتے۔ اور اکثر ان الفاظ سے پوچھتے کہ ”تم نے ان آنکھوں سے حضرت صاحب کو دیکھا؟“ بھلا جب تم نے ان کو دیکھا ہے تو یہاں آنے کی کیا ضرورت۔ اکثر گلے لگا لیتے، حالانکہ اس آخری زمانہ میں مصافحہ عوام سے بھی پرہیز فرماتے۔

۳۰۰ ایک تو یہ محبت تھی۔ اس پر واقعات اور اختلافات خاندانی کی اطلاع نے حضور

۱۔ محبت اور جدائی جب اکٹھے ہو جاتے ہیں تو ذکر محبوب رقت مجسم بن کر چھپا جاتا ہے۔

۲۔ عارف کامل کے سامنے بعض مطلوبہ واقعات کی تصویر آجاتی ہے۔

۳۔ میاں صاحب پنڈی لالہ ضلع گجرات کے رہنے والے ہیں حضرت اعلیٰ بیرونی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور خادم لنگہ پھر حضرت ثانی صاحب حضرت احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کی۔ تا آنکہ میرے قبل و کعبہ حضرت مرشد محمد عمر صاحب مدظلہ العالی نے خرقہ خلافت عنایت فرمایا اور پنڈی لالہ میں ہمیشہ مقیم رہنے کا حکم دیا۔

۴۔ حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت اعلیٰ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کمال محبت و عقیدت تھی جس کا اظہار آپ ہمیشہ فرماتے۔

۵۔ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ظاہر تکلفات اور رسوم سے بے حد پرہیز فرماتے اور اس خیال سے کہ عموماً لوگ دست بوسی کرتے ہیں مصافحہ سے حتی الوسع پرہیز فرماتے۔

کی طبیعت اور آپ کی محبت کو اور بھی جوش دے دیا۔ یہی وجہ ہوئی کہ وہ سرچشمہ محبت جو مدت سے ابل رہا تھا۔ صرف دیکھنے پر امند آیا۔ اور ندی نالے کی طرح نہیں، بلکہ سمندر کی طرح موج زن ہو گیا۔ آخر اپنی وسعت بے انداز سے میری حقیر سستی کو پہلی نظر سے فنا کر گیا اور کھا گیا۔

۳۰۱ گو تمام کالمین سر اسر محبت ہوتے ہیں اور ہر ایک مخلص اور عقیدت مند خیال کرتا ہے کہ مجھ ہی سے آپ کو خاص محبت ہے۔ جیسا کہ سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آپ کی ذات بابرکات کی بابت خیال کرتے کہ ان رحمۃ للعالمین کو مجھ سے ہی محبت ہے۔ لیکن اگر آپ کی ذات سرمایہ سعادت کو کسی ایک صحابی کے ساتھ خاص محبت ہوتی تو رحمۃ للعالمین لقب کیوں کر پانے۔

۳۰۲ مگر جو لوگ اس آخری دور میں حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ ان کو میرے پچھلے بیان کی تصدیق خود بخود ہو جائے گی۔ میرا اپنا ضمیر تو یہی کہتا ہے کہ حضور کو جو محبت (بوجہ آبا و اجداد رحمۃ اللہ علیہم کے) اس روسیہ نالائق، بیچپدان، پیچیر سے تھی۔ کسی دیگر کو اس سے بہت کم حصہ ملا۔ ہاں میں خود شور زمین کی طرح تھا کہ متواتر بارانِ رحمت کے باوجود پھر بھی سرسبز نہ ہوا۔ مگر بارانِ محبت کی کمی نہ تھی۔ جب کبھی آپ کی نظر اٹھتی۔ تو محبت بھری اٹھتی۔ درد بھری ہوتی۔ جب کبھی دستِ التجا بارگاہِ الہی میں اٹھاتے تو انہیں الفاظ سے اٹھاتے۔ **وَأَفْوِضْ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ۔** **إِنَّ اللَّهَ بِصَبْرٍ بِالْعِبَادِ۔** ایک بار نہیں۔ بلکہ ابتدا میں تو گیارہ گیارہ بار اس آیت شریف کا تکرار فرماتے۔ دستِ سوال دراز ہوتا اور نظر مبارک التجا سے پر۔ آسمان کی طرف

۱۔ فنا اصطلاح تصرف میں وہ کیفیت ہے کہ سالک سوا اللہ کے خیال سے ہر طرف کر دیا جاتا ہے اور دنیا کی ہوا و موس اور ہونے نہ ہونے کا خیال غیر مؤثر بن جاتا ہے اور خوشی غمی کے اسباب کی تاثیرات جاتی رہتی ہیں، کامل پیر کی پہلی نگاہ نے اکثر اوقات مستعد مرید کو فنا کی کیفیت عطا فرمادی۔
۲۔ کامل پیر کی خصوصیت میں اول دُجے پر وہ کیفیت ہے جو جاذبیت کی ابتدا ہے یعنی محبت اور اس کے بغیر نہ کوئی کامل فنا ہے نہ سالک۔
۳۔ مرید کی کیفیت اپنے پیر کا انکاس ہوتی ہے اور چونکہ وہ عکس اپنی استعداد کے مطابق مخلص مریلے رہا ہوتا ہے اس لیے اپنے آپ کو وہ منفرد سمجھتا ہے۔
۴۔ خود حضرت (میرے پیر) مشرف تہ لیلہ کی ذات سرا پا محبت ہے اور حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو قبولِ محبت کی ایسی بلند استعداد والا کوئی دوسرا نہیں ملا اس واسطے اپنی محبت کا تمام خزانہ ادھر منتقل فرما دیا۔ میں اپنے کام کو اللہ تعالیٰ کے سپر کرتا ہوں بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے۔
۵۔ وہاں محبت ہو تو ہاتھ بے اختیار پیر اُمید سوا کی طرح آگے بڑھ جاتے ہیں دستِ سوال دراز سے یہاں مراد ہاتھ اٹھے ہوتے نہیں بلکہ ہاتھ لیجے ہو جاتے مخلص دعا کرنے والا اس کیفیت اور حالت کو خوب سمجھتا ہے۔

گاہ ہے بلند اور گاہ ہے قلب مبارک پر اور کبھی کبھی پہلی قدم بوسی ہی میں میرا ہاتھ بکڑیہ التجا بارگاہ
ایزدی میں فرماتے۔ اور آخر ایام میں تین مرتبہ تکرار آیت شریف فرماتے۔ آخر ذیقعد ۱۳۱۷ھ میں
حاضر ہوا۔ آپ کی طبیعت مبارک نہایت کمزور تھی۔ آپ مالش کر رہے تھے۔ دو نو چار پائیوں
میں فاصلہ ذرا زیادہ تھا۔ آپ نے ہاتھ مبارک بڑھایا اور فرمایا۔ چار پائی بہت دور رکھی گئی
ہے۔ پھر فرمایا ”حوالہ بخدا سبحان اللہ! آپ کی نگاہ محبت میرے سر و چشم کو بوس رہی تھی
اور میری نگاہ نیاز آپ کے قدموں کے بوسے نے رہی تھی۔ یہ وہ کیفیت ہے جو نہ زبان پر
آسکتی ہے نہ قلم پر۔“

نہ بھولا ہوں نہ بھولوں گا حشر تک میں کبھی دل سے
مزے جو جو ارے قاتل اتیری تلوار میں آئے؛

۳۰۳ ابتداءً تو مجھے آپ کی اس دعا کا پتہ نہ معلوم ہوا۔ لیکن دوسری تیسری مرتبہ یہ
راز خود بخود دل پر کھل گیا کہ اہل بیت کی شمولیت کا فخر الحمد للہ حاصل ہو گیا۔ اکثر بزرگان
سلف کا یہی طریقہ چلا آیا کہ جس کو تلقین فرماتے۔ پہلے اُس کو اپنی فرزندگی میں لیتے چنانچہ
رشتہات میں جا بجا اسی طرح مذکور ہے۔ آپ کا بھی یہ دستور بعینہ تھا۔ بات بات پر فرماتے
کہ ”اپنوں سے توبہ نہیں کہا گیا“ ”اپنوں کے لئے تو اجنبیت نہیں“ چنانچہ ذکر گذر گیا۔
کہ جب میں نے مسجد میں اعلان سنا کہ آپ کو خطوط کے ذریعہ تکلیف نہ دی جائے۔ کیونکہ
فرصت کم اور نظر مبارک اور دماغ مبارک کمزور، تو میں نے بھی کوئی عریضہ آپ کی خدمت
میں روانہ نہ کیا اور حاضر ہونے ہی وجہ دریافت فرمانے کے بعد قاری صاحب فرمایا۔
”کہ اپنوں کے لئے توبہ نہیں کہا گیا“

۱ آیت سے مراد ”أَفْوَضُ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ“ (ترجمہ: میں اپنے اس مقصد کو خدا کے حوالے کرتا ہوں)

۲ اول تو یہ آیت اپنی خاص نسبت کی کسی خاص شے کو اللہ کے سپرد کرنا۔

دوم تین مرتبہ ایک کلمے کو دہرانا سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

۳ اللہ کے حوالے۔ اگرچہ یہ جملہ عام استعمال ہوتا ہے لیکن اولیاء اللہ اسے جب استعمال کریں

تو معانی خاص ہو جاتے ہیں۔

۴ محبت کی نیاز اور محبت میں جدائی کی کیفیت کا بیان کیا خوب ہے۔

۵ کامل مرشد اپنے مخلصین کو اپنی اولاد سمجھتے ہیں اور جسمانی اولاد بیشک مادی ورثہ پاتی ہے۔ لیکن روحانی اولاد

روحانی ورثہ حاصل کرتی ہے۔ مولانا جامی کی کتاب ہے جو تصوف کے حقائق پر مشتمل ہے۔

۳۰۴ پہلی حاضری پر جب واپس روانہ ہوا تو حاجی صاحب کو میرے ہمراہ موٹر پر بیٹھانے کے لئے روانہ فرمایا اور کرایہ موٹر بھی عنایت کیا۔ میں نے ہر چند حاجی صاحب سے عرض کی کہ آپ تشریف لے جاویں۔ لیکن انہوں نے فرمایا کہ آپ دریافت فرمائیں گے تو میں کیا کہوں گا۔ موٹر چلنے کے بعد جاؤں گا اور آپ کو اطلاع کروں گا۔

۳۰۵ دوسری بار حاضر ہوا تو عشنا کے وقت رحمت کے لئے طلب فرمایا۔ قاری صاحب بھی موجود تھے۔ پہلے کچھ دیر آپ مراقبہ رہے۔ زماں بعد چپکے سے میری چادر کا دامن پکڑ کر کچھ باندھنے لگے۔ میں نے معذرت کی۔ فرمایا کہ اب کے تو جانے دو۔ پھر نہ سہی۔ لیکن میں برابر معذرت کر رہا تھا۔ اتنے میں قاری صاحب بولے کہ حضور کی جس طرح مرضی ہے اسی طرح خوشی سے تم قبول کرو۔ مجھے اس سے سخت ندامت آئی کہ نذر و نیاز تو پیش نہیں کی۔ الٹا باندھ لے چلے۔ مگر خیال تھا کہ ایک دو روپے ہوں گے ترک تھی سہی۔ لیکن بوجہ ندامت دو دن تک کھول کر نہ دیکھا کہ کیا ہے۔ آخر مجھے خیال آیا کہ کہیں گرہی نہ جائے۔ میں نے دیکھا تو ایک نوٹ دس روپے کا شکن دے کر ایک روپے کے برابر کر لیا گیا۔ اور ایک روپیہ۔ ایسا حیران کہ کیوں نہ اسی وقت دیکھ لیا۔ اور آپ سے معذرت کرتا۔

۳۰۶ اس کے بعد بھی کئی بار کرایہ موٹر حاجی صاحب کو آپ دے دیتے اور حاجی صاحب عین وقت روانگی میرے حوالے فرماتے۔ آخر میں نے حاجی صاحب سے التجا کی کہ مجھے اس سے سخت صدمہ ہوتا ہے کہ لنگر کی خدمت تو ہم سے قبول نہ سہی۔ لیکن الٹا ہم نقصان بھی لنگر کو دیں تو ہماری کتنی برائی اور رسوائی ہے تب جا کر میری عرضی منظور ہوئی۔

۱۔ مرشد کی بڑی عنایت توجہ ہے۔ اگرچہ وہ ہر آن مرید کو پہنچتی ہے تاہم ارادہ اور کوشش

سے جو توجہ ہوگی وہ کچھ اور ہوگی۔ مرید کے ظرفِ کامل کی ضرورت ہے۔

۲۔ تبرک کے لفظی معنی برکت حاصل کرنا ہے۔

۳۔ اور بزرگوں سے نسبت رکھنے والی ہر چیز با برکت ہوتی ہے۔

۴۔ اس لئے اس کا جو حصہ بھی جس کے پاس ہوگا موجب برکت ہوگا۔

۵۔ اگرچہ رزق منجانب اللہ ہوتا ہے لیکن اسبابِ ظاہر بھی ذریعہ ہیں۔

۶۔ بزرگوں کا لنگر خود اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس چلاتی ہے تاہم مریدین کا لنگر کی خدمت کرنا لنگر

کے لئے ایک ظاہر سبب بن جاتا ہے۔

کریم النفسی کی ایسی پاک مثال زمانہ حاضرہ میں کہاں ملتی ہے۔ موجودہ وقت کے بزرگوں میں یہ صفت کہاں خواہ وہ غوث ہوں یا قطب۔

۳۰۷ زان بعد کئی بار میں نے اپنا نذرانہ حاجی صاحب کی معرفت پیش کیا۔ لیکن کبھی منظور نہ فرمایا۔ بلکہ آپ فرماتے کہ ان کو دیں نہیں تو میں کیونکر، وہ گھر بھی ہمارا یہ گھر بھی ہمارا۔
۳۰۸ الغرض شعبان ۱۳۴۷ھ کو میں حاضر ہوا۔ تو میرے پاس کئی سو کی رقم تھی جو کہیں سے مل گئی تھی۔ میں نے موقع کو غنیمت سمجھا کہ نہ تو قرضہ لیا گیا۔ نہ نوٹ گھسٹ کا مال ہے۔
آپ ضرور اچھے قبول فرمائیں گے۔ موقع لے کر بالا خانہ پر حاضر ہوا۔ صرف ایک خادم میاں ابراہیم صاحب حاضر تھے۔ میں نے چپکے سے ایک سو کا نوٹ آپ کے زانو مبارک کی طرف سرکا دیا۔ لیکن آپ تاڑ گئے۔ ہاتھ مبارک سے پکڑ لیا اور کھول کر ملاحظہ کیا۔ اس کے بعد میری طرف بڑھا کر فرمایا کہ لے لو۔

۳۰۹ میری آنکھیں پہلے ہی نیچی تھیں اور شرمندہ تھا۔ آپ کے اس کہنے نے میری آتش محبت پر نیل کا کام دیا۔ میرے آنسو پھوٹ آئے۔ اور ساون گھٹا (برکھارت) کی طرح برسنے لگے۔ لیکن میں نے ہاتھ نہ بڑھایا۔

۳۱۰ اور زبان سے بے اختیار کہتا جاتا تھا۔ قبول فرمائیے اچھے تو آپ منظور فرماویں لیکن آپ بدستور اذکار فرماتے رہے۔ اور جھٹ جیب میں ہاتھ ڈال کر کئی نوٹ نکال لئے۔ ایک نوٹ اور ایک روپیہ لے کر میرے ہاتھ دیا کہ زیادہ نہ سہی یہ تو ضرور لے لو۔ ضرور لے لو۔

میاں ابراہیم صاحب نے میری نذر قبول فرمانے کے لئے میری سفارش کی تھی۔

- ۱۔ کریم النفسی : فطرۃ سخی ہونا۔ تمام صفات فطرت میں ہوتی ہیں جب کوئی صفت خیر تربیت پا جائے تو اس کا کمال ظاہر ہو جاتا ہے۔ ولایت اور سخاوت میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ولی اللہ سخی ہوتا ہے۔
- ۲۔ مخمس مرید دل کا نذرانہ پیش کرتا ہے۔ اقد قلباً ہر چیز فشر بان کرتا ہے جس کے نتیجے میں مرشد کامل کی روحانی برکتوں کے ساتھ ساتھ مادی شفقتیں بھی مرید کے لئے وقف ہو جاتی ہیں۔
- ۳۔ محبت اگرچہ خود در ثقت ہے۔ تاہم محبوب کی بعض ادائیں کھا جاتی ہیں اور محبت کے دریا میں طوفانی لہریں اٹھتی ہیں۔ (یعنی محبت کی آگ بھڑک اٹھی)۔
- ۴۔ میاں محمد ابراہیم قصوری رحمۃ اللہ علیہ جو حضور اعلیٰ پیر بلوی خواجہ غلام مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اور حضرت میاں صاحب کے دوست اور متمد علیہ۔ آپ عزیز معرفت کے مصنف ہیں پہلے بیان ہو چکا ہے۔

لیکن کارگر نہ ہوئی۔ مگر یہ معلوم نہ تھا کہ اس مایہ ناز ہستی کی کریم انفسی کی اتنی بلند پروازی ہے کہ ہمارے خیال میں بھی نہیں۔ آخر اصرار و انکار کی نوبت مبالغہ تک پہنچ گئی اور مجبور ہو کر میں نے آپ کے ہاتھ مبارک کے دئے کو مسٹھی میں لے لیا۔

۳۱۱ اسی کشمکش میں آپ نے فرمایا ”کہ ہندو بھی تو فرزند قبول کر وہ کے گھر سے پانی نہیں پیتے۔ ہم مسلمان ہو کر بھلا کیونکر یہ اٹھالیں۔“

سبحان اللہ یہ ہے یگانگت۔ یہ ہے تعلق ذاتی اور محبت ذاتی اور یہ ہے اخوت یعنی یہ ہے رشتہ طریقت اور تفسیر من لَمْ یُرْحَمْ صَغِيرًا فَلَيْسَ مِنَّا۔

۳۱۲ کیا کوئی اب ایسی مثال ہے جس سے میں اپنی اشک شونی کر سکوں اور وہ گلاب کہاں جس سے میں اس گل کی بوسونگھ سکوں۔ رومی علیہ الرحمۃ تو فرما گئے۔
بوئے گل را از کہ یا ہم از گلاب

لیکن گلاب کہاں؟

۳۱۳ اس کے علاوہ کئی بار حاجی صاحب کی معرفت میں نے اپنی نذر قلیل پیش کی۔ لیکن ہر بار ہی واپس لاتے۔ اور فرماتے کہ حضرت قبلہ (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں۔ کہ اس کی ضرورت نہیں۔ ان کا ہمارا تعلق کچھ اور ہے۔ لیکن دین میں کیا رکھا ہے۔

۳۱۴ لیکن دوسری طرف نظر اٹھا کر دیکھئے۔ جب کبھی میں حاضر ہوتا۔ وقت نا وقت۔ آپ اطلاع پانے پر فوراً نیچے تشریف لاتے۔ تھوڑی دیر مراقبہ کے بعد سفر کا حال باہر الفاظ دریافت فرماتے تھے کہ گھر سے کب چلے، کتنے دن ہوئے، کہاں پھیرے۔ کس راستہ آئے؟ اگر سفر یک روزہ کر کے خدمت میں حاضر ہوتا۔ تو نہایت ہی خوش ہوتے ایک ڈوباز

۱۔ انسانی صفات اعلیٰ ہر جگہ پھیلی پڑی ہیں حکمت علمی اور حکمت عملی کی جو چیز جہاں سے ملے وہ مومن کا وارث ہے۔ غیرت ایک اعلیٰ جوہر ہے۔ متنبی کے گھر سے کچھ نہ لینا۔ یہ اس لئے کہ کہیں یہ گمان نہ پیدا ہو کہ متنبی فطرت انسانی کی تعکین کے لئے نہ بنایا گیا تھا بلکہ ذاتی خدمت کے لئے یہ کام ہوا تھا۔ اور غیرت بلند اس کو قبول نہیں کر لی۔

۲۔ ترجمہ: جس نے ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے پوری حدیث شریف یہ ہے سَنَ لَمَّا يُؤْتَوِ الْكَيْفًا وَكَمْ يَرْحَمُ صَغِيرًا فَلَيْسَ مِنَّا۔ (جس نے ہمارے بڑے کی عزت نہ کی اور جس نے ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کیا وہ ہم میں سے نہیں)۔

۳۔ پورا شعریں ہے۔ چونکہ گل رفت و گلستاں شد خراب۔ بوئے گل را از کہ جویم از گلاب
ترجمہ:۔ جب موسم گل چلا گیا اور باغ خراب حالت میں ہو گیا تو میں پھول کی خوشبو کہاں سے حاصل کروں۔ ہاں گلاب سے یہ خوشبو مل سکتی ہے۔
(بقیہ صفحہ ۱۲۱ پر)

بلار رفیق حاضر ہوا۔ تو نہایت ہی خوش ہوئے۔ فرماتے کہ انسان اکیلا آیا (اکیلا ہی جائیگا) اکیلا ہی آنا جانا اچھا ہے۔ لیکن زیادہ موقعہ یکے تنہا حاضر ہونے کا نہیں ملا۔ تاہم کبھی ملال نہ فرمایا۔ کیونکہ اکثر میں سفر میں بیمار ہو جاتا تھا اور رفیق کے سوا سفر نہ کر سکتا۔

۳۱۵ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ رفیق یا خادم سے بھی وہی سلوک فرماتے جو اس کے ساتھی یا مخدوم سے کرتے۔ کھانا ایک دلاتے مصافحہ ایک جیسا کرتے۔ اکٹھا کھلاتے اکٹھا پلاتے بلکہ توجہ تک برابر فرماتے۔ چنانچہ اکثر احباب یہ موقعہ تلاش کر کے میرے ہمراہ ہو جاتے۔ چنانچہ پہلی توجہ پر ہی میاں دوست محمد صاحب کا کام بالآخر فرما دیا۔ جس پر مجھے خود رشک آتا تھا۔

۳۱۶ پنجاب بھر میں یہ صفت گم ہے کہ خادم مخدوم کے ساتھ ایک سلوک کیا جائے۔ البتہ افعانوں کی تہذیب اور مہمان نوازی اتنی بلند ہے۔ کہ خادم مخدوم سے ایک سلوک کیا جائے۔ لیکن حضرت قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں تمام اوصاف چوٹی کے اللہ تعالیٰ نے جمع کر دئے تھے۔ اور وہ اس صفت خاصہ میں نہایت انبیازی درجہ رکھتے تھے۔

۳۱۷ ہمیشہ مجھے الگ کھانا دلایا جاتا۔ جس میں خاص لوگ شامل ہوتے عام طور دسترخوان پر دو قسم کے گوشت ہوتے۔ اور کھانا کھلانے کے لئے اکثر اوقات خواص سے سرفرازی بخشی جاتی۔ اور رخصت کے دن تو خاص بالاخانہ پر نہایت مکلفانہ دعوت فرماتے۔ اور اکثر اہتمام بنفس نفیس فرماتے باوجودیکہ چائے کو پسند نہ فرماتے۔ کہ فرنگی تہذیب کا گوارا ہے۔ تاہم دعوت میں چائے کی دیگچی گھر سے لاتے اور بڑے پیالوں میں عنایت فرماتے۔ پرچ پیالی کو کبھی استعمال نہ فرمایا۔

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۱۲۰)

۴ حقیقی نسبت اور کامل تعلق کے حصول کیلئے ظاہر کے کلفان ضروری ہیں۔ اگر حقیقی تعلق قائم ہو جائے تو ریکانگت کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے تاہم ندر نیاز اور تحفہ تحائف محبت کو بڑھاتے ہیں۔

۵ یہ مراقبہ صورت میں تو مراقبہ ہے لیکن دراصل سالک کو توجہ دینا ہوتا ہے تاکہ راستے کی پراگندگی دور ہو جائے۔ میرے قبلہ دیکر حضرت مرشد مدام قلندہ کا بےینہ یہی دستور مبارک ہے کہ حاضری پر تھوڑی دیر مراقبانہ صورت میں ہو جاتے ہیں جس سے طبیعت یکسو ہو جاتی ہے اور پیکر دریافت حال فرماتے ہیں۔

۶ ایک روزہ سفر سے دوسرے مفاصل و موانع مقصد اعلیٰ کے راستے سے ہٹ جاتے ہیں اور اصل مقصد ہی کے لئے سفر ہوتا ہے۔

۳۱۸ آپ کو فرنگیانہ تہذیب سے سخت نفرت تھی۔ اور ہر نئی چیز کو بدعت خیال فرماتے نہ ان وہابیوں کی طرح۔ کہ نیک امور اور دینی معاملات اور عبادات میں تو بدعات کا انبار لگا دیتے ہیں کہ تشبیح بدعت ہے چٹائی بدعت ہے۔ حوض بدعت ہے۔ مینار بدعت ہیں۔ مسجد کی موجودہ صورت بدعت ہے۔ پابریہ مسجد میں داخل ہونا بدعت ہے جوتے کے بغیر نماز ادا کرنی بدعت ہے لیکن تمام دنیاوی امور، دنیاوی امور کیا۔ بلکہ دینی امور میں سوائے نماز باقی بدعات کی کچھ پروا نہیں۔ نہ بدعات افعال کی نہ اقوال کی۔ نہ لباس کی نہ مکان کی۔ لاکھوں فیشن موجود۔ لیکن بدعت کا کہیں نام نہیں آتا۔ مگر آپ تھے سچے عاشق سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ اور خَيْرُ الْقُرُونِ قُرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ کے سچے فرمانبردار ہر نئے فیشن نئی طرز کو آپ برا جانتے تھے۔ چنانچہ ایک روز بالا خانہ پر آپ تشریف رکھتے تھے۔ اور باتوں باتوں میں فرمانے لگے۔

۳۱۹ کہ ایک دوست کو میں نے ایک ایسی دیگچی لانے کے لئے کہا۔ اس نے کہا کہ تمام لاپرواہی میں ایسی نہیں ملی۔ میں نے حیران ہو کر سبب دریافت کیا تو اس نے کہا کہ اس کا فیشن نہیں رہا۔ البتہ ایک معمولی سی دیگچی تھی۔ وہ میں نہیں لایا۔ وہ بے ڈھبی سی ہے۔ میں نے اسے کہا کہ ہمیں فیشن سے کیا۔ وہی لے آ۔ چنانچہ وہ لایا۔ اور بہت سستی بھی مل گئی کیونکہ اس کا فیشن نہ تھا۔ اور کوئی اسے خریدتا نہ تھا۔ آپ حسب عادت تبسم بھی فرماتے اور کہتے جاتے۔ واہ فیشن کو کیا کرنا ہے۔ ہمیں تو کام لینا ہے۔ الما فیشن سے خارج اشیا ہمیں سستی مل جاتی ہیں۔ اور خادم سے کہا لاؤ ان کو دکھاؤ کہ اس میں کیا قباحت ہے۔

- ۱۔ انگریزوں نے پاکستان میں ڈیڑھ سو سال حکومت کی اور اسلام دشمنی کے بڑے بڑے فتوت دئے۔ اس کی انگریزی تہذیب نے اسلامی تہذیب کے سخت نقصان پہنچایا۔
- ۲۔ سنت، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فعل اور ہر حکم کا نام ہے اور بدعت، سنت اور تقاضے سنت کے خلاف کام کرنے کو کہتے ہیں۔
- ۳۔ افعال کی بدعتیں؛ مثلاً۔ طرح طرح کے اور نئی نئی قسم کے کھانے کھانا۔ لباس اپنی مرضی کے پہننا اور دنس دی ترقی کے لئے اپنی مرضی کے مطابق ہاتھ پاؤں مارنا۔ یہ سب بدعت کے لفظی معنوں کے لحاظ سے اسی مفہوم میں داخل ہیں۔
- ۴۔ سنت کا عشق؛ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر عادت حضور کے ہر کام کا عکس دنیا میں دیکھ کر خوش ہونا۔ حضرت میاں صاحبؒ لباس، خوراک شکل و صورت میں ہر آنے والے سے بلکہ ہر مسلمان سے سنت کی پیروی دیکھنا چاہتے تھے۔
- ۵۔ ترجمہ؛ سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہیں۔ پھر وہ جو ان کے قریب ہیں۔
- ۶۔ قباحت۔ بُرائی۔

لیکن برابر تبسم زیر لب تھا۔
 ۳۲۰ مقولہ مشہور ہے۔ ہر جا کہ گل است، خارست۔ اور اس کے مطابق تمام بزرگوں کی خدمت میں کوئی نہ کوئی سخت طبیعت خادم ہوتا ہے۔ جو آنے جانے والوں کے لئے بارگاہ کام دیتا ہے یا کانٹا بن کر نشتر کا شگاف کسی دل پر کر دیتا ہے تاکہ موادِ فاسد (خود می تکبر وغیرہ) خارج ہو جائے اور حکیم روحانی کے آنے سے پیشتر غلیظ مادے نکل جائیں تاکہ اسے زیادہ دقت نہ ہو اور آتے ہی مرہمِ محبت رکھ کر چاق چو بند کر دے۔

۳۲۱ ہمارے حضرت کا دربار بھی اس کلیہٴ رحمانی سے خالی نہ تھا۔ ایک بار میں بیٹھا تھا۔ اور خادم کھانا کھلا رہا تھا۔ ایک دو آدمی میرے ہم وطن روشناس بھی حاضر تھے۔ حضور نے ان کو بالا خانہ پر طلب فرمایا جب وہ واپس آئے تو میں نے خادم سے کہا کہ ان دونوں نے کھانا کھانا ہے۔ خادم نے ان سے دریافت کیا تو وہ سمجھے نہیں۔ انہوں نے سر ملایا تو میاں خادم میرے سر ہو گئے اور مجھے بہت کچھ ڈھیٹ بایا۔ کئی لوگ اور میری جان پہچان والے بھی تھے۔ اس وجہ سے مجھے سخت غصہ آیا۔ ندامت بھی ہوئی۔ اور یقین بھی تھا کہ انہوں نے کھانا نہیں کھایا۔ لیکن خاموش اندر ہی اندر کڑھنا تھا۔ کہ یہ کیسا بے مروت انسان ہے۔
 ۳۲۲ اتنے میں خواجہ دین محمد صاحب آئے اور میرے سامنے کھانا رکھوا دیا۔ گو میں کھانا تو کھانے لگ گیا۔ لیکن دل میں فیصلہ کر لیا کہ آئندہ اس کے ہاتھ سے کھانا نہ کھاؤں گا۔ اس خیال کے آتے ہی۔ ایک منٹ کے اندر حضور قبلہ رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ ادھر ادھر نظر پھیر کر مجھے کھانا کھاتے دیکھ کر فرمایا۔ ”کہ ان کو کھانا تو اوپر کھلانا تھا۔ کس نے ان کو دے دیا۔ پوچھتے نہیں۔“

علا جہاں کہیں پھول ہوتا ہے وہاں کانٹے ہیں۔

علا انسانی دل میں بعض بے حد غلط اور ناقص مواد موجود ہیں۔ جن کا اخراج فروری ہے اور وہ اس صورت میں ہے کہ ناقص جذبات کے خلاف سامنے آجائے مثلاً تکبر ذلیل ہو جائے دولت کا گھنٹہ خاک میں مل جائے۔

علا خدائی اصول: یہاں مراد پہلے نشتر پھر مرہم۔ پہلے سختی سہی جائے پھر عزت افزائی ہو۔

علا یہ حضرت اعلیٰ کے دربان اور نگر کے پاسان تھے۔ آنے جانے والوں کی اطلاع دینا ان کا کام تھا، فیض پور کے رہنے والے تھے۔

آپ کا یہ فرمانا تھا کہ ندامت سے میرے آنسو پھوٹ آئے اور زباں پر یہ مصرع جاری ہو گیا۔

بہر ایک گل منت صد خار می باید کشید

کوئی گھنٹہ بھر میری یہی حالت رہی۔ اپنی خامی پر نظر تھی کہ کتنا پست فطرت واقع ہوا ہوں ۳۳۳ کہ سینکڑوں چھوڑا ایک کانٹے کی بھی برداشت ایسے گل کے لئے تجھے نہیں ہو سکتی تو تو محبت کا دعوے دار کیسا ہے۔ اور کیونکر منزل مقصد پر پہنچ سکتا ہے۔

۳۲۴ اس کے بعد حضور نے بالا خانہ پر ہی میرا کھانا مقرر فرمایا۔ عین وقت پر صبح کے لئے

بالا خانے پر بلواتے۔ اور اپنے سامنے کھانا دلواتے۔ چنانچہ آخری دن حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زادے بھی تشریف رکھتے۔ اور بابا امام دین زرگر اور دوسرے

مولوی دین محمد زرگر بھی موجود تھے۔ دسترخوان بچھا تو حضور قبیلہ روحی فداہ نے تین انگ برتن صاحبزادہ صاحب کے سامنے کر دیئے۔ اور بابا جی اور مولوی صاحب کو اکٹھا کر

دیا۔ اور تین برتن نالین کے ان کے سامنے رکھ دیئے۔ اور ان کے دائیں جانب میں تھا

تین برتن میرے سامنے سر کا دیئے۔ اور فرمایا: ”یہ دونوں (مولوی جی اور بابا جی) آپس میں

اکٹھے ہو جائیں۔ اور یہ دونوں (صاحبزادہ صاحب اور بندہ) انگ انگ۔“ اگلے زمانے

میں اکٹھا کھانے سے برکت ہوتی تھی۔ اور ایک دوسرے کا نیک اثر سرایت کرنا تھا۔

لیکن اس وقت نیک اثر کم ہے۔ اور بد زیادہ۔ ”بدی کا اثر ہو جاتا ہے۔“ ”نیک کا نہیں

ہوتا۔“ اندازہ کیجئے کہ حضرت کا یہ توازن کتنا صحیح ہے اور آپ کتنے باریک بین تھے۔

۳۲۵ یہ واقعہ عین وسط پانچویں سال کا ہے۔ اس کے بعد حضور کی طبیعت بحال نہ رہی۔

۱۔ ایک پھول کے لئے شوکانے کا احسان اٹھانا پڑتا ہے۔

۲۔ فطرت کے جوہر مختلف ہیں صبر و تحمل نہایت ہی بیش قیمت جوہر ہے۔ اور چونکہ راہ مولانا جلال کی تلوار بھی لٹک رہی ہوتی ہے اس لئے صبر و تحمل ہی سے پرستار طے ہو سکتا ہے ورنہ تو اس دشوار گزار وادی میں چلنا مشکل ہو جاتا ہے۔

۳۔ محبت اور محنت میں ایک نقطے کا فرق ہے اگرچہ محبت خود بخود ایک محنت ہے لیکن محبت کے راستے کے کلٹے بڑا سخت کرنا بھی بڑی محنت ہے فرق یہ ہے کہ محبت خود ایک لذت اور دلچسپ محنت ہے اور کانٹوں کی بڑا سخت ایک ناگوار اور دردناک محنت ہے اور مجاہدہ کے بعد ہی مشاہدہ کا حصول ممکن ہے۔

۴۔ بابا صاحب سے مراد حضرت خواجہ امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت اعلیٰ شرفیوری رحمۃ اللہ علیہ کے پیر مرشد ہیں۔ کوٹلہ شریف ضلع شیخوپورہ میں مزار مبارک ہے۔

۵۔ طبائع میں اتحاد اور یکانگت ایک نعمت ہے جب محبت ہو تو ہر چیز میں اتحاد پسند ہوتا ہے۔ لیکن یہی ایک چیز اس دور میں کم ہے اتحاد کم اور اختلاف زیادہ۔ اس لئے کھانے پینے میں بھی اختلاف پسند ہے۔

لیکن عجب یہ ہے کہ اُس خادم کے ہاتھ سے کھانا حضور کی زندگی میں پھر نصیب نہ ہوا۔
 ۳۲۶ حضور کا یہ کمال تھا کہ جس طرف آپ کا خیال گیا وہی خدائے تعالیٰ کو منظور ہو گیا۔ جو
 منہ سے بے اختیار یا با اختیار نکل گیا وہی ہو کر رہا۔

۳۲۷ میں اکثر بیمار رہتا تھا۔ اور تپ تلی (طحال) کی بیماری بچپن سے چلی آتی تھی۔ اسی
 سال بیماری کی وجہ سے چوتھے ماہ کے بعد حاضری اور قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا۔ اتنی جرات
 تو تھی نہیں کہ بلا دریافت حضور کی خدمت میں کچھ عرض کر لیتا اور ساتھ ہی جانتا بھی تھا کہ
 بن مانگے موتی ملے مانگے ملے نہ بھیک

۳۲۸ رہ رہ کر خیال آتا کہ حضور کو کسی طرح اطلاع پہنچتی تو میری یہ مصیبت دور ہو جاتی۔
 حسن اتفاق سے احباب سے جب میرا حال دریافت فرماتے تو آپ کے گوش گزار
 ہوتا کہ بیمار ہے۔ جب میں حاضر ہوا تو آپ نے دریافت فرمایا۔ کچھ بیمار رہے ہو؟ میں نے
 عرض کیا کہ جی ہاں! ایک مدت سے بیمار چلا آتا ہوں۔ آپ کو شفقت آگئی۔ فرمایا۔ ”کیا
 بیماری ہے؟“ میں نے عرض کیا کہ تلی۔ آپ نے فرمایا ”کچھ علاج بھی کیا؟“ میں نے کہا۔ کہ
 ہتیرے۔ پھر فرمایا۔ ”نوٹا در کیسا ہے؟“ میں نے عرض کیا کہ میرا پھیپھڑا کمزور ہے۔ کھٹی چیز
 نقصان دیتی ہے۔ فرمایا۔ ”کہ کچھ دوا کر لینا۔ اور پندرہ دن کے بعد مجھے خط لکھتے رہنا۔
 یا عبدالرحمن (حاجی صاحب) کو لکھ دینا۔ ہاں اور لکھنے کی ضرورت نہیں۔ صرف اپنی صحت
 کے بارے میں لکھنا۔“

۳۲۹ آپ کے اس ارشاد کو اپنے لئے آیتہ رحمت سمجھ کر میں نے عرض کیا کہ اکثر بیماری
 میں گذر رہی ہے آپ دعا فرمائیں کہ اللہ صحت بخشے۔ فرمایا۔ ”خود بھی بیمار رہنا ہوں۔“

۱؎ کمال ولی اللہ جب اپنے حال میں ہوتا ہے تو اس کی ہر حرکت اور ہر سکون منجانب اللہ ہوتا ہے۔

۲؎ صبر اور برداشت کا وقت ہمیشہ زیادہ تو نہیں ہوتا۔ اور صبر کا نتیجہ کامیابی اور کامرانی ہے۔ اور بے صبری کا نتیجہ
 بسا اوقات محرومی ہے۔

۳؎ اطلاع سے رحم و شفقت جوش میں آجاتی اور توجہ فرماتے مصیبت کٹ جاتی۔

۴؎ ولی اللہ کی رحمت اور اس کی شفقت فی الحقیقت حق کی مہربانی ہے جو یہاں عکسی صورت میں ظاہر ہے۔

۳۳۰ بزرگوں سے سنا ہے کہ بزرگ ولی اللہ اپنے کرامات کو اس طرح چھپاتے ہیں جس طرح عورت اپنے حیض کے چھٹڑوں کو چھپاتی ہے۔ واقعی ایسا ہے۔ لیکن آبدار تلوار کے جوہر جھلاکب میان میں چھپ سکتے ہیں جب سونٹیں گے تو ایک ایک جوہر چمک اٹھے گا اور تمام جوہر ہی جوہر ہو جائیں گے۔

۳۳۱ میری یہ مرض موروثی تھی اور میرے والد علیہ الرحمۃ کو بھی زمانہ طفولیت میں اس نے سخت تکلیف دی تھی۔ بہتیرے علاج ہوئے۔ لیکن

مرض بڑھنا گیا جوں جوں دوائی کی

آخر سخت ڈھال ہو گئے۔ اور حیاتی سے مایوس، تو حضرت قبلہ جد امجد علیہ الرحمۃ نے بارگاہ الہی میں التجا کی، اور اسی وقت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری دعا مستجاب فرما کر شفا کلی عنایت فرمائی۔ اب کوئی معمولی علاج کیا جاوے۔ چنانچہ اسی دن سے افاقہ ہو گیا۔ اور والد علیہ الرحمۃ کو پھر یہ عارضہ عمر بھر نہ ہوا۔

۳۳۲ یہ کرامت نہ کہی جائے تو کیا کہی جائے۔ جس کے آج لاکھوں منکر ہیں کہ یہ ایک وہم ہے۔ مانا کہ وہم بھی کام کرتا ہے۔ لیکن کسی مرض کو کوئی ڈاکٹر کوئی حکیم یہ وہم پیدا کر کے اچھا تو کر دکھائے۔ اور اتنا جلدی اور اتنی تھوڑی تسلی سے اور اتنے اطمینان سے۔

۳۳۳ جس خادم کا میں نے ذکر کیا وہ روشن دین تھے۔ اور وہ اسم با مسمیٰ تھے۔ خلق تو وہ تھا۔ لیکن پیر و مرشد کے عکسی نور نے چہرہ کو اتنا روشن کر دیا تھا۔ کہ انسان دیکھتے دیکھتے تھکنا نہ تھا۔ نہایت براق اور روشن۔

۳۳۴ یہ کسے طاقت ہے کہ صورت کو بدل دے۔ اور اتنا روشن کر دکھائے۔ میں سچ کہنا ہوں کہ میں ہمیشہ ان کے چہرہ کو دیکھ کر۔ رشک کھاتا تھا۔ اور جانتا بھی تھا کہ صرف نظر میجا

۱۔ اولیاء اللہ کی کرامات ان کی عزت افزائی کے لئے قدرت کا عجب کرشمہ ہوتا ہے اور ہر فن کی کیفیت یہ چاہتی ہے کہ نہ ہم ہیں نہ ہمارا کوئی کمال ہے۔ یہ سب اسی کی جلوہ فرمائی ہے۔ خرق عادت نفس اپنی طرف منسوب کرنا چاہتا ہے۔ بس اسی خطرے سے بچنے کے لئے کرامات چھپائی جاتی ہیں۔

۲۔ جب بقا کی کیفیت غالب ہوتی ہے اور نفسی خطرات سے نجات مل جاتی ہے تو پھر کرامات کا ظہور از خود ہوتا رہتا ہے۔

۳۔ اولیاء اللہ کے لطیف احساسات آسمانی فیصلوں کا عکس قبول کرتے ہیں۔

۴۔ ولایت کو ماننے والا شرف انسانیت کو مانتا ہے اور جو اس شرف کو نہیں مانتا وہ لظافوں سے محروم ہے اور کرامت اسباب کی کثافت سے بہت بلند ہے۔ اس لئے سفلی جذبات کا حامل کرامت کو زمانے تو تعجب کیا ہے۔

۵۔ مسیحا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب ہے جو قوم باذن اللہ کہہ کر مردے زندہ کیا کرتے تھے۔

نے یہ کام کیا۔ ورنہ اور اُد پڑھنے والوں اور مراقبہ نشینوں کی دنیا میں کمی نہیں تھی۔ لیکن وہ کہاں اور یہ کہاں؟

۳۳۵ ابتدا میں آپ مجھے زیادہ تر مسجد میں ٹھہرنے کا ارشاد فرماتے۔ جب کبھی حاضر ہوتا۔ آپ دیکھتے ہی فرماتے: ”کہ مسجد میں جا کر ٹھہرو“ لیکن جوں جوں میری طبیعت اصلاح پذیر ہوتی گئی۔ مکان پر ٹھہرنے کی اجازت بخشے گئے۔ یہاں تک کہ دن بھر مجھے اجازت تھی۔ کہ نیچے کی منزل میں بیٹھا رہوں۔ اور آپ کی ہر ایک مجلس کا لطف اٹھا سکوں۔ حالانکہ عوام سے ایک دفعہ ہی آپ ملاقات فرماتے اور ایک ہی بار کلام فرماتے۔

۳۳۶ ایک بار بالا خانہ پر بلوایا: ”میٹھتے ہی فرمایا: ”کہ جی تو چاہتا ہے کہ الگ بلوایا کروں نیچے اوروں کو بھی فائدہ ہو جاتا ہے۔ اچھا نیچے بیٹھیں میں آتا ہوں“ چنانچہ آپ فی الفور تشریف لائے۔ سخی لطف بھی نیچے عام مجلس میں ہوتا تھا۔ کہ آپ سر اسر نور ہی نور نظر آتے جو لفظ بھی نکلتا دل کو چیرتا جاتا۔ جو حرکت بھی فرماتے دل میں بیٹھ جاتی۔ جو نظر بھی اٹھتی۔ تجلی الہی کی طرح مسحور کر دیتی۔

۳۳۷ دوسری مرتبہ جب میں حاضر ہوا۔ تو آپ کے ہمراہ مکان تشریف جانے کا حسن اتفاق ہو گیا۔ آپ نے الگ مکان پر مجھے اور پیر محمد لطیف صاحب کو ٹھہرایا۔ اور اس وقت دل پر آوارگی غالب تھی۔ بعد ظہر جب آپ مسجد میں تشریف لائے۔ تو بہت سے لوگ آپ کے سامنے حلقہ کر گئے۔ آپ کچھ فرما رہے تھے۔ میں بھی موقع کو غنیمت دیکھ کر مسجد کے جنوبی دروازہ کے پاس چپکسا بیٹھ گیا۔ ٹھوڑی دیر کے بعد آپ کی نظر مبارک ایک دم مجھ پر پڑی۔ آپ مجھے دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

۱ اُد پڑھنے سے بیشک چہرہ چمک جاتا ہے لیکن یہاں تو صرف فیض نظر تھا۔

۲ مراقبہ سے بھی چہرے صاف ستھرے ہو جاتے ہیں لیکن یہاں معاملہ کچھ اور تھا۔

۳ بحق۔ خدا کی قسم۔

۴ تجلی الہی۔ خدا کے نور کی چمک۔

۵ پیر محمد لطیف شاہ صاحب فیض پور کے رہنے والے حضرت بابا امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔

۳۳۸ آپ کا اٹھنا تھا کہ میرے آنسو پھوٹ آئے۔ اور حیران ہوں کہ آج تک ان کی وجہ نظر نہ آئی۔ کہ کیوں پھوٹے۔

۳۳۹ لاہور میں واپسی پر میں نے بازار میں دیکھا۔ کہ حضور کی دست بوسی ایک شخص نے کی اور وہ بھی برسہا برس بازار حیران رہ گیا کہ ہم تو سنتے بھی تھے۔ اور دیکھتے بھی ہیں۔ کہ آپ کسی سے مصافحہ نہیں فرماتے۔ یہاں دست بوسی کیسی! لیکن دل میں خلش پیدا ہو گئی کہ کبھی مجھے بھی یہ دولت نصیب ہوگی۔ کیوں کہ اتنا تو جانتا تھا۔ کہ خواص کے ساتھ الگ سلوک ہوتا ہے۔ اور عوام کے ساتھ الگ طریقہ برتا جاتا ہے۔ اور تمام مشائخ سلف صالحین درجہٴ محبت پر سلوک فرماتے ہیں۔

۳۴۰ ابتدا میں حضور کی ذات بابرکات سے خوف زیادہ دل پر ہوتا تھا۔ لیکن جوں جوں محبت بڑھتی گئی، خوف اٹھنا گیا۔ آخر ایک دن رخصت کے وقت یہ بندہ اور میرا دوست میاں کرم الدین چلنے لگے۔ تو میاں کرم الدین صاحب نے آپ کی دست بوسی کی۔ زان بعد بندہ نے بھی بڑھ کر دست بوسی کر کے شکر پروردگار عالم ادا کیا۔

۳۴۱ آخر وہ وقت آگیا۔ کہ حضور اپنی کمال عنایت سے کسی بار مصافحہ فرماتے۔ اور کسی بار چہرے کو دیکھتے اور آنکھیں ملانے کی کوشش فرماتے۔ گو کہ میری آنکھیں سرنگوں ہوتیں اور خجالت اور ندامت سے آنسو بہاتیں۔

۳۴۲ ایک بار رخصت کے وقت صوفی محمد ابراہیم صاحب سلمہ ربہ اور ان کے چند رفقاء نیچے کے مکان میں موجود تھے۔ حضور تشریف لائے۔ میرے رفیق ہمراہ تھے۔ میاں دوست محمد کے زانو سے زانو ملا کر تشریف فرما ہو گئے۔ کسی بار آپ نے مصافحہ فرمایا کسی بار دیر تک

۱۔ غمخس سے مراد یہاں محبت اور شوق کی چٹھن ہے۔ اور یہی مثبت خواہشات ہیں کہ ظاہر ہو کر سالک کی پوشیدہ محبت کو بیدار کرتی ہیں۔

۲۔ جس کی جتنی محبت ہوتی ہے اتنا سے اظہار محبت کا موقع دیا جاتا ہے۔ اگر اظہار محبت کا موقع نہ ملے تو محبت میں کمی آنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لئے کامل پیر لطیف باتوں کا خاص طور پر خیال رکھتے ہیں۔

۳۔ محبت غمخس قوتوں کو ختم کر دیتی ہے اور جب اس کا غمخس محبوب پر پڑتا ہے تو اس کی سختی بھی نرمی سے بدل جاتی ہے اور خوف تو کلیتہً قوت غمخس کی کارستانی کا نتیجہ ہے۔

۴۔ سرنگوں۔ سر نیچے ڈالے ہوئے۔

۵۔ صوفی محمد ابراہیم قصوری۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

آپ نے ہاتھ پکڑے رکھے۔ میرے آنسو ساون کی گھٹا کی طرح برس رہے تھے۔ آپ کبھی خاموش ہو جاتے تھے اور کبھی نصائح فرمانے لگ جاتے تھے۔ معلوم نہیں۔ بیٹھنے ہوئے آپ نے کتنی بار مصافحہ فرمایا۔ لیکن جب دست بوسی کر کے اٹھے۔ تو آپ بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ بعد میں پھر میں نے دست بوسی کی۔ پھر بھی آپ کی طبیعت میں جوش معلوم ہوتا تھا۔

۳۲۴ اتنے میں صوفی صاحب کو بھی رخصت فرمایا۔ اور حضور قبلہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اُپر جانے لگے۔ صوفی صاحب کے احباب نے جب دیکھا کہ آج دولت مفت لٹ رہی ہے۔ تو وہ بھی مصافحہ کے لئے لپکے لیکن ان کو کیا معلوم کہ یہ کچھ اور ہی محبت سے جو ماں کو نیچے پر لوٹا رہی ہے اور بچہ پاں پر بے اختیار پک رہا ہے۔ یہ فطرتی میدان ہے۔ آخر آپ نے ان کو فرمایا بیس بس۔ اتنا ہی کافی ہے۔ اور آپ چٹائی سے باہر جوڑا پہننے لگ گئے۔

۳۲۵ ہم دروازہ پر کھڑے تھے۔ کہ حضور کی پیٹھ مبارک غائب ہونے پر چل دیں گے لیکن آپ نے سیرھی کے دو درجہ پر جا کر پھر اٹھا دیکھا۔ اور پھر جلدی غائب ہو گئے۔

۳۲۶ یہ آخری نظر محبت بھری الوداع تھی۔ اس کا لطف وہی جانتے ہیں۔ جو کبھی اس بحرِ بے کنار میں ڈوب کر بے اختیار سو کر کہیں سے کہ عشق آساں نمود اول فے افتاد مشکھا

۳۲۷ پہلی دست بوسی کے بعد پھر تو ہمیشہ رخصت پر دست بوس ہوتا رہا۔ اور آپ نے کبھی بھی خفگی نہ فرمائی۔ بلکہ چہرہ مبارک محبت سے پر ہوتا۔ بسا اوقات حضور بے تکلیف بھی ہوتے۔ چنانچہ آخری سال رمضان سے پیشتر جب رخصت ہوا تو بالاحسانہ پر بیٹھے بیٹھے

۱۔ محبت کی ادائیں محبت کی ادائیں ہوتی ہیں۔ رسم و رسوم سے انہیں کیا تعلق۔ اس لئے یہ اپنا مقام رکھتی ہیں۔

اہل محبت سے جو سلوک محبوب روا رکھتا ہے وہ اہل رسوم کا حصہ کہاں؟

۲۔ ایسا سمندر جس کا کوئی کنارہ نہیں۔

۳۔ محبت ابتدا میں آسان معلوم ہوتی ہے لیکن محبت کی مشکلات بہت زیادہ ہیں۔

بغلگیر ہوئے۔

۳۳۸ پس ماندہ کی عنایت ایک بار حاضر ہوا۔ تو مولوی محمد صدیق صاحب اعظ

بمعاہدہ ایک دوسرے رفیق بالا خانہ پر حضور کی چارپائی کے بالمقابل دوسری چارپائی پر بیٹھے۔ مجھے بھی طلب فرمایا سامنے ہوا۔ تو آپ نے اپنی نشست (سند) چھوڑ کر جگہ خالی کر دی اور خود سرمانے کی طرف سرک گئے۔ اور آپ نے پاس بیٹھنے کا ارشاد فرمایا۔ گو ادب کا خیال دامن گیر تھا۔ مگر الامر فوق الادب۔ آخر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد چھوٹے صاحبزادے غلام احمد صاحب گھر سے باوا مولیٰ کا شیرہ لائے۔ آپ نے نصف نوش فرما کر گلاس میری طرف کر دیا اور فرمایا۔ کہ ایک دو گھونٹ اس کے لیے بھی رہنے دیں۔ یہ ہماری خبر گیری رکھتا ہے۔

۳۳۹ کیا مجذوبوں کی یہ باریک بینی ہوتی ہے کہ بچے تک کا خیال رکھتے ہیں۔ اور کوئی سہو بھی واگذار ہونے نہیں دیتے۔ یہ تو عقل کل رکھنے والے بزرگ تھے۔ ان کی دور اندیشی، باریک بینی وہی دیکھ سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دل دیا، دماغ دیا۔ اور بصیرت عنایت فرمائی۔ عامی لوگ کیا جانیں کہ وہ کیا تھے۔

۳۵۰ کئی بار پہلی نیاز پرسی بلا دریافت یہ ارشاد فرماتے۔ کہ مجھے تو ان مع العسر یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا سے سب کچھ نظر آ رہا ہے۔ اس وقت تو اس اشارہ کا صحیح اندازہ نہ کیا جاسکا۔ لیکن بعد میں اس کا نصف صحیح نتیجہ (عُسْرًا) اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اور دوسرے نصف (یُسْرًا) کی بابت بارگاہِ الہی سے پوری اُمید ہے۔

کہ مقبول را، رد نباشد سخن

- ۱۔ ہم کا مقام ادب سے بلند ہے، یعنی حکم کی اطاعت میں اگر آداب ملحوظ نہ بھی ہو سکیں تو کوئی حرج نہیں کیونکہ حکم کا درجہ بالا ہے۔
- ۲۔ صاحبزادہ غلام احمد صاحب حضرت ثانی غلام اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادہ صاحب جو حضرت ثانی صاحب کے وصال کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔
- ۳۔ مجذوب: سالک کے مقابلے کا لفظ ہے حضرت اعلیٰ ثمر قیوریؒ پر جذب کا غلبہ تھا تاہم سلوک کے کمال کی وجہ سے جزئیات کا بھی خیال رکھتے تھے اور احوال عالم کا مطالعہ کامل بصیرت سے فرماتے۔
- ۴۔ مراد مکمل عقل جو جزئیات کا بھی خیال رکھے۔
- ۵۔ بیشک تنگی کے ساتھ فراخی ہے، بیشک تنگی کے ساتھ فراخی ہے۔
- ۶۔ تنگی
- ۷۔ فنا
- ۸۔ اللہ کے مقبول بندے کی باتیں رد نہیں ہوا کرتیں۔

۳۵۱ درحقیقت یہ ارشاد اس کشف عیبانی کی ایک ادنیٰ مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو کرامت فرمایا تھا۔ کہ آنے والے معاملہ کو بہت پہلے دیکھ لیتے تھے۔ اور بے اختیار آپ کی زبان سے نکل جاتا تھا۔ اور صاحب فراست ناظر جانتا تھا۔ مفصل بیان آگے آئے گا۔

۳۵۲ شہر قیوہ شریف میں زمیندارہ بنک کی بنیاد قائم ہوئی۔ تو آپ کو نپہ لگا۔ یلدار صاحب خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ نے سخت ڈانٹ فرمائی اور آپ نے فرمایا کہ تم مسلمانوں نے سو دکھانے شروع کیے۔ خدا تعالیٰ تمہیں سخت ذلیل کرے گا۔ تم کتے کی طرح بھونکو گے۔

۳۵۳ لیکن دنیا بڑی میٹھی ہے۔ کون رُکے۔ بنک تو قائم ہو گیا۔ لیکن ذیلدار صاحب اور دیگر اراکین بنک پر وہ وقت آ گیا کہ ہتھکڑیاں ان کے لیے آمو جو دوڑھوئیں۔

۳۵۴ عین اسی دن یہ بندہ بھی حاضر تھا۔ کہ جب ڈیپٹی انسپکٹر جنرل زمیندارہ بنک ملک فون صاحب حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے موقع پاکر ذیلدار صاحب بھی حضور کی خدمت میں رونے لگے کہ آپ سفارش کریں تو بچتے ہیں۔ ایک قرضہ زیادہ ہے۔ دوسرا عین کا الزام سر پر۔

خود حضور قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے بیان فرمایا۔ ”کبھی کبھی جو کچھ میں منہ سے کہہ دیتا ہوں۔ خدا تعالیٰ اُسے پورا کر دکھاتا ہے۔“

۳۵۶ میں نے بنک قائم کرنے کے دن ان سے کہا تھا۔ ”کہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی نہ کرو۔ یہ تمہارے لیے وبال ہوگا۔“ سو خدا نے ایسا ہی کیا۔ حضور کی طبیعت بھی لبشاش خفی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے ذلیل کرنے والوں کی تذلیل سے خوش ہیں۔

کشف عیبانی۔ حالات و واقعات کو ظاہراً دیکھ لینا۔

یہ تحدیث نعمت ہے اور اکثر اولیاء اللہ خوشی کے وقت اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں کو جو کسی کمال کی صورت میں ان پر ہوا ہی ہوتی ہیں، بیان فرماتے ہیں۔

الحب لله والبغض لله محبت اللہ کے لئے اور بغض اللہ کے لئے، جب نفسانیت مغلوب ہو جاتی ہے تو اپنی ذات کے واسطے زودہ کسی سے محبت کرتے ہیں نہ عداوت ان کا سب کچھ اللہ تعالیٰ کے واسطے ہوتا ہے۔

۳۵۷ شعبان ۱۳۲۶ء کو آپ نے خلعت عنایت فرمائی۔ جس میں ایک ٹوپی ایک دستار
مکمل۔ ایک کرتہ لٹھے۔ ایک چادر لٹھے۔ ایک تہ بند لٹھے کورا۔ ایک جامنا زکھدر۔ ایک
دسترخوان کھدر شامل تھے۔ اور تمام کپڑے دسترخوان میں بندھے تھے۔ عنایت فرماتے
وقت یہ فرمایا کہ انھیں پہن لینا۔

۳۵۸۔ اس وقت تو اس کی حقیقت نہ کھلی کہ کیوں یہ عنایت ہوئے لیکن آپ کی مرض الموت
میں آکر تمام بات روشن ہو گئی۔ کہ یہ آخری عنایت تھی اور یہ اپنی طرف سے جدائی کا
آخری پیغام تھا۔

۳۵۹ جہاں تک ناقص عقل ہے۔ قدرت نے جو کچھ دلویا یا میں اسی کا مستحق تھا۔ اور
انتی ہی میری بساط تھی۔ ہر ایک چیز میری آئندہ حالت کا ترجمہ تھی۔ مجھے تمام امور آئندہ
کی بابت تمام روشنی ہو گئی تھی آپ کی بیماری میں اکثر احباب مجھے حاضری کے لیے
تاکید کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ موقعہ پا کر اپنی بابت عرض کرنا۔ تاکہ حضور کی عنایت
خاصہ سے ممتاز ہو بیٹھو۔

۳۶۰ گو میں اُن کو زبانی کچھ جواب نہ دیتا تھا۔ لیکن جانتا تھا۔ کہ جَعَتَ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ
كَاتِبٌ۔ جو کچھ بننا تھا وہ ہو لیا۔ اب گستاخی کے بغیر کیا ہوگا۔

۳۶۱ احباب کے خط آئے۔ حضور قبلہ سخت بیمار ہیں۔ فوراً جا حاضر ہوا جب میری
اطلاع دی گئی۔ تو آپ نے میری طرف دیکھا۔ صوفی ابراہیم صاحب سلمہ رہے بھی تشریف
لائے ہوئے تھے۔ آپ نے چار پائی ڈلوائی۔ اور اس پر چادر کچھوائی اور اس پر ہم دونوں
کو بٹھا دیا پھر آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا۔ کہ تمہارا کیا کراہ یہ صرف ہوتا ہے۔ میں نے عرض

۱ خلعت : لباس کی عنایت۔

۲ بعض اوقات قدرت ایسی باتیں کہو دیتی ہے جن کا انتہائی اخفا مطلوب ہوتا ہے۔

۳ خاص مہربانی۔ یہاں مراد خاص توجہ اور خاص ارشاد ہے۔

۴ جَعَتَ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَاتِبٌ : بیشک قلم خشک ہو گئی اس چیز کو لکھ کر جو ہونے والا ہے (حدیث مبارک)

تقدیر مبرم کا بیان ہے۔ کہ ہونے والے تمام امور لوح محفوظ میں لکھ دئے گئے۔

کی بارہ تیرہ روپیہ۔ پچھ آپ دیر تک اسی خیال میں رہے۔ روپے طلب فرماتے تھے۔ جو کچھ خادم پیش کرتے۔ وہ آپ رومال میں رکھ کر سر ہانے رکھ چھوڑتے۔ حتیٰ کہ نہایت تکلیف سے اٹھے۔ اور اندر تشریف لے گئے اور وہاں ہم دونوں کو بھی طلب فرمایا سید نور الحسن صاحب اور دین محمد صاحب بھی آپ کے پاس تھے۔ کچھ نقدی نو نو صاحبوں کے پاس تھی۔ آپ گنواتے۔ لیکن جب آپ کو عرض کیا جاتا تو پھر ہوش میں ایک دو باتیں کرنے کے بعد نڈھال ہو جاتے۔ اور سر کے بل گر پڑتے۔ کچھ وقفہ کے بعد جب ذرا آرام ہوتا۔ تو پھر بدستور آپ گنواتے۔ اور پوچھتے۔ غرض دو پہر تک یہی حالت رہی۔ کوئی چار سو روپیہ کے قریب نقدی اکٹھی کی گئی۔ زان بعد بندہ مسجد میں حسب ارشاد کھانے کے لیے چلا آیا۔ لیکن پھر نربانی حضرت سجادہ نشین صاحب سلمہ ربہ معلوم ہوا۔ کہ یہ روپیہ آپ لوگوں کے دینے کے لیے اکٹھا کیا گیا۔

۳۶۲ گو مجھے صوفی صاحب کی بابت تو اسی وقت معلوم ہو گیا۔ لیکن اپنی ذات کی بابت خیال نہ تھا۔ کیونکہ میرا غلامی دعویٰ تھا۔ اور میں ایک آسودہ حال تھا۔ اور آپ کی دعا سے سب کچھ مہیا بھی تھا۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ خواہ بیٹے کے پاس سب کچھ بھی ہو۔ لیکن پھر بھی باپ کا دل یہی چاہتا ہے۔ کہ بچے کے گھر سب کچھ جائے۔ بچے کا دل خوش ہو جائے بچہ اپنے پیارے باپ کی محبت کو اس آخری یاد سے تازہ رکھے۔ سبحان اللہ کیا محبت تھی۔ کیا شفقت پدری تھی۔ میں ہمیشہ احباب سے کہتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ کی اتنی کامل حکمتیں وسیع اور کثیر بندہ کے حال پر ہوتی ہیں۔ کہ خود بندہ کو بھی اپنے خیال میں ان کا علم نہیں ہوتا۔ نہ ان کا وہم آتا ہے۔

۱۔ حضرت نور الحسن شاہ صاحب سرکار حضرت کیلیانوالا۔

۲۔ شیخ دین محمد یہ حضور کے خاص خادم اور دربان تھے۔

۳۔ روحانی سلسلہ، روحانی سلسلہ ہے لیکن ہر بانیوں کا اظہار ظاہراً اگر ہو تو مادی اشیاء، روپیہ پیسہ وغیرہ سے

چارہ نہیں۔ اور جتنا جس سے انس اتنی اس پر شفقت ایک اصول ہے۔

۳۶۳ مدت سے یہی شکایت مجھے رہی کہ اپنے بزرگوں سے کچھ نہ سیکھا۔ لاکن بخدا آئے
 لائینال اس کی عنایت کاملہ نے اس در دولت تک میری رسائی فرمائی۔ جو باپ سے زیادہ
 رحیم اور ماں سے زیادہ مہربان تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی روح کو ہمیشہ اپنے قرب اور جمال میں
 مستغرق رکھے۔ آمین اور اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔ گو میں کہوں گا تو بے ادبی
 ہوگی۔ لیکن حق یہ ہے کہ والدین مجھ سے یہ سلوک نہ کرتے۔ ہاں! یہ ضرور ہے۔ کہ ان
 بزرگوں کی دعائے یہ دولت دلوائی۔ ورنہ میں کہاں۔ اور یہ دولت لائینال کہاں۔
 ۳۶۴ اس کے علاوہ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکات میں یہ کمال صفت
 تھی۔ کہ بزرگوں کی اولاد سے بہت ہی نیک سلوک فرماتے اور آپ کا دل چاہتا تھا۔
 کہ جو کچھ ہے۔ یہی لے جائے۔ لیکن لینے والے کا اپنا حوصلہ جتنا کسی سے ہو سکتا تھا۔
 اٹھا لیتا۔ آپ دریغ نہ فرماتے تھے۔

۳۶۵ مرض کی شدت میں بعد دوپہر میاں دوست محمد صاحب میرے ہم وطن آپ کو
 پنکھا کر رہے تھے۔ کہ آپ نے آنکھ کھولی۔ آپ کو خیال ہوا۔ کہ محمد عمر ہے۔ پاس بٹھا لیا۔ کچھ
 وصیت فرمائی۔ گلے لگایا اور رخصت کیا۔ یہ ماجرا گزار کر میرے پاس آئے۔ اور
 کہا۔ آپ کو (مجھ کو) رخصت ہو گئی۔ میں نے کہا کیونکر۔ تمام قصہ کہہ سنایا۔ افسوس
 ہوا۔ کیوں نہ بلایا۔ لیکن پھر دل کو تسلی دی۔ کہ گویا ہری دولت میاں دوست محمد
 لے گئے۔ لیکن درحقیقت خیال کا مرکز تو بندہ ہی تھا۔

گو کسی بار آپ نے رخصت فرمایا۔ لیکن دل تسلی نہ پکڑتا۔ کہ حضور پوری ہوش سے
 رخصت فرمائے ہیں۔ آخر جمعہ کو صبح حاضر ہوتے ہی دوائی پینے کے لیے آنکھ کھولی۔

۱ باقسیر ہے۔ مراد اللہ تعالیٰ کی قسم ہے۔

۲ ولی اللہ کی تمام محنتیں قرب الہی پیدا کرتی ہیں اور محسوس قرب شروع ہو جاتا ہے۔ اور بعد موت تو یہی قرب مقصود ہے۔
 جمال، جلال کی ضد ہے۔ مراد رحم و شفقت، حسن ازل اور نعمائے جنت۔

۳ دعا کے اثرات لازم ہیں اور اپنے اپنے وقت پر ہر دعا اپنا اثر دکھاتی ہے۔

۴ یہ اس لئے کہ جب بزرگوں کی اولاد اچھی ہوگی تو ان کا نام بھی زندہ رہے گا اور خود بزرگی پر اعتقاد قائم رہے گا۔

۵ مراد وہ شفقت ہے جو حضور نے ظاہر فرمائی۔

۶ چونکہ روحانیت میں خیال کی لطافت ہی کام کرتی ہے۔ اس لئے دور و نزدیک کا سوال نہیں اور ظاہر و پوشیدہ کا بھی
 اثر کم ہے۔ جہاں خیال ہوگا وہیں اثرات پہنچیں گے۔

مڑ کر جو سر ہانے کی طرف دیکھا۔ تو خاکسار پر جان نظر مبارک ٹکی۔ فرمایا ”رخصت ہو دے دی تھی۔“ پھر میاں دین محمد صاحب نے کہا۔ کہ وہ (بندہ) کہتے ہیں۔ کہ گھر جانے کو جی نہیں چاہتا۔ اتنے میں آپ نے ہاتھ بڑھائے۔ اور فرمایا۔ ”میں تم پر بہت خوش ہوں۔ اور راضی۔“ ایک بار پہلے آئے۔ پھر قاری صاحب وہاں گئے۔ پھر آپ آئے۔ میں تم پر بہت ہی خوش ہوں۔ فخر الدین صاحب پر بھی خوش ہوں۔ آئے تھے۔ اس کے بعد میں نے ہاتھ بوسے اور آخری الوداع لیتا ہوا رخصت ہوا۔

آنکھیں مڑ کر دیکھتیں۔ کہ شاید پھر یہ دیدار نصیب ہو؟

۳۶۶ گھر آیا۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کا جملہ کلام مجید میں دیکھا۔ اور اپنے رب العزت کا شکر ادا کیا۔ کہ یہ آخری سعادت تھی۔ یہ آرزو تھی۔ کہ آخری الوداع پر راضی جاؤں۔ سو اس کے محض فضل و کرم سے یہ نعمت حاصل ہوئی۔ بعض کتب صوفیہ میں بھی دیکھا۔ کہ اپنے خواص کو انھیں محبت آمیز الفاظ سے آخری الوداع فرمایا گیا۔ الحمد للہ علی ذالک۔ لیکن یہ افسوس کبھی نہ جائے گا۔ کہ قدمبوسی کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ بخت ہے عشق ہو مصلحت آمیز نہ تو ہے نہام ابھی

طبیعت خوف کھا گئی۔ کہ آپ بیمار ہیں۔ شاید میرے اس فعل سے طبیعت ناساز اور رکڑ ہو جائے۔ مگر نہیں اپنی خامی تھی ورنہ وہ سراسر محبت کیوں ناراض ہوتے اور کیوں مشوش۔ لاکھوں ہماری شوخیاں دیکھتے ہوئے آپ تحمل فرمایا کرتے۔ بھلا اس گستاخی پر کیوں گرفت فرماتے اللہ اکبر۔

- ۱۔ کیا سعادت ہے کہ مرکز روح کے آخری الفاظ ہیں۔ سبحان اللہ۔
- ۲۔ فخر الدین حضور قسب مدثر دم دامن ظہر کے چچا زاد بھائی، جو میرا شریف حضرت میاں احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوئے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہوئے۔
- ۳۔ حضرت میاں احمد میروی رحمۃ اللہ علیہ حضرت سلیمان تونسوی کے خلیفہ تھے۔
- ۴۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔
- ۵۔ محبت اگر وقتی تقاضے کی بہتری سوچے تو محبت ابھی نام ہے۔ یعنی نتائج سے بے پرواہ ہو کر اظہار محبت ہو یہی نچنگی ہے۔
- ۶۔ مشوش۔ پریشان۔

لغزشات

۳۶۷ انسان لغزشات سے پُر ہے۔ کتنا ہی کوئی احتیاط کرے لغزشیں سامنے آ جاتی ہیں۔ لیکن اگر لغزش کنندہ اپنی لغزش کو دیکھ کر اپنے گناہ کا مُقَرَّر ہو جائے۔ تو لغزش سے بڑھ کر اس نے عنایت کا جامہ پہنا۔

۳۶۸ حضرت آدم علیہ السلام سے قصور تو ہوا لیکن رَبَّنَا ظَلَمْنَا انْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ہ کے لطف بھی انھوں نے اٹھائے۔ کس حسرت، کس ندامت، کس پریشانی سے حضور پروردگارِ عالم میں لغزش کی معافی کے خواستگار ہوئے۔

۳۶۹ تاہم لغزش لغزش ہے۔ اور قصور قصور۔ کوئی اسے پسند نہیں کرتا حضور قبلہ مرشدِ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جب کبھی میں حاضر ہوتا۔ تو سر اسرِ انفعال ہو کر پیش ہوتا۔ اپنے گناہ اپنے قصور اپنی غفلت۔ اپنی بے شعوری اور اپنی کم علمی میرے سامنے ہوتی اور ہر امر میں خالف ہوتا۔ اور جہاں تک ناقص خیال ہے۔ اس صفت کی وجہ سے حضرت کو مجھ پر شفقت تھی۔ ورنہ میری استعداد ناقص تھی۔ محبت جو اس راہ میں شرط ہے۔ وہ بہت کمزور تھی۔ خیالات فاسدہ اور افکار باطلہ میرے خمیر میں تھے عرض کوئی ایسا وصف تھا جس کی وجہ سے توجہ خاص کے لائق ہوتا۔ باوجودیکہ طبیعت انفعالی ہے۔ تاہم بعض امور ایسے سرزد ہوئے جو آپ کی طبیعت پر گراں گزے۔

۱۔ یہی فطرت بشری ہے کہ لغزش واقع ہو پھر ندامت کے آنسو بہیں اور معافیاں ہوں۔

۲۔ مُقَرَّر: اقرار کرنے والا

۳۔ معافی اللہ تعالیٰ کی ایک عنایت ہے جس کا سبب لغزش ہی بنی۔

۴۔ ترجمہ: اے ہمارے پروردگار، ہم نے اپنی جانوں پر آپ ظلم کیا۔ اب اگر تو نے معاف نہ فرمایا اور رحم نہ دکھایا تو ہم خسارے والوں میں ہوں گے۔

۵۔ انفعال: لفظی معنی اثر پذیر ہونا، یہاں مراد ندامت ہے۔

۶۔ یعنی — اثر پذیر ہے اور ندامت والی۔

یہی طبع ہے جو لغزش کے نتائج سے آگاہ کرتی ہے اور انسان متقی بن جاتا ہے۔

۳۶۶-۱- دوسری مرتبہ حاضر ہوا۔ تو جمعہ لاہور ادا کر کے حاضر ہوا۔ خیال یہ تھا کہ جمعہ شریف سے پیشتر بھڑ بھڑ ہوگی۔ بعد کو موقعہ اچھا ملے گا۔ حاضر ہوا۔ تو آپ نے پہلا سوال جمعہ کی بابت کیا۔ کہ کہاں ادا کیا۔ اس کے بعد بھی کئی بار جمعہ ادا کرنے کے بعد گھر سے روانہ ہو، ہفتہ یا ایوار کو قدر مبوس ہوتا رہا۔ گو آپ کو میرا یہ فعل پسند نہ تھا۔ لیکن کبھی اس کے متعلق ظاہر نہ فرمایا۔ مگر جب مرض الموت کی خبر سنکر حاضر ہوا۔ تو بھی ایسے اتفاق ہوا۔ کہ جمعہ کی شام کو مجھے اطلاع پہنچی اور ہفتہ کی شام کو حاضر ہوا۔ آپ نے حسب دستور دریافت فرمایا ”کہ جمعہ کہاں ادا کیا“ عرض کیا ”کہ گھر میں“ فرمایا ”یہ ہمیشہ ایسا ہی کرتے ہیں“ لیکن یہ الفاظ اس وقت تک دل پر کھٹکتے ہیں۔ اور جب تک زندگی ہے۔ کانٹا بن کر چبھتے رہیں گے۔ کاش پہلے علم ہوتا تو تدارک کر سکتا۔

۳۶۸-۲- ایک بار ہفتہ کو حاضر ہوا۔ خیال تھا کہ جمعہ کو گھر پہنچ جاؤں گا پنجشنبہ کو میں نے جناب حاجی صاحب سے ذکر کیا، کہ ارادہ ہے کہ جمعہ کو واپس پہنچ جاؤں۔ حاجی صاحب نے گوش گزار کیا ”تو فرمایا کہ کیا یہاں جمعہ نہیں ہوتا۔ دوسرے دن جمعہ کے بعد حاجی صاحب نے نہ معلوم کیوں پھر اسے دہرایا۔ تو آپ نے سخت جھنجھلا کر فرمایا۔ ”جب مرضی ہوگی رخصت دیں گے“ لیکن شکر کہ میں حاضر نہ تھا۔ جناب سید نور الحسن صاحب آئے۔ اور انھوں نے مجھے کہا۔ کہ جمعہ گزر گیا تو اب یہ کہلانے کی کیا ضرورت تھی۔ حاجی صاحب نے بھی تو نہیں سوچا کہ حضور کے سامنے ہوشمند ہی سے بات کرنی چاہیے۔ نازک مزاج شامل تاب سخن ندارند
آخر تیرہ دن کے بعد رخصت ہوئی۔

۱- حضرت اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ خود جمعہ مبارک کا وعظ فرماتے اور ہر سال کی استعداد کے مطابق کھلم کھلتا نصاب اور توجہات سے نوازتے، دوردور سے لوگ جمعہ کی خاطر پہنچتے اور حضور کی خواہش ہوتی کہ خواص و زائرین جمعہ شریف پر توجہ پڑھیں۔

۲- حاجی عبدالرحمن قصوری رحمۃ اللہ علیہ

۳- بادشاہوں کی نازک مزاجی بات تک کو بھی برداشت نہیں کر سکتی۔

۳۶۹ لیکن اصل اس میں راز یہ تھا۔ حضور کی مرضی تھی کہ صوفی محمد ابراہیم صاحب جو ہمارے قبلہ جد امجد رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اور آپ کے گہرے اور مخلص دوست اور عقیدتمند تھے۔ میری اور ان کی ملاقات ہو جائے۔ تاکہ دونوں ایک دوسرے کو ایک چشمہ پر سیراب ہوتا دیکھ کر شکر الہی بجالائیں۔

۳۷۰ صوفی صاحب ہفتہ کو تشریف لائے اور پیر تک ہے اگرچہ حضرت مرحوم و مغفور نے پہلے ہفتہ کو فرمایا تھا۔ کہ اب صوفی صاحب کے بعد ان کو (مجھے) رخصت کریں گے۔ لیکن اچانک آپ نے دو شنبہ کی رات کو حاجی صاحب سے فرمایا کہ کل دونوں کو اکٹھا ہی رخصت کریں گے۔

۳۷۱ آپ کا معمول تھا کہ اپنے متعلقین کو بیکدم رخصت نہ فرماتے بلکہ یکے بعد دیگرے اجازت بخشتے۔ اور خواص کو تو پورے دن کے وقفہ سے رخصت فرماتے۔ جس کی وجہ یہ تھی۔ کہ رخصت ہونے والے کی طرف پوری توجہ باطنی فرماتے۔ بلکہ رخصت ہونے کے بعد کسی گھنٹے اسی حالت محبت میں آبدیدہ رہتے۔

آہ یہ محبت عامہ ہے جسے صوفی نما لوگوں نے ایک ٹکسالی اصطلاح میں گھڑ کر رکھ دیا ہے۔ اور جس کا مستی اور مفہوم دنیا میں بہت کمیا ہو چکا ہے۔

۳۷۲ میں اس فوری رخصت سے خود حیران تھا۔ لیکن ایک ظاہر وجہ تو یہ نظر آئی۔ کہ شاید دونوں کو ہر فوقی سفر کرنے کے لیے ایسا کیا ہو۔ لیکن پھر بھی آنکھ اس حقیقت کے انکشاف کے لیے بیتاب تھی۔ تاکہ میں نے دریا عبور کیا۔ اور حضرت قبلہ جد امجد علیہ الرحمۃ والغفران کے بھانجے اور میرے چچا صاحب گھوڑی پر سوار مجھے

- ۱۷ یعنی قبلہ جان حضرت مرشد نامہ ظلہ اور صوفی محمد ابراہیم صاحب
- ۱۸ محبت کا خاصہ ہے کہ وہ ایک طرف نہیں رہتی اور اولیاء اللہ تو محبت کا تخم ہوتے ہیں اور قاسم محبت اس لئے اہل محبت خواص کی جدائی کا اثر کس طرح ان پر نہ ہو۔
- ۱۹ محبت عامہ۔ تصوف کی ایک اصطلاح ہے۔ یہ ساک کا ایک حال ہے کہ جلوه الہی کا ظہور ہر جگہ نظر آتا ہے۔ اور طبیعت بے اختیار محبت پر اُٹھ آتی ہے۔
- ۲۰ یعنی ایسے ساک جو اس بلند حال کے مصداق ہوں بہت کم ملتے ہیں۔ عام صوفی صرف اصطلاحات کو یاد کر لیتے ہیں۔
- ۲۱ مولوی صوفی غلام رسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ ساکن سودھی بالا جو حضرت خواجہ محمد عثمان رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور تربیت یافتہ تھے۔

نظر آئے جو بیریل سے رخصت ہو کر واپس گھر جا رہے تھے۔ اب فوری رخصت کی حقیقت کھل گئی۔ چنانچہ مصافحہ کے بعد انھیں پھر گھر لایا اور وہ صلح خاندانی ہوئی کہ جس کی کئی سالوں سے احباب کو خواہش تھی۔ اور یہی خواہان جس کے لیے دست بد رہتے تھے اور خود حضور قبلہ جس کے لیے قلبی ہمت صرف فرما رہے تھے۔ اور جس کا سہرا آج بھی آنحضور قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی پیشانی پر لٹک رہا ہے۔

۳۴۴ ایسی باتیں کچھ مجھ سے ہی خاص نہیں۔ بلکہ ہر حاضر ہونے والے کو ایسے بہت سے واقعات پیش آئے۔ کہ وہ ششدر رہے۔ کہ کس طرح کس صفائی سے آپ منزل مقصود کی طرف روانہ فرماتے۔

۳۴۵ برادر سراج الدین صاحب نے جو سفر کشمیر میں بھی آپ کے ہمراہ تھے، بیان کیا۔ کہ ایک بار آپ نے رخصت دے کر فرمایا کہ دو دن گھر رہ کر شاہ صاحب کے پاس حضرت کیلیا نوالے جانا۔ میں نے سوچا کہ کیوں کر ایہ زیادہ خرچ کروں۔ پہلے حضرت کیلیا نوالہ جانا چاہیے۔ پھر گھر۔ لیکن شاہدے سے ٹکٹ لیا۔ تو وہ کسی دوسرے اسٹیشن کا دیا گیا۔ ہر چند میں نے گاڑی میں بیٹھنے کی کوشش کی لیکن کارگر نہ ہوئی۔ گاڑی چلی گئی پھر ٹکٹ بدلوایا گیا۔ لیکن گاڑی ڈاک تھی۔ اس کے بعد حضرت کے فرمان کا خیال آیا۔ تو میں نے کہا تبھی یہ مصیبت آرہی ہے۔ آخر پھر ٹکٹ بدلو کر گھر کی طرف روانہ ہوا۔ جب گھر سے نصف میل پر پہنچا۔ تو میری خالہ ہمارے گھر سے رخصت ہو کر اپنے گھر جا رہی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔ خالہ نے کہا۔ آج دو دن سے تمہارے انتظار کے بعد واپس جا رہی تھی۔ شکر ہے کہ تو بھی آگیا۔ خالہ کو گھر لایا۔ دو دن کے بعد وہ اپنے

۱۔ دل کی قوت؛ تعلق باللہ کی وجہ سے جو نسبت کامل سالک پر قائم ہو جاتی ہے اور اسی نسبت اور توجہ

سے لوگوں کی بگڑیاں بنتی ہیں۔

۲۔ سراج الدین صاحبؒ۔ تحصیل حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ کے رہنے والے تھے۔ حضرت اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ

کے دصال کے بعد حضرت سید نور الحسن شاہ صاحب کے پاس رہے۔

گھر گئی۔ اور میں حضرت کیلیا نوالا آیا۔

۳۷۶ ۳۔ تیسری لغزش یہ ہوئی۔ کہ خیر کویاں ضلع گجرات کا ایک موچی جو حضرت قبلہ عالم
جدا مجد علیہ الرحمۃ کے ہاتھ پر زمانہ طفولیت بیعت ہوا تھا۔ آپ کی خدمت میں حاضر
ہوا۔ جمعہ کا دن تھا۔ حسب دستور آپ داہنی طرف سے پوچھتے اور بتاتے جاتے۔ آخر
اس کی نوبت آئی۔ آپ نے دریافت فرمایا: ”کسی بزرگ سے بیعت ہے؟“ عرض کیا۔
حضرت بیرل والا سے۔ آپ نے فرمایا: ”تم نے خود انھیں دیکھا تھا؟“ عرض کیا جی ہاں۔
فرمایا: ”کچھ فرمایا؟“ عرض کی ہاں۔ فرمایا: ”یاد ہے؟“ اس نے کہا۔ جی ہاں۔ اس پر آپ
دوسرے آدمی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ لیکن میں اس کے سوال و جواب پر سخت اندر
اندر کڑھتا تھا۔ کہ بیوقوف کیا کہہ رہا ہے۔ نہ تو ظاہر شریعت سے آراستہ ہے۔ اور
نہ باطن تربیت سے پرآستہ۔ پھر یہی کہنا جاتا ہے کہ سب کچھ یاد ہے۔ اور یہی وجہ آپ
کی بے التفاتی کی ہوئی۔

۳۷۷ حضور شریف لے گئے مجلس برخواست ہوئی۔ باہر نکل کر میں نے اسے بہت
کچھ سخت سست کہا۔ وہ اپنی جگہ پریشان۔ میں اپنی جگہ شرمندہ۔ کہ اپنا آدمی ہو کر
خالی جا رہا ہے۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا۔ کہ مسجد کے بالمقابل ایک موچی
کی دوکان پر حقہ مزے سے پی رہا ہے۔ مجھے بھی طیش آیا۔ میں مسجد کے دروازہ کی بساط
(چھت) پر جا لیٹا۔ اتنے میں اس کا ایک رفیق راہ بھی میرے پاس آ بیٹھا۔ اور مجھے کہا
کہ فلاں موچی آپ کے خاندان سے تعلق قدیمی رکھتا ہے۔ لیکن آپ نے اس کے لیے کچھ
نہ کیا۔ مجھے غصہ تھا۔ میں نے کہا۔ یہ ایسے ہی اچھے ہیں۔ دیکھو وہ حقہ پی رہا ہے۔ اُسے

۱۔ ضلع گجرات تحصیل پھالیہ میں ایک گاؤں ہیں۔ جہاں حضرت اعلیٰ بیرلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اکثر
مڑیا اور مخلص موجود تھے۔

۲۔ بچپن۔ اطمینان اور برکت کے لیے بعض لوگ اپنی اولاد کو بزرگوں کا مڑیہ کرا دیتے ہیں۔
یعنی کچھ وظیفہ پڑھنے کو بتلایا تھا۔

۳۔ کامل کے پاس پہنچ کر اپنی ناقص حالت کو پیش کرنا چاہیے۔ اپنی ظاہر و باطن کی نسبت کا حوالہ
نہیں دینا چاہیے۔

۴۔ نہ منہ پر داڑھی ہے اور نہ صورت سے شرافت ظاہر ہوتی ہے۔

۵۔ اور نہ ہی ذکر و فکر کا نور موجود ہے اور نسبت اعلیٰ کو بدنام کر رہا ہے۔

حضور کی خفگی سے شرم تک نہیں آئی۔ موچی جو حقہ پی کر آیا۔ تو رفیق نے تمام ذکر کیا۔ وہ بے چارہ در ماندہ ہو کر چادر لپیٹ کر چھت پر لیٹ گیا۔ کھانا آیا۔ اسے اٹھایا۔ اس نے کہا دل نہیں چاہتا۔ پھر مجھے دوپہر کو وہ کہنے لگا۔ کہ میں تو واپس جانا ہوں۔ میں نے اس سے کہا۔ کہ جمعہ تو پڑھ لے۔ اس نے کہا دل پریشان ہے۔ اب یہاں رہنے کو جی نہیں چاہتا۔

۳۷۸ وہ بے چارہ سچا تھا۔ ایک طرف تو حضرت کے اندر کی بیباکی اور پریشانی کا عکس اس پر تھا۔ دوسری طرف میرے الفاظ سے نمک کا کام ہوا تھا۔ کہ ایک زخم دوسرا نمک۔ میرا دل بھی بھرا آیا۔ میں نے اس سے نرم مزاجی شروع کی۔ اور وعدہ کیا۔ کہ کل انشاء اللہ تعالیٰ پھر تمہیں نیاز حاصل کراؤں گا۔

۳۷۹ اگرچہ حضور قبلہ کی خدمت میں دنیاوی دعا کی عرض بہت مشکل تھی۔ اور دعا کا لفظ سن کر آپ سخت پریشان اور آشفتنہ ہو جاتے تھے۔ تاہم اپنے نیاز مندوں کی التجاؤں پر پوری توجہ ہوتی تھی۔ مہر نواب خاں جو ہمارے علاقہ کا ایک بڑا زمیندار اور مرتضوی لنگر کا نہایت خدمت گزار تھا۔ اسے ایک زمینداری مقدمہ درپیش آ گیا جس کا فریق ثانی ایک بڑا زبردست ٹوانہ تھا۔ مجھے کئی بار اس نے کہا۔ کہ حضرت قبلہ میاں صاحب کی توجہ کے بغیر یہ مشکل حل ہوتی نظر نہیں آتی۔ وہ اسی عرض سے میرے ہمراہ تھا۔ گو میں آپ کی نازک مزاجی سے پورا واقف تھا۔ لیکن اس کی اخلاص مندی اور حضور قبلہ کی نوازش سے بے انتہا کی وجہ سے اسے اپنے ہمراہ لے گیا۔ اور حاجی صاحب اور خواجہ دین محمد صاحب کی معرفت عرض کی گئی۔ اور ان قدوة السالکین نے بھی اس مخلص کو قد مبوسی سے شرفیاب

۱۔ کامل شیخ کی ہر ادا منجانب اللہ ہوتی ہے اور عکس ریز حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کی حالت پر پریشان ہوئے تو وہ بھی پریشان ہو گیا اور اس کا پریشان ہونا ضروری ہو گیا۔

۲۔ کامل شیخ فانی فی اللہ ہوتا ہے اور دنیا کی حقیقت اس پر منکشف ہوتی ہے۔ پر چند روزہ قیام گاہ ہے۔ گذشتنی اور گذشتنی ہے اور چونکہ کامل کی توجہ قلب اور قلب کی اصلاح پر ہوتی ہے اور یہی ایک چیز باہر کہیں نہیں ملتی اس لئے جتنی زیادہ سے زیادہ توجہ دل کی اصلاح پر دی جائے بہتر ہے۔

۳۔ مہر نواب خاں حضرت اعلیٰ میر بلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مخلص مرید اور بزرگ تحصیل سرگودھا کا رہنے والا۔ اپنے گاؤں کا نمبر دار تھا۔

۴۔ اللہ کا راستہ چلنے والوں کا پیشوا۔

فرما کر اس کی تسلی فرمائی۔ بعد جمعہ اس کے لیے رخصت بھی طلب کر لی گئی۔ چنانچہ وہ بعد نماز جمعہ چلا گیا۔

۳۸۰ آپ نے شام کے بعد پوچھا کہ ان کے ہمراہ کوئی آدمی ہے؟ جواب عرض کیا کہ نہیں۔ صبح پھر دریافت فرمایا۔ کوئی ہمراہی ہے۔ عرض گزاری گئی کہ نہیں۔ آپ نے صبح کھانا طلب کیا۔ اور بالاخانہ پر مجھے کھلوا یا۔ اور نہایت محبت سے رخصت فرما کر حوالہ سجدہ فرمایا۔ اور حاجی صاحب میرے ہمراہ کیے گئے۔ لیکن جو سنی میں نیچے آیا۔ اور میں نے اپنے نازہ رفیق کو دیکھا۔ تو حاجی صاحب کو اس کا ہاتھ دے کر عرض کیا۔ کہ اسے حضور سے شرفیاب کر لائیں۔ میرے ہمراہ یہ جانے والا ہے۔ حاجی صاحب نے بھی میرے کہنے کے مطابق نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ ہاتھ پکڑاؤ پر چڑھ گئے۔ حضور بوجہ کمزوری لیٹے ہوئے تھے۔ آپ کی نظر جو پڑی۔ تو دریافت کیا۔ کہ یہ کیا۔ حاجی صاحب نے عرض کیا۔ کہ اس کے ہمراہ جانے والا ہے۔ پھر کیا تھا۔ حضور سخت بے تاب ہو گئے۔ فرمایا "رات کو بھی پوچھا۔ کہ کوئی ان کے ہمراہ ہے۔ صبح کو بھی پوچھا۔ کوئی ان کے ہمراہ ہے۔ پھر کھانے پر بھی پوچھا۔ کہ کوئی ان کے ہمراہ ہے۔ رفیق راہ ہے۔ لیکن جواب یہی ملتا رہا۔ کہ کوئی نہیں۔ اب میں اسے کیا کروں۔ دسترخوان پر دو روٹیاں بچی تھیں۔ آپ نے ایک اس کے حوالے فرمادی۔ اور ایک اپنے پاس رکھ لی۔ اور فرمایا۔ بھاگ جا۔ یہ بہت کچھ غنیمت جان۔ سچ کہتے ہیں۔"

تہی دستان قسمت را چہ سود از را بہر کامل
کہ خضر از آب حیوان نشنہ می آرد سکندر را

تہی دست - خالی ہاتھ -

۱

حضرت ۴ - حضرت خضر علیہ السلام، بنی اسرائیل کے وقت کے ایک وحانی کامل بزرگ ہیں جو زندہ و جاوید ہیں۔

۲

پیغمبر یا ولی اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انہی کی خدمت میں بھیجا گیا تھا۔ سورہ الکہف میں ذکر ہے۔ (قرآن کریم ۱۱)

آب حیوان - زندگی کا پانی - آب حیات -

۳

سکندر - ذوالقرنین - جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے -

۴

۳۸۱ ایک اس کی محرومی دوسری اپنی بے باکی تیسری حضور کی آشفتنہ ولی اور پریشانی
 خاطر ہی غرض اتنی ندامت ہوئی کہ ہمیشہ پھر نام حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔
 اور مور کی طرح آنکھیں قدموں پر رہیں۔ اپنی گستاخی پر ندامت تھی اور میں تھا۔
 ۳۸۱ الف یہ ندامت محمود ہو۔ یا مذموم۔ لیکن درحقیقت جو ہر انسانی کے جلا کے لیے ندامت
 سے بڑھ کر کوئی چیز اور کوئی دوا کارگر نہیں۔ بلکہ لطف تو بھی ہے جب مجھ جیسے کو ہر وقت
 ہر گھڑی ندامت نہ چھوڑے۔ اپنے افعال، اپنے اقوال، اپنے احوال پر کبھی مطمئن ہونا نصیب
 نہ ہو۔ اپنی نیکیاں، اپنی بدیاں، تمام کی تمام بدی کی صورت میں نمایاں ہوں۔

۳۸۱ ب لیکن یہ دولت ہم جیسے گنہگاروں کو نصیب کہاں۔ یہ کسی بلند بہت انسان کے
 نصیب ہوتی ہے۔ ایک بار حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نماز فریضہ ادا
 کی۔ اور اس کے بعد طبیعت میں اتنا جذبہ ندامت پیدا ہوا۔ کہ آپ نے صوفی محمد ابراہیم
 صاحب سے فرمایا۔ کہ بھائی! نماز کے بعد میری یہ حالت ہو گئی ہے۔ جو کسی کو زنا کے بعد
 اپنی رو سیاہی پر ہوا کرتی ہے۔ سننے والے حیران ہو گئے۔ لیکن کسی کو کیا معلوم۔ کہ وہ کس
 درجہ پر اپنی نماز کی حقیقت دیکھنا پسند کرتے تھے۔

۳۸۱ ج یہ ہے حقیقت ندامت کی۔ ہماری ندامتیں گو کتنی اچھی ہوں۔ لیکن پھر بھی گناہ پر۔
 گناہ پر ندامت کو کون محمود کہے۔ ہاں کفارہ ہو سکتا ہے۔ اور اچھا کفارہ۔ لیکن سچ یہ
 ہے۔ کہ کامل ندامت تو رحمت اللہیہ کی جان ہے۔

۷۱ عام انسان غمی اور خوشی کے چکر میں رہتے ہیں ان کی ندامت بھی دنیوی فرو گذاشتوں پر ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ
 جن کو قلبی بلندیاں عطا فرماتا ہے ان کی بند قوتیں بھی بیدار فرمادینا ہے۔ بند قوتوں میں ندامت بہت بلند قوت ہے۔ اور بسا اوقات
 بغیر ظاہر سبب کے اندر ذنی جذبے سے بیدار ہو جاتی ہے۔ ندامت عموماً فرو گذاشت پر ہوتی ہے لیکن کبھی کبھی نیکیوں کی موجودگی میں بھی
 ندامت آجاتی ہے۔ اور یہ کیفیت رحمت اللہیہ کی جان ہے۔

تربیت ذاتی جلالی

۳۸۲ فَادْكُرُوْنِيْ اَذْكُرْكُمْ وَاَشْكُرْ وَاِلٰى وَاَلَا تَكْفُرُوْنَ ہ پارہ دوم رکوع

سوم سے آگے پڑھو۔ تو دو آیت کے بعد وَ لَنْبَلُوْا تَكْمُ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ - آتا ہے جس کا صریح مطلب

یہ ہے۔ کہ جو کوئی یا دِالہی (سلوک اور مسلمانی) میں پڑتا ہے۔ اس کے لیے ہر موقعہ

اور ہر منزل میں امتحانات ہوتے ہیں۔ صرف زبانی جمع خرچ سے کام نہیں چلتے۔ جس

سے صاف پتہ چلتا ہے۔ کہ ہر سالک کے لیے تکالیف (تربیت جلالی) کا آنا ضروری ہے۔

۳۸۳ بہت سے احباب سے سنا گیا۔ کہ وہ کہتے ہیں۔ "کہ جب ہم فقیر صاحب کی خدمت

میں جانے لگے۔ یہ تکلیف دور ہو گئی۔ وہ رنج چلا گیا۔ وہ دولت ملی۔ یہ آرام حاصل ہو گیا

اور ساتھ ہی یہ کہتے ہیں کہ فلاں درجہ، فلاں مقام تک ہم نے سلوک حاصل کر لیا۔" تو

حیران رہ جاتا ہوں۔ کہ سنت اللہ کے برخلاف یہ کیا کچھ کہتے ہیں۔

۳۸۴ میرا تو خیال ہے کہ اگر تربیت جلالی نہیں ملی تو وہ سلوک ہی نامتام ہے۔ لیکن

یہ نہیں کہ تمام کو تربیت جلالی ایک قسم کی دی جائے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ جتنی تربیت

جلالی زیادہ کھائیں گے۔ اتنا سلوک اور فقر بلند پایہ ہوگا۔

۳۸۵ دیکھو جن بزرگوں نے رنگارنگ مصائب دیکھے وہ کتنی بلند پر وازی پر چڑھ گئے۔

اصل حقیقت یہ ہے۔ تربیت کا مدار قدرتِ ایزدی نے سالک کی ہمت اور حوصلہ پر

۱۔ ایسی تربیت جو قدرتِ سالک کو تکلیفوں میں مبتلا کر کے فرماتی ہے۔ علیٰ پس تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔ اور تم میرا شکر کرو اور کفران (نعمت)

نہ کرو ۲۔ ترجمہ آیت: اور ہم تم کو ضرور آزمائیں گے (خواہ) کسی چیز سے آزمائیں۔ خوف سے آزمائیں گے اور بھوک دے کر امتحان لیں گے اور مال و متاع

کے نقصان سے اور بندوں کی موت سے تمہارا امتحان لیں گے۔ اور پھلوں (نتائج اور ثمرات) کو بر باد کر کے آزمائش کریں گے (اور اے نبی صبر کرنے والوں کو خوشخبری دیں جن کو مصیبت آئی تو کہنے لگے ہم اللہ کے ہیں اور اسی کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔)

۳۔ اللہ تعالیٰ کا دستور تو یہی ہے کہہ اپنے محبوب کو گونا گونے تکلیفیں دیتا ہے۔ حیرانی کی بات ہے بعض لوگ محبت بھی بنتے ہیں اور بغیر تکالیف ہر طرح کی کامیابیوں کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ حالانکہ اس راستے میں ناکامیاں اور امتحانات ہیں۔ دنیوی فوائد باطنی فوائد کے ساتھ اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

۴۔ مصیبت ہمت اور حوصلہ کی کسوٹی ہے جتنی تکالیف راہِ خدا میں زیادہ ہوگی اتنا سالک کا درجہ بلند ہوگا، قدرت نے تربیت کا مدار سالک کی ہمت پر رکھا ہے۔

فان الہمة تبلغ مبلغ الرجال لا المجاہدات (ہمت ہی مردانِ کامل کے مقام پر پہنچاتی ہے صرف مجاہدات نہیں) واللہ تعالیٰ یحب معالی الہمم (اللہ تعالیٰ بلند ہمتوں کو دوست رکھتے ہیں۔)

رکھا ہے۔ جو شخص ایک من بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ اس کے سر پر دو من بوجھ مالک کہاں رکھتا ہے۔

۳۸۶ پھر صاحبِ ہمت کے ساتھ ہی یہ سلوکِ جلالی روا رکھا جاتا ہے۔ شاہباز کی آنکھیں سی جاتی ہیں اور اسے بھوک دی جاتی ہے۔ نہ کہ کوٹے کی۔ کیونکہ ایک دن اسے بادشاہ کے ہاتھ پر بھانا مقصود ہوتا ہے۔ جب تک وہ یہ محنت اور ریاضت نہ کھائے گا۔ بادشاہ چھوڑ غلام بھی اسے اپنے ہاتھ پر بٹھائے گا۔ اسی طرح گدھے کو بھی کسی نے ریاضت نہیں دی۔ لیکن گھوڑا ہے۔ کہ گھنٹوں دوڑایا جاتا ہے۔ اچھلایا جاتا ہے۔ بعض وقت جان تک اس کی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ مگر برابر دم نہیں مارنے دیتے۔ کیوں؟ اس لیے۔ کہ کسی دن دنیا میں انمول کہلائے۔ شاہ پسند کرے۔ خلق اللہ دیکھے۔ یہی حالت بندہ خدا کی ہے۔ کہ ریاضت شاقہ دے کر اسے صاحبِ حوصلہ بنایا جاتا ہے بلکہ دنیا کی سب سے بلند مصیبت سے اسے واسطہ دے کر اس کا امتحان کیا جاتا ہے۔ اسی امتحان پر اس کی کامیابی کا دار و مدار ہے۔ اگر حوصلہ مار گیا۔ تو کوری سے بھی گئے اور ہمت بلند رہی، تمام دنیاوی تکالیف زیر کر لیے، اور خود بلند ہو گئے۔ تو تمام دنیا سے کامیاب ہو کر حقیقی مالک کی درگاہ میں جا ٹھیرے۔ دنیا زیر ہو گئی۔ اور خود زبر ہو بیٹھے۔ پھر جو چاہے۔ سو کرے۔ جو مانگے وہ حاضر۔ ہمیشہ کی کھٹن دُور ہو گئی اَوْلَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ہ کا پروانہ مل گیا۔

۳۸۷ اکثر پست ہمت ذرہ سنی تکلیف، ذرہ سی مصیبت پر چلا اٹھتے ہیں۔ اور کیا کرتا

۱ ہر چیز کے حصول اور ہمتِ بلند کے لئے بعض قوتیں مخصوص ہیں۔ فلسفہ کے کمال کے لئے خاص ذہن کی ضرورت ہے۔ فوجی افسر بننے کے لئے خاص ہمت کی ضرورت ہے۔ اسی طرح قربِ خدا کی بندگیوں کے لئے ایک خاص قسم کا حوصلہ ضروری ہے کہ ہر مصیبت کو برداشت کر جائے۔

۲ کامیابی کے درجے کا بیان ہے کہ جس نے تکالیف کو زیر کر لیا خود بلند تر ہو گیا پھر اسے ہر طرح کی کامرانی مل گئی۔

۳ تربیتِ جلالی کے بیان کے شروع میں آیت وَلَتَبْلُوَنكُمْ كَاخْتِمَامٍ يَّهِيَ - وَبَشَرًا صَابِرِينَ الَّذِينَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مَّصِيبَةٌ قَالُوا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُونَ اَوْلَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ترجمہ: آپ خوشخبری دیں ان لوگوں کو جن پر مصیبت آئے تو وہ کہنے لگیں ہم اللہ کے لئے ہیں اور اس کی طرف جانے والے ہیں۔ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمتیں اترتی ہیں اور انہی کو ہدایت کا نور حاصل ہے۔

ہاتھ سے دے بیٹھتے ہیں۔ اور ایسے بھاگتے ہیں۔ کہ پھر قرب و مدارج کا نام تک نہیں لیتے۔

۳۸۸ بچپن میں سنتا تھا کہ اولیاء اللہ ہر وقت تیز تلوار کی نوک پر ہوتے ہیں۔ لیکن ظاہری جاہ و جلال دیکھ کر یہ وہم پیدا ہوتا تھا۔ کہ یہ کس تلوار یا کس نیزہ، کس سولی پر ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں آ کر عقدہ حل ہو گیا۔ کہ قدرت کے مجاری، حکم الہی کی قضا کی تلوار سر پر رکھے ہوئے نجلیات الہی کی سولی پر کھیلنے ہیں۔ جان جائے۔ لیکن اُف نہیں۔ بازو کٹے لیکن ہائے نہیں۔ گھر لٹ جائے۔ لیکن پرواہ نہیں۔ تم کہو گے کہ ساری دنیا قضا و قدرت کے زبردست پنچہ کے تھپڑ کھا رہی ہے۔ پھر اُن میں اور ان میں کیا فرق ہے! لیکن غور سے دیکھو تو اتنا فرق عظیم ہے۔ جتنا خدا اور اس کی خدائی میں۔ وہ سب کچھ دیکھتے ہوئے اختیار سے سولی چڑھتے ہیں۔ اور جانتے ہیں کہ یہ سب کچھ ہم سے امتحاناً کیا جا رہا ہے۔ لیکن دوسرے گروہ اپنے قدموں خود ٹھوکر میں کھاتے ہوئے گرتے ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ کیوں ٹھوکر کھائی۔ اس بھوک اور اُس بھوک، اس تکلیف اور اس تکلیف، اس مصیبت اور اس مصیبت میں اتنا فرق ہے جتنا زمین و آسمان میں۔

۳۸۹ سالک کی بھوک امتحان ہے اور اس کی بھوک نتیجہ۔ سالک کی تکلیف تخم ریزی ہے اور اس کی تکلیف برداشتِ فصل۔ سالک کی مصیبت دل لگی ہے۔ اور محبت و مہراؤ اس کی مصیبت قہر و رنج۔

۳۹۰ دشمن کے وار کے اندر تکلیف ہے اور محبوب کے وار میں لذت کیا خوب کسی نے کہا۔

۱۔ یعنی پست ہمت سلوک الی اللہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

۲۔ مجاری: جاری ہونے کے مقامات (راستے)

وہ راستے جہاں سے بلیات اور امتحانات آتے ہیں۔

۳۔ یعنی سالک آزمائش میں ہے اور عامی اپنے کئے کی سزا میں۔

۴۔ سالک کو تکلیف اور برداشت کا پھل ملنے والا ہے۔

اور عامی کی تکلیف اس کے کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔

۵۔ یعنی محبوب کی محبت کی ایک ادا۔

۶۔ عامی پر اظہار ناراضگی اس طریقے سے کیا جا رہا ہے۔

نہ بھولا ہوں نہ بھولوں کا حشر تک میں کبھی دل سے
مزے جو جو ارے مت اٹل! تری تلوار میں آئے

۳۹۱ ہر ایک آدمی اپنے مشرب کے مطابق اس ذات جلّ و علا کو جانتا اور دیکھتا

ہے۔ لیکن سالک تو اس کو اپنا محبوب ہی جانتا ہے۔ اور بس اس کی ہر آواز، اس کی ہر
شان پر فریفتہ۔ اللہ اکبر۔ جو مہربان ہے مہری اس سے کی جائے اس میں اپنی سعادت ابدی
جانتا ہے اور اس سے شاد کام رہتا ہے۔ تلخی، زشتی سب اس سے جدا ہو جاتی ہے۔ وہ
ایسا ہی یکہ اور جدا ہو بیٹھتا ہے۔ جیسے اس کا محبوب تمام عوارض سے جدا اور پاک

ہے

۳۹۲ ہر چہ آید در نظر از خیر و شر

جملہ ذات حق بود اے بے خبر

اوست در ارض و سما و لامکان

اوست در ہرزہ پیدا و نہاں

افسوس کہ میں اُن خوش قسمت لوگوں سے نہیں۔ جو اول درجہ کے نمبروں میں آتے
ہیں۔ لیکن پھر بھی شکر ہے۔ کہ سرے سے معطل ہی نہیں چھوڑا گیا۔ ورنہ ہمیشہ کا خسران
سر پر ہوتا میرا ایمان ہے کہ جو کچھ روارکھا جاتا ہے۔ یہ میری بہتری کے لیے ہے ظلم
نہیں۔ بلکہ عنایت ہے۔ یہ سختی نہیں۔ بلکہ رحم ہے لیلیٰ نے مجنوں کا برتن توڑ دیا تو وہ ہنسنے
لگا۔ لوگوں نے کہا۔ ہنستا کیوں ہے؟ کہا! وہ جانتی تو ہے اور محبت کی وجہ سے یہ
سلوک کیا۔ ورنہ کسی دوسرے کا بھی تو برتن توڑتی۔ آہ سچ کہا۔ اللہ تعالیٰ اسے غریقِ رحمت

۱۔ جب سالک اپنا معاملہ اللہ کی طرف سے دیکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا محبوب ہے تو ضرب الجیب الجیب

محبوب کی ضرب بھی پسندیدہ ہے۔ کے مسداق محبوب کی طرف سے آئی ہوئی تکالیف بھی سالک کو محبوب ہیں۔

۲۔ خیر اور شر کی قسم سے جو چیز بھی سامنے آئے۔ وہ دراصل ذاتِ حق ہی ہے۔ وہی زمین میں ہے وہی آسمان میں ہے

اور لامکان میں ہے۔ وہی ہرزہ میں ظاہر ہے اور پوشیدہ ہے۔

۳۔ محبت میں تلخی بھی شیرینی ہے۔

فرماوے۔ عشق اسے ہی کہتے ہیں۔ اور محبت صادقہ اسی کا نام ہے۔
 ۳۹۳ جلالی تربیت بھی پھر کئی قسم کی ہے۔ ایک وہ جس میں کسی بندہ کو دخل نہیں۔ بلکہ
 براہ راست مصائب مسلط کر دیئے گئے۔ جیسے بیماری اور بھوک۔ دوئم وہ جس میں
 واسطہ ہے اور کسی دوسری ہستی سے تربیت کرائی جاتے۔ یہ رتبہ میں بلند ہے۔ پھر اس
 کے بھی دو قسم ہیں۔ پہلی قسم یہ ہے۔ کہ غیر سے دکھ اور رنج پہنچایا جائے۔ دوسری وہ۔ کہ
 یگانہ سے رنج اور تکلیف دلائی جائے پھر یگانے بھی کئی قسم کے ہیں۔ سب سے لطیف تر
 وہ تربیت جلالی ہے جو عزیز ترین اور محبوب ترین ہستی سے دلائی جائے۔ جیسے محبتوں کو
 یابی سے۔ مرید کو پیر سے۔ عاشق کو معشوق سے، یہ تربیت اکسیر می حکم رکھتی ہے۔ ہر ایک
 کی قسمت میں یہ سودا نہیں ہوتا۔ جو اس تربیت میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ وہ منزل مقصود
 پر آنا فنا جا پہنچتا ہے حضرت بلکھے شاہ صاحب رحمۃ اللہ کی سوزانہ طبیعت ہی اس جوہر
 گرانیہ کے لائق تھی کہ سید ذات ہو کر آریوں کے گھر جانا چے اور زبان زبان پر بلکھا،
 بلکھا ہو گیا۔ لیکن شاہ عنایت ہیں۔ کہ آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے آخر منزل پوری ہوئی۔ تو پیر
 مرید شیر و شکر سے بھی زیادہ مل بیٹھے حضرت للہی قدس سرہ کے کئی ایک خلفائے نامدار
 تھے۔ لیکن یہ دولت سوائے ہمارے حضرت جہاد مجد کے کسی کو نصیب نہ ہوئی۔ پیر ہے۔
 کئی بار برأت نامے (خطوط بیزاری) لکھتا ہے۔ لیکن مرید ہے کہ پہلے سے بھی زیادہ پراز
 اخلاص ہوتا جاتا ہے وہ دہنکار تا ہے۔ تو یہ بڑھتا ہے۔ آخر وہ دن آگئے۔ کہ تمام یگانوں
 سے بڑھ کر قرب حقیقی پر جا سجدہ گزار ہوئے۔ اللہ اللہ اور اپنے پیر سے ہم نوالہ و ہم پالیہ
 ہو بیٹھے۔ مجازی قرب کے دعویٰ اڑتی چھپے ہے۔

۱۔ محبوب کی طرف سے ہمیشہ ٹھنڈی ہوا پہنچتی ہے اور دل ہمیشہ عنایات کا منتظر رہتا ہے لیکن جب قدرت کو کسی ساک کا امتحان منقسم ہوتا ہے تو قدرت ہی محبوب کی آنکھیں
 پھیرتی ہے اسباب ہی ایسے بن جاتے ہیں کہ شفقت کی لگا ہن غصہ سے بدل جاتی ہیں و محبت کا جو بستی اور غصہ سے ملتا ہے رنجائے ماننے پائے رفتن ایسی حالت میں زمین کی فراخی
 تنگ ہو جاتی ہے اور زندگی زہر کا گھونٹ بن کے رہ جاتی ہے۔ ایسی صورت میں ساک کو تحمل سے کام لے اور رحمت الہی کا منتظر ہے تو پھر میں نہاں بدل جاتے ہیں۔ ساک کا کام بن
 جانا ہے اور وہ محبت کا ڈر پھر شروع ہو جاتا ہے۔ حضرت بلکھے شاہ مشہور بزرگ ہیں جن کا علیہ تھا انکے حقائق اشار کی صورت میں عام ہیں قصود شریف میں فرار مبارک زیارت کا وہاں
 علم ہے ۳ حضرت شاہ عنایت حضرت بھاشا کے پیر مرشد ہیں آپا میں تھے پیر مرشد ناراض ہو گئے انہوں نے انکو خوش کرنے کے لئے بہت جیلے کئے جن میں ایک جیلہ یہ تھا کہ ایک تیرہ
 پیر کے سامنے چاچے پھر حضرت نے ان کی اس نفسی قربانی سے اپنی رضامندی کا اظہار فرمایا (شاہ عنایت کی قبر مبارک لاہور میں چڑیا گھر کے پاس ہے) حضرت غلام نبی تھی آپ حضرت
 غلام نبی قصویٰ قصویٰ کے حیل اللہ خلیل تھے اور ہمارے حضرت خواجہ غلام نغضے رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت علمی باطنی حضرت للہی نے فرمائی ہے حضرت غلام نغضے رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولیت عام
 دیکھ کر بعض حاسدوں نے غلط باتیں کہیں کہ حضرت اعلیٰ للہی کو حضرت ناراض کر دیا لیکن حضرت پیر بلوئی پوری نیازندی سے دعویٰ غلامی پر قائم رہے اور کمال استقامت کا ثبوت دیا آخر حضرت للہی
 حقیقت سے آگاہ ہوئے اور پیر مرید باہم شیر و شکر ہوئے۔

۳۹۴ خود حضرت قبلہ مرشد مہم حضرت میاں صاحبؒ کے حصہ میں یہ دولت آئی تھی حضرت
بابا سلطان امیر الدین صاحبؒ نے آپ سے برأت ظاہر کی۔ آپ کے اخلاص کو عدم
نیاز پر پیر پستوں نے ظاہر کیا۔ پیر و مرشد نے علی الاعلان ناراضگی فرمائی۔ لیکن بندگان
نیاز حقیقی کب مٹنے والے تھے۔ پہلے سے زیادہ سہرا خلاص قدموں پر جا رکھا آخر پیرِ حسم
کھا گئے اور ایسے بنگلگیر ہوئے کہ دوسرے کی گنجائش نہ رہی۔ رہروان منزل نے اقرار
کیا کہ

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوان عشق
او لبحر رفت و ما در کوچہ ہا رسوا شدیم
وَلَمَّا الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۲۴

قدرت حقہ نے میری فطرت میں سوز کا مادہ بہت کم رکھا ہے۔ اور اس دولت
کے نہ ہونے کی وجہ سے میں ابھی تک آوارہ و دشت پریشانی ہوں۔ اگر یہ ایک جوہر و
میری فطرت میں رکھا ہوتا۔ تو میرے تمام گھاٹے پورے ہوتے۔ لیکن پھر بھی ثنا کر ہوں۔
جو کچھ بھی ہے عین مصلحت نامہ ہے۔ اس لیے قدرت نے مجھے اس آخری تربیت سے
سرفراز نہ فرمایا۔ بلکہ پیر و مرشد علیہ الرحمۃ کی تمام توجہ جمالی ہی رہی۔ جیسا کہ کہا گیا۔ اور
تربیت جلالی (محبوب حقیقی نے) اپنے ہاتھ سے فرمائی۔

۳۹۵ بچپن سے ہی تکلیف اور مصائب اٹھانے کا خوگر کر لیا گیا تھا۔ دادا صاحبؒ کے
گذرنے کے بعد چھ مہینے کے اندر ماں نے دامن محبت سمیٹ لیا دو سال نہ گزرنے پائے۔
کہ ریعان جوانی میں چھوٹے بھائی زبیر اماں جان کے ملنے کے لیے چلے گئے۔ پھر دو سال گزرے

۱۔ محنت کی کتاب میں میں اور مجنوں ایک ہی سبق پڑھتے تھے۔ وہ جنگل میں چپلا گیا اور ہسم

گلی کوچوں میں رسوا ہو کر پھرتے ہیں۔

۲۔ اور اسی کی کبریائی ہے۔ زمین میں اور آسمانوں میں اور وہ غلبے والا ہے اور

حکمت والا ہے۔

۳۔ یعنی مصائب آئے، بیماریاں آئیں، جانوں کا نقصان ہوا۔

۴۔ شروع جوانی۔

۵۔ حضرت قبلہ و کعبہ محبوب الہی مرشدنا مصنف مدظلہ کے چھوٹے بھائی صاحبزادہ محمد زبیر صاحبؒ

توجہ دینا عالم حافظ محدث حکیم برادر معصوم چلے گئے اور بازو ہمت ٹوٹ گیا۔ پھر والدہ کثیر وغیرہ نے الوداع کہا۔ ازاں بعد تیسرے سال کے اندر حضرت قبلہ والدہ رحمۃ اللہ علیہم جمعین بھی سایہ مہر و محبت اٹھاتے ہوئے چتر والد نہر گوار کے نیچے جا کھڑے ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ ۝

۳۹۶

رنج و تنہائی سہی لیکن بہل جانا ہے دل

کچھ تمھاری یاد سے کچھ نالہ و نند یاد سے

اس رنج و غم کے علاوہ علالت طبیعت نے بھی پورا پورا ساتھ دیا۔ اور جہاں دل بچوم غم کی وجہ سے کمزور ہو گیا تھا۔ وہاں جسم بھی اپنی امراض کی وجہ سے کمزور ہو گیا۔ یہ دور اول ہے۔ جس کی تفصیل دکھانا میں ضروری خیال نہیں کرتا۔ اُس کے بعد دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ جو حلقہء غلامی کے بعد سے گنا جانا ہے۔ گو اس کی پوری تفصیل نہیں دکھائی جاسکتی تاہم کسی قدر تفصیل کے بغیر کام نہیں چلتا۔

۳۹۷ پہلی قدمبوسی کے بعد گھر آیا۔ کوئی ایک مہینہ یا دو مہینے گزرے ہوں گے۔ کہ

بیمار ہو گیا۔ اور تمام جاڑے بیماری میں گزارے۔ شوال ۱۳۲۳ھ میں دوبارہ حاضر ہوا۔ کسی دن قیام سعادت اندوز رہا۔ اور فیض پور بھی قاری صاحب حضرت کی اجازت سے لے گئے۔ لیکن راستے میں پیرٹ میں خلیل ہو گیا۔ اور اسہال شروع ہو گئے۔ اول شرفیور شریف واپس آکر شب کو حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے بعد عشاء بلوایا۔ توجہ فرمائی رخصت کیا۔ لیکن بیٹھے بیٹھے بخار بھی ہو گیا۔

۳۹۸ لاہور سے مجھے بچپن سے محبت تھی۔ دلی بھی رہا تھا۔ اور پشاور کے لطف بھی

۱۔ حضور قبلہ عالم پیر مرشد دام ظلہ کے بڑے بھائی حضرت محمد معصوم صاحبؒ علا حضور قبلہ عالم کی بیوی پاک، حضرت صاحبزادہ سید صاحب قبلہ عالم کے بڑے صاحبزادہ صاحب ۳۔ جب کوئی سالک راہ مولائیں ترم رکھتا ہے تو مصائب کا آنا ضروری ہوتا ہے۔

۲۔ یعنی کامل کی مریدی کے بعد آزمائش اور امتحان کا دروازہ کھل جاتا ہے بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ کامل شیخ سے تعلق مصائب سے نجات کی جانب ہے۔ لیکن فی الحقیقت یہ تعلق کھرا کھڑا جانچنے کا ایک پیمانہ ہے جس نے مبر کیا وہ کامیاب ہو گیا اور جو مبر نہ کر سکا وہ کم ہمت سمجھے دھکیل دیا گیا۔

۳۔ شرفیور شریف سے جنوب مغرب ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔

۴۔ قاری اللہ بخش صاحب جو حضرت اعلیٰ بیروٹی کے خلیفہ تھے اور حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ کے دوست۔

۵۔ میرے قبلہ و کبر حضرت پیر مرشد (مصنف) مظللہ العالی تعلیم کے لئے دلی رہے مولانا نذیر احمد صاحب اور مولانا کفایت اللہ صاحب سے بھی اپنے علم حاصل کیا۔

۶۔ پشاور اسلام آباد کالج میں سات سال تک حضور قبلہ عالم مظللہ پروفیسر رہے۔ (از ۱۹۱۳ء تا ۱۹۱۹ء)

اٹھائے تھے۔ لیکن دلی محبت لاہور سے ہمیشہ رہی۔ اور جب سے حضرت کے ساتھ تعلق ہوا۔ تو دل اور بھی مچلا۔ آتے جاتے اب تو لاہور کی سیر ہو گئی۔ احباب سے ملا کریں گے۔ اب کے بھی یہ خیال گھر سے لے کر چلا تھا۔ کہ واپسی برتین چار دن لاہور میں قیام کروں گا۔ گو بخار ہو گیا لیکن ارادہ میں ترنزل نہ آیا۔ تاہم لاہور تک خفیف بخار تھا بلکہ حرارت تھی بازار میں داخل ہو کر کچھ خرید و فروخت کی۔ اور دوپہر کو آرام لینے کے لیے لیٹ گیا لیکن سر رکھنا تھا کہ بخار نے شدت پکڑی اور اس کڑا کے کاچڑھا۔ کہ الہی توبہ، نہ جاتے ماندن نہ پائے رفتن۔ اول تو لاہور میں کوئی یار غار تھا ہی نہیں۔ اور جو تھے وہ بھی ملازم۔ نوکری کا معاملہ ہے، آئے اور گئے۔ پانخانہ ہے تو میری چھت پر، حکیم ہے تو چار محلے چھوڑ۔ رفیق راہ بھی ساتھ نہ تھا۔ کیونکہ حضرت کی خوشنودی اس میں دیکھی تھی۔ غرض جسم میں آگ لگ گئی۔ معدہ پُراز بلغم۔ اسہال شروع۔ تین دن ایسی مصیبت کی ٹکر۔ آخر چل دیا۔ راستے میں آکر ایک اور مصیبت واقع ہو گئی کہ کسی نے میری واپسی کی خبر سنا وہ میں کر دی بارہ تیرہ آدمی ملنے کے لیے اسٹیشن پر جا پہنچے۔ گاڑی آئی۔ دیر تک تلاش کرتے رہے۔ چلنے لگی تو مجھے دیکھا ایک بد معاش ٹی ٹی نے انھیں کہا کہ بیٹھ جاؤ۔ اگلے اسٹیشن پر اتر جانا۔ جو صرف چار میل کے فاصلے پر تھا۔ اور خود بھی گاڑی میں ہمارے ہمراہ بیٹھ گیا۔ راستے میں ہمارے دیہاتیوں نے اس کی بڑی عزت کی کھانے کے لیے کچھ پلاؤ دیا۔ وہ کھانا بھی گیا اور مہمو بھی تیار کرتا گیا۔

۳۹۹ گاڑی میں جو بھلے مانس اس کو جانتے تھے۔ وہ کہنے لگے کہ یہ بد معاش لالہ موسیٰ کا کر یہ لیے بغیر نہ چھوڑے گا۔ لیکن دیہاتی حیران تھے۔ کہ اس نے خود کہا ہے اور یہ سب

۱۔ نہ ٹھہرنے کی جگہ اور نہ چلنے کے پاؤں۔

(یعنی سخت مجبوری)

۲۔ ہمدرد دوست خدا کا دوست۔

۳۔ تحصیل پھالیہ میں پھالیہ سے دو کوس کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے۔

کچھ اس کی تواضع کر رہے ہیں۔ آخر کار گاڑی ٹھہری۔ اس نے اسٹیشن ماسٹر کو میمو
ریا دواشت) لے کر میرے ملنے والوں کو دکھایا۔

گذشتہ اوراق میں گذر چکا ہے کہ حضرت نے مجھے گیارہ روپے چلتے ہوئے
دیئے تھے۔ اور میں حیران تھا۔ کہ کیوں دیئے۔ جبکہ بہر اسی قاری صاحب بعد عشاء
عنایت کیے تھے تو اس موقع پر کام آگئے۔ دس روپیہ کا نوٹ انھیں دیا۔ تو ان کی
خلاصی ہوئی۔ پھر راستے میں ٹکٹ بدلنا تھا۔ اس کے لیے اتنی تکلیف ہوئی کہ الہی
توبہ! آخر اپنے اسٹیشن پر پہنچا۔ سواری نہ ہونے کی وجہ سے چھتیس گھنٹے کڑا کے کی
دھوپ جھلستی آگ جیسی ٹوپیں مسافر خانہ ریل میں لیٹا پڑا۔

۴۰۰ لیکن ساتھ ہی نسبت اپنی پوری طاقت میں جلوہ نما تھی۔ ہر آن اس کے تجلیات
اور اس کی نیرنگیاں اس کے مظاہر قدرت آنکھ میں آتے اور جاتے تھے اور میں محو حیرت
تھا اچانک اپنے گاؤں کا آدمی مل گیا۔ اس نے ایک واقعہ بیان کیا۔ کہ تمھارے فصلاں
پر فلاں کس قابض ہونا چاہتا ہے اور یہ تدبیر بنا رکھی ہے۔ غیرت نے جوش کھایا۔ حضرت
قبلہ جدا مجد علیہ الرحمۃ کی روح مبارک کی طرف توجہ اٹھی۔ اور حضرت قبلہ مرشد رحمۃ اللہ
علیہ کی طرف التجا نے ہاتھ بڑھائے۔ کہ ایسے جد ہوتے اور ایسے پیر ہوتے ہماری بیڈ
ہو دن گزارا تو اسی خیال میں۔ رات گذری تو اسی دھیان میں۔ صبح دریا پر ہزار وقت
پہنچا۔ اور کشتی سے دریا عبور کیا۔ تو سامنے ایک چارپائی پر ایک زمانہ نعش دیکھی۔ جسے
گھر لے جا رہے تھے۔ اور بے چاری نے غربت میں جان دی تھی۔ شکر پروردگار عالم
کیا۔ کہ زندہ جا رہا ہوں۔ اور کہ میری بھی نعش نہیں جا رہی۔ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ

۱۷ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ
۱۸ ڈھاکہ - دریائے جہلم کے کنارے ایک ریلوے اسٹیشن ہے۔ بیربل شریف یہاں سے تین میل جنوب کو ہے راستے
میں دیدیا پڑتا ہے۔ تاہم گذشتہ زمانے میں یہی اسٹیشن قریب ترین اور آسان ترین ذریعہ تھا۔ آمد و رفت کا
اب بیربل شریف جانے والے شاہ پور صدر میں اتریں یا موضع جھادریاں میں آئیں۔ یہ دونوں مقام بہت قریب
ہیں سواری مل جاتی ہے۔

۱۹ توجہ الی اللہ کا ایک حال ہے جو بہت بلند کیفیات کا حامل ہے۔ اور یہی حال سالک کے پرواز کے پر بن جاتا ہے۔
۲۰ تجلیات : جمع تجلی - روشنی - چمک - جلوہ -
۲۱ اور کوئی شخص یہ نہیں جانتا، کہ کون سی زمین میں وہ مرے گا۔

اَرْضِ تَمُوتُ ۵

۴۰۱ گھر پہنچا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ قابض ہونے والے دوست کا لڑکا کل دوپہر کو تقدیراً نالے پر نہانے کے لیے گیا۔ نالے میں چھلانگ لگائی۔ اور گردن ٹوٹ گئی۔ اور مر گیا۔ اس بات سے یہ بخوبی روشن ہو گیا۔ کہ جب نسبت بلند ہو جاتی ہے۔ تو اس کے آثار بھی بلند اور فوری ہو جاتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیے۔ کہ اس میں صاحب نسبت کا دخل نہیں جو اپنے آپ میں تکبر پائے۔ یا اس پر کوئی الزام رکھا جائے یہ نیرنگی تقدیر کا مظہر ہے۔ جسے ایک شیشہ شفاف خیال کرنا چاہیے۔ کہ پر تو کا ظہور دکھارنا ہے۔ اور بس۔ گو لوگ ایسے صاحب نسبت کی بابت دور دور تک گمان اور وہم کرتے ہیں۔ کہ ۵

گفتہ او گفتہ اللہ بود گر چہ از حلقوم عبد اللہ بود

الغرض چار مہینے تک اس بیماری نے طول کھینچا۔ خاص و عام کو میرے مرنے کا یقین ہو گیا۔ بعض حکماء نے مشہور کر دیا کہ اسے وق ہے اور چار ماہ تک اس کا کام تمام ہو جائے گا اکثر دوست کہنے لگے۔ کہ حضرت جد امجد رحمۃ اللہ علیہ کی غیرت کا نتیجہ ہے۔ اور عوام میں یہ خیال عام تھا۔ بلکہ بعض خواص بھی ان کے ہمزبان ہو گئے تھے۔ اس کی زیادہ وجہ یہی تھی کہ حضرت جد امجد رحمۃ اللہ علیہ واقعی ایک غیور ولی اللہ تھے۔ اور جیسا کہ گذر گیا کہ آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ ہمیں شیشہ اور تلوار عنایت ہوئی ہے۔ اور نفس الامر میں یہ بات ٹھیک بھی تھی۔ کئی آپ کے مرید اور بزرگوں کی خدمت میں گئے۔ تو سخت رجعت اٹھائی اور طرح طرح کی مصیبتوں سے تکلیف پائی۔

۱۔ تعلق باللہ کا ایک حال ہے جو سالک میں آتا ہے اور اندر باہر عجائبات کا باب کھول دیتا ہے۔
 ۲۔ تقدیر کے عجائبات براہ راست آتے ہیں لیکن جب سالک میں نسبت جلوہ گر ہوتی ہے تو سالک کی کرامات بن کر یہی عجائبات ظہور پذیر ہوتے ہیں۔
 ۳۔ سالک دل تزکیہ پا کر شیشے کی طرح ہوتا ہے کہ تجلیات الہیہ کا عکس قبول کرتا ہے، تقدیر کے ظہور کا سبب بنتا ہے وغیرہ۔
 ۴۔ اس کا کہنا اللہ کا کہنا ہوتا ہے۔ اگر چہ اللہ کے بندے کے منہ سے نکل رہا ہوتا ہے۔
 ۵۔ اولیاء اللہ کی طبائع میں مختلف آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ غیرت یعنی غیر مناسب کو ناپسند کرنا اور اپنے تعلق اور لاج کی پاسداری۔ بعض اولیاء اللہ کی یہی خاصیت طبع اتنی نمایاں ہوتی ہے کہ جس کو ناپسند کرتے ہیں اس پر وبال آنے میں دیر نہیں لگتی۔ اور اپنے تعلق اور نسبت ظاہری و باطنی۔ فرماتے ہیں حضرت اعلیٰ بیرونی رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت مبارک کی یہ خاصیت نمایاں تھی۔
 ۶۔ شیشہ سے مراد مکمل انکشاف و لاپاک دل در تلوار سے مراد مقابلہ میں آنے والے کو تباہ کرنے کی قوت۔

۲۰۲ ایک بار مولوی حکیم محمد عظیم صاحب مرحوم ضلع گوجرانوالہ نے بھری محفل میں ہر مسلمان
 یہ کلمہ کہہ دیا تھا کہ اگر آپ کچھ عنایت نہیں فرماتے۔ تو کوئی اور تلاش کروں۔ لیکن مجسمہ غیرت
 حضرت جد امجد علیہ الرحمۃ نے وہ بے دروازہ طمانچہ منہ پر سے مارا۔ کہ دنیا کانپ اٹھی یعنی
 فرمایا کہ نامردوں کی عورتیں غیروں کے پاس جایا کرتی ہیں مرد تو غیر کی طرف نظر بھی اٹھانے
 نہیں دیتے حکیم صاحب یہ تماشا بھی دیکھو۔

ع نازک مزاج شاہان تاب سخن ندارد

۲۰۳ بیچارے حکیم صاحب نے کسی اور امر کے لیے کہا تھا۔ لیکن غیور طبیعت کسی اور
 طرف چلی گئی۔ الہ العالمین ہمیں اپنے اولیاء کرام کی غیرت سے بچائیو۔

۲۰۴ لیکن میں بھی عجیب مخلوط الحواس آدمی ہوں۔ دل میں کہا۔ کہ آج تک بڑے افعال
 بڑے حرکات تو کرتا رہا۔ ملازمت کی، وہ پڑھا اور یہ پڑھایا۔ جو آپ کو پسند نہ تھا۔ تو
 آپ ناراض نہ ہوئے غیرت نہ فرمائی۔ اگر آج ایک ولی اللہ کی خدمت میں گیا۔ جو اپنے
 وقت کا غوث، اپنے زمانہ کا یگانہ، سنت رسول کا سچا عاشق۔ بدعت و شرک کا اکھیرنے
 والا۔ اور حضرت قبلہ جد امجد کا ہر وقت شاخوآں۔ جس کا دل ان کی محبت اور اخلاص سے
 بھر پور ہے۔ تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو غیرت آگئی۔ اعود باللہ ان اکون من
 الجاہلین۔ لیکن یہ سب کچھ ہوتا رہا مگر حالت یہی رہی۔ کہ ایک بیماری گئی اور
 دوسری آئی۔ سال بھر سے نو مہینے نہیں تو چھ مہینے تو بلا تشک بسترِ علالت پر کھٹتے۔ تا اینکه
 اپنے توجہ آخری ۳۴ مہینے میں فرمائی اور دریافت فرمایا اور آرام پایا۔ یہ تو تھی جسمانی تکلیف۔
 ۲۰۵ اب سننے مالی تکلیف۔ پیر لوگوں کی آمدن کا انحصار تعلقات پر وابستہ ہوتا ہے۔

۱ مولوی صاحب کوٹ فاضل المعروف ٹھٹھہ شمس تحصیل حافظہ آباد کے رہنے والے تھے۔ آپ کے صاحبزادہ مولوی عبدالعلی صاحب
 حضرت موڑھوی رحمۃ اللہ کے مجاز تھے۔ ان کے دو صاحبزادے مولوی منظور احمد صاحب اور حافظ لطیف احمد صاحب ہیں
 جو پنڈی بھٹیاں کے قریب رہتے ہیں اور دونوں حضرت قبلہ مرشد مکرم (مصنف غلط) سے نسبت باطنی رکھتے ہیں۔

۲ بادشاہوں کا مزاج نازک بات کو بھی برداشت نہیں کر سکتا۔

۳ حضرت میاں صاحب ولایت میں غوثیت کے مرتبہ پر تھے۔

۴ حضرت اعلیٰ شہر قیودی رحمۃ اللہ علیہ حضرت اعلیٰ بیرونی رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ افتدس سے والہانہ محبت رکھتے تھے
 اور ہمیشہ آپ کی تعریف سے رطب اللسان رہا کرتے تھے۔

۵ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں اس بات سے کہ کہیں میں نا سمجھ لوگوں میں ہو جاؤں۔

اور میرے جیسے پیروں کے تعلقات اسی وقت قائم رہ سکتے ہیں۔ کہ آنا جانا ہے۔ مرید جذب ہو کر پیر کی خدمت میں نہ پہنچ سکا۔ تو پیر مجذوب ہو کر مرید کے سر جا کھڑا ہوا۔ چاروناچار وابط کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور اچھا بھلا گزارہ چلتا رہتا ہے۔

۲۰۶ حضرت قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو پیری دورہ سے سخت نفرت تھی بلکہ آپ اپنے پیر بابا امیر الدین صاحب علیہ الرحمۃ کی بابت کہ ان کا دورہ سر اسر رحمت ہوتا) احباب سے کہ بیٹھتے تھے۔ کہ بابا صاحب کی یہ بات مجھے پسند نہیں۔ حیا مانع آئی مجھے خود تو نہ فرمایا۔ لیکن قاری اللہ بخش صاحب سے پہلی ملاقات میں فرمادیا کہ مجھے مریدوں پر جانا پسند نہیں۔ میں تو کہتا ہوں۔ کہ حضرت صاحب کی مزار کو نہ چھوڑیں۔ سب کچھ ہوتا ہے گا۔ قاری صاحب نے مجھے بیان کیا۔ میں نے کہا۔ یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ جو مجھ سے نہ ہو سکے طبیعت پہلے بھی غیور واقع ہوئی ہے۔ احباب کے کہنے اور بزرگان سلف رحمۃ اللہ علیہم کے طریق کی وجہ سے چلا جایا کرتا ہوں۔ لیکن دل میں خیال آتا ہے۔ کہ پیر ہو کر گھر گھر جائے!

کام بھی سنورے اور ارشاد پیر بھی پورا ہو۔ تو پھر مجھے کیا اعتراض۔ اور کیا گنجائش۔ لیکن میرے اس کہنے سے کہ پیر ہو کر گھر گھر جائے یہ نہ سمجھ لینا۔ کہ ان پیشوایان دین پر طعن ہے۔ جو دورہ کیا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ وساوس سے بچائے وہ صرف ذاتِ رتی عزت شانہ کی خوشنودی کے لیے۔ اسلام حقیقی کی خدمت کے لیے اور ارشاد پیر کی تعمیل کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ اس میں ذاتی نفع نقصان سے تعلق نہیں اور لوگ بھی ان کے قدم باسعادت کو وسیلہ وارین سعادت کو نہیں خیال کرتے

۱۔ دورہ۔ مریدین کی درخواست پر ان کے ہاں جانا۔ کامل ارشاد تبلیغ دین اور اشاعتِ روحانیت کی غرض سے مرید کے ہاں تشریف لے جاتے ہیں لیکن بعض کمزور قسم کے آدمی اس کو ذریعہ معاش اور وسیلہ یافت دیکھتے ہیں اور یہ آخری چیز بہت ناپسند ہے۔

۲۔ طبیعت غیور ہو۔ اور پھر شیخ کامل کا حکم بھی ہو تو ہر ایسا تعلق جس سے خودی پر ضرب بھی پڑتی ہو آسانی سے چھوڑا جاسکتا ہے۔

۳۔ فرمان شیخ سے کام سنور جاتے ہیں بظاہر گھاٹے کا سودا بھی فی الحقیقت نفع مند تجارت ہوا کرتی ہے۔

۴۔ بعض مقتدایان دین مریدین کی درخواستوں پر ان کے ہاں تشریف لے جاتے ہیں۔ قبولِ دعوت سنت بھی ہے اور تبلیغ دین کا بھی ایک ذریعہ ہے۔ لوگ جب ان حضرات کے ساتھ تربیت یافتہ درویشوں اور مریدوں کو دیکھتے ہیں تو ان کی صورت اور روش سے متاثر ہوتے ہیں اور دین کی طرف راغب۔ اور بعض مشائخ تو اپنے خلفاء کو اس خدمت دین کے لئے حکم دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں مریدوں کی جانب سے تحفہ مخالف پیش ہوں یا جس قسم کی خدمات بھی ہوں وہ حضرات اس سے بالاتر ہوتے ہیں ان کے دورے اور ان کا قبولِ دعوت سب کچھ طبیعت ہوتا ہے اور مریدین کے لئے باعثِ رحمت و برکت۔

ہیں۔ بلکہ یہ طعن ان پر ضرور ہے۔ جو نفس پروری کے لیے اپنے نفس کو ذلیل کرتے ہیں۔ اور در در کی گدائی سے پیٹ بھرتے ہیں۔ اور خلق اللہ ان کے گھرانے کو وبالِ جان سمجھتی ہے۔

کچھ تو دورہ بند ہو گیا۔ کچھ بے تعلقی بڑھ گئی۔ اور پہلی سی طبیعت میں مدارات بھی نہ رہی۔ اپنے حالِ مست کے پاس کون جائے۔ نتیجہ وہی ہوا جو آپ کی زبان سے اچھلتا ہوا نکلا تھا۔ کہ ”إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا“ سے مجھے سب کچھ سمجھ آ رہا ہے۔ ”قرض تو نہیں“ عسر (اور تنگی) بھی آئی۔ قرض نے بھی آدبا یا جس کے پاس سینکڑوں جمع رہتے تھے وہ سینکڑوں کا قرضدار ہو بیٹھا۔ واہ سبحان اللہ! تیری قدرت۔ لطف یہ کہ جو اپنے ہاتھ سے روپیہ دھکیلتا تھا۔ وہ پیسے پیسے کے لیے آنکھیں مچھانے لگا۔

مگر واہ رے طبیعت۔ کہ ذرا نہ بھسمی بلکہ پہلے سے بھی شوخ۔ دل ہے تو شاید کہ چند دن کی تنگی کھا جاؤ۔ عنقریب عسر (تنگی) یسر سے بدل جائے گا۔ وعدہ الہی برحق اور زبانِ مجھی قاطع۔ لیکن سب سے عجیب بات یہ ہے کہ جمع بھی تیرہ سونک پہنچی تھی اور قرض بھی تیرہ سونک پہنچ کر ٹھہر گیا اور ساتھ ہی قبلہ مرشدم بھی ہم سے ہمیشہ کے لیے سایہ اٹھا گئے۔

۴۰۶ مرزا جانان رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ کہ ہمیں تنگی اتنی پہنچی کہ کھانے کے لیے کچھ میسر نہ ہوتا تھا اور دستِ سوال دراز کرنا طریقت کے برخلاف تھا۔ آخر ایک دن یہ سوچ کر کہ مرنا تو ہے۔ لیکن رسوا ہو کر کیوں مریں۔ دروازہ حجرے کا بند کر کے میں بیٹھ گیا اور دل سے عہد کیا۔ کہ اگر اب کوئی دے گا بھی تو نہیں لوں گا۔ تین چار دن اسی فاقہ مستی

۱۔ بعض کہ ہمت یا بے تربیت لوگ جو کسی وجہ سے عوام کے مقتدا بن جاتے ہیں اور ان میں خدمتِ دین کا کوئی جذبہ کارفرما نہیں ہوتا۔ اور محض مفاد و اغراض سامنے ہوتے ہیں وہ خود بھی ذلیل ہوتے ہیں اور اپنے سلسلے کو بھی بدنام کرتے ہیں۔

۲۔ سانک اپنے حال میں مست ہو تو لوگ اس کی بے توجہی اور بے نیازی سے بے توجہی کا اثر لیتے ہیں اور قریب کم آتے ہیں۔

۳۔ فضلِ خداوندی شامل حال ہو مرشدِ کامل کا حال مرید پر اثر انداز ہو جائے اور طبیعت مستعد اور صابر ہو تو مصائبِ آفاقی و انفسی کے یل و نہار آسانی سے کٹ جاتے ہیں اور طبیعت میں تسکنت کے آثار نہیں آتے۔

۴۔ وعدہ الہی سے مراد فان مع العسر یسرا بیشک تنگی کے ساتھ آسانی۔

۵۔ زبانِ قاطع سے مراد حضرت میاں صاحب کی زبانِ مبارک کہ ”عُ كَفْتُهُ اَوْ كَفْتَهُ اللهُ بُوْدُكَ مَصْدَقٌ هُوَتْیْ هُوَتْیْ“۔

۶۔ مرزا جانان دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نقشبندی مجددی سلسلے کے اکابر میں سے ہیں ۱۹۵ھ میں وفات پائی۔ قبر مبارک دہلی میں ہے۔

میں نہایت استقلال سے کٹ گئے چوتھے پانچویں روز ایک آدمی نے دستک دی لیکن میں نے کوئی آواز نہ دی۔ بلا بلا کر جب تھک گیا۔ تو کواڑ کی دراز (سواخ) سے ایک ڈیپے اندر پھینک دیا۔ اُس دن کے بعد پھر ایسی تنگی کبھی نہیں آئی۔ بلکہ وسعت سے دینا ہے۔ گویا یہ آخر گھائی ٹھٹی جس کے سرے پر پہنچ کر اترائی شروع ہونی تھی۔

۲۰۸ یہ یاد رہے۔ کہ جتنی بلندی (عسرا) زیادہ ہوگی اور جتنی تکلیف اور دکھ سے بلندی پر پہنچیں گے اتنی لپٹی (لیسرا) زیادہ ہوگی۔ اور اترنے (عیشی زندگی) میں آرام چنانچہ آخر مرزا علیہ الرحمۃ کو اپنے خواص کی اس التجا پر (کہ میں شاہی وظیفہ آپ کے لیے مقرر کرتا ہوں) کہنا پڑا ہے

ما ابروی فتر وقناعت نمی بریم

بامیرزا بگوئے کہ روزی مقدر است

۲۰۹ سو میں کوئی بلند پرواز نہ تھا۔ تیرہ سو پر جا کر سہاری (تنگی) اور چڑھائی ختم ہو گئی۔ اب دو سال سے اسی چٹان پر آرام سے پڑا ہوں۔ لیکن سچ یہ ہے کہ دل چاہتا ہے کہ اور بلندی (تنگی) ہوتی تو، اور منازلِ علوی طے کرتا۔ لیکن آہ حوصلہ ہار گیا۔ تیرہ سو کی بلندی کوئی زیادہ بلندی نہیں جو امتیاز کے قابل ہو۔ میرے پیرو مرشد قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے بلندی کی آخری انتہا کو عبور فرمایا۔ کہ نظر اٹھا کر بھی دیکھیں تو دل لرز جاتا ہے۔ بعض خواص سے سنا ہے۔

”کہ گھر بھر میں صرف ایک گھوڑی رہ گئی تھی لیکن وہ بھی شتر قوپر کے خواجگان نے نیلام کرائی۔“ ایک سو روپیہ قرضہ پدری ادا کرنے کے لیے آپ کے چچا صاحب نے کسی آپ کے دوست کو لکھا۔ کہ کوئی اللہ کا بندہ اور حضرت کا مخلص بہت کرے تو یہ قرضہ

- ۱۔ تکالیف و مصائب کا مجاہدہ طبع سالک کو بندیوں پر لے جاتا ہے۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔
- ۲۔ تندئی باد مخالف سے زگھرا لے عقاب ۱۔ یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے۔
- ۳۔ عسرا اور لیسرا متقابل صفات ہیں جتنا عسرا زیادہ ہوگا اتنا ہی لیسرا زیادہ ہوگا۔
- ۴۔ ہم فقر اور قناعت کی آبرو ضائع نہیں کرتے۔ مرزا سے کہہ دو کہ رزق (ہر شخص کا) مقرر ہے۔
- ۵۔ سالک حوصلہ جتنا بلند ہوگا اتنی طلب کی بلندی زیادہ ہوگی۔ اور مصائب کی وجہ سے عدم سبیری تو جو صلے کی انتہا ہے۔
- ۶۔ زبور نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغمت ۱۔ سردوستاں سلامت کہ تو خیر آزمائی
- ۷۔ کاش بر من فتنہ نہ بر تو سن ۱۔ دمدم زحمت تا زیانہ تو
- ۸۔ بلند مقامات فقر و تصوف۔

ادا کیا جائے۔ چنانچہ ایک صاحب برکت، صاحب حوصلہ گورہ قصور نے ہمت کی
 (اللہ تعالیٰ اسے برکت دے) لیکن قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کو اس تکلیف اس ذلت اس تنگی
 سے ذرا بھری پروا نہ ہوئی۔ اور جیسے شیر تھے ویسے ہی شیر ہمیشہ وحدت ہے اور عرفا
 کے جنگل میں دھاڑتے رہے اللہ اکبر استعدا و بلند اسے کہتے ہیں۔ معلوم نہیں۔ لوگ استعدا و
 کے کیا معنی لیتے ہیں۔ اور اپنے زعم باطل میں کیا بنائے پھرتے ہیں۔

۴۱۰ یہ فرضہ سا ہو کارانہ نہ تھا۔ براوری کا تھا۔ جو نہ ادا ہونے کی وجہ سے ہزاروں
 دیتے۔ لاکھوں بانیں ساتے تھے یہ خیال نہ کرنا کہ آپ کی طبیعت غیور نہ تھی بلکہ استغراق
 فنایت اتنا موقع نہ دیتا تھا۔ کہ اس طرف آنکھ بھی اٹھے۔ ورنہ بشر تھے۔ کیوں نہ گھبراتے۔
 اور کیوں نہ ”وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ“ کے
 مطابق تنگی سینہ پیدا ہوتی۔ ایک بزرگ کا ذکر کرتے ہیں۔ ایک بار شیر سامنے آگیا۔
 پریشانی تک ظاہر نہ کی۔ دوسری بار کتے سے بدکنے لگے کسی نے سبب پوچھا۔ فرمایا پہلی
 دفعہ میں نہ تھا کہ میں اس سے ڈرتا اور دوسری دفعہ میں تھا۔ کیوں نہ اس سے خوف کھانا۔

۴۱۱ اے دوست یہ بانیں میں اس لیے لکھ رہا ہوں۔ کہ تم سمجھ جاؤ۔ کہ حوصلہ کا مارنا، او
 حوصلہ کا قائم رہنا۔ سالک کے اختیار میں نہیں۔ بزدل کو ہزار شیر دل بناؤ۔ وہ شیر دل
 نہیں ہو سکتا۔ اور شیر دل کو ہزار قصے خوف اور مصائب کے سناؤ۔ وہ بزدل ہو کر رک
 نہیں سکتا۔ تو خود کچھ نہیں۔ جو اترائے۔ بلکہ تیری شاہ زوری کا دار و مدار اس کی طاقت
 پر ہے۔ ایک بادشاہ کا کمزور نوکر کس رعوت اور شیر دلی سے بولتا ہے۔ اور ایک توانا طاقتور،
 پست ہمت کیسے عجز ظاہر کرتا ہے۔ ذَلِكُ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ مِمَّا

۱۔ توجید کے جنگل کے شیر۔

۲۔ استعدا و۔ قابلیت۔ کسی کمال کو حاصل کرنے کی قوت فقر کی استعدا یہ ہے کہ حوصلہ اور برداشت زیادہ سے زیادہ ہو اور مطلوب کی طرف مشغولیت ایسی ہو کہ باقی احوال کی طرف
 نگاہ نہ اٹھے۔ خواہ وہ احوال مثبت ہوں خواہ منفی۔ استغراق، انوار باطن کی جستجو میں ایسی رعوت کہ جو اس ظاہر معطل ہو جائیں فنایت: شعور کا اسباب ظاہر سے
 اٹھ جانا اور کسی رنج و غم کا محسوس ہونا۔ اور البتہ تحقیق ہم جانتے کہ ان کی باتوں سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے۔

۵۔ نسبت کے بچے سے انا کا احساس جا تا رہا تھا۔

۶۔ نسبت کی قوت ہوتی ہے جو بندے میں آکر اپنے کرشمے دکھاتی ہے۔

۷۔ وہاں بھی تعلق ہے اور بادشاہی نسبت پر وہ اترا رہا ہے۔

۸۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے جس کو چاہے عنایت فرما دے۔

ہے اور بس۔ مدارِ علیہ تعلق (نسبت) شاہی ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے جبروتی طبیعت ہوتی ہے اور اس تعلق کے نہ ہونے اور ربط کے ٹوٹ جانے سے بشری طبیعت لوٹ آتی ہے اور بشری خواص کا مرکز سالک ہو جاتا ہے۔

۴۱۲ مجھے خوب یاد آتا ہے کہ اس قرضہ سے دل تنگی نہ ہوئی تھی۔ لیکن جب تیرہ سو تک نکل گیا۔ تو پاؤں نے لغزش کھائی۔ دل میں شکر آنے لگا۔ رب العزت کے ربار میں التجا کرنے لگا۔ لیکن ابھی پورا نہیں مارا۔ بلکہ دونوں کناے برابر نظر آ رہے ہیں۔ او یاس و آمید کے نقطہ وسط میں کھڑا ہوں۔ اللہ تعالیٰ لغزش نوحے آمین ثم آمین۔

۴۱۳ اب خوف کا قصہ سنیے۔ روزِ اول سے طبیعت آزاد ملی ہے۔ اور کسی جابر کے زیر ہونا پسند نہیں کرتی۔ لیکن چچا صاحب ہیں کہ ان کی طبیعت میں حاسدانہ اور تجا برانہ مادہ زیادہ ہے۔ وہ ہر پہلو و وسروں کو نیچا دکھانا چاہتے ہیں۔ چچاں چچان دونوں متضاد فطرتوں نے مل کر تمام خاندان کو تباہ اور خاک سیاہ کر دیا۔ جب سے ملازمت چھوڑ کر گھر آیا تو آپس میں وار چلنے لگے۔ اور ہر وقت ان کے داؤ اور گھات سے خوف رہا۔ کبھی کبھی جوش میں آ کر کہلا بھیجتے تھے کہ اس کا کیا ہے۔ اس کے چچا بڑے چچا رحمۃ اللہ علیہ کا کیا ہے۔ کسی دن کام کر دوں گا۔ یہ ہی قبلہ تھے کہ میری بابت حکم فرمادیا تھا کہ چچا مہینے کے اندر چلا جائے گا۔ آپ کی بدولت مسجد خانہ خدا اکھاڑا بنی۔ اور آپ کی برکت سے دارالافتاء بیربل ویران ہوا۔ میں ایک نہیں۔ دنیا ان کی دشمن۔ بندہ بندہ ان کا خونخوار لطف یہ ایک طرف میرے مکان گرانے کے لیے طغیانی کے پانی کا بند جوان کی زمین کے سر پر تھا توڑ دیا۔ اور اڑھائی گز سے زائد ٹکڑے کھانے کی وجہ سے گہرا گڑھا دیوار کے ساتھ پڑ گیا۔ اور بنیاد خالی ہو گئی۔ لیکن کام کیا تو یہ کیا۔ کہ حضرت قبلہ مرشد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں

ع مدار علیہ۔ جس پر دار و مدار ہو۔

ع آمید اور نا آمیدی کے بالکل درمیان میں۔

منا سب پہلا فیض الہی جو کسی سالک پر ہوتا ہے وہ طبع کا فیض ہے طبیعت بند ہو۔ اور خود دار ہو، ثرافت بشری کے تقاضے پورے ہوں تو فقر کے تخم کو تباہ زمین مل جاتی ہے اور خوب پھلنا پھوٹتا ہے۔ ع بعض طبائع میں برتری تو ہوتی ہے لیکن اس کی افتاد آسمانی بندی کی طرف نہیں زمینی جذبات کی حامل ہوتی ہے۔ وہ ادنیٰ قسم کا تفوق پاہتی ہے اور اس کے لیے سب کچھ کرتی ہے۔ ع حضرت اعلیٰ بیر بلوی کے وقت اور آپ کے بعد بیر بل شریف جہاں فقر و تصوف کا مرکز تھا وہاں علم کا بھی مرکز تھا۔ ہزاروں علما یہاں سے فیضیاب ہو کر گئے اور دور دور سے فتویٰ حاصل کرنے کو لوگ آتے اور شرعی فیصلوں کے طالب پہنچتے۔

ایک خط لکھ دیا۔ کہ بڑے بھائی اور برادر زادہ محمد عمر میرے سخت مخالف ہیں۔ اور لوگوں کو میرے برخلاف اُکساتے ہیں حضرت قبلہ والد م کے بعد یہی آرزو ہے کہ اس آستان کو نہ چھوڑوں۔ آپ بزرگ ہیں دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس آرزو میں کامیابی بخشے۔

۴۱۲ حاضر دربار ہوا۔ تو آپ نے فرمایا ہے۔ کہ تمہارے چچا صاحب کا خط آیا تھا۔ لیکن میں خوب ان کو جانتا ہوں۔ حضرت صاحب جب لاہور بادشاہی مسجد میں تھے۔ تو وہ بھی ہمراہ تھے۔ سر پر شیشہ دار ٹوپی تھی۔ لیکن حضرت صاحب کے سامنے نہ ہوتے تھے۔ بلکہ کبھی ادھر کبھی ادھر چلے جاتے۔ خیر میں خوب جانتا ہوں۔ لیکن پھر بھی حضرت صاحب کی اولاد میں۔ تم ہی درگزر کیا کرو۔ اور عزت سے پیش آیا کرو۔

چچا بزرگوار کی ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ میرے پاس یا ان کے بڑے بھائی صاحب اور ان کے صاحبزادہ کے پاس کوئی نہ بیٹھے۔ اور گاہے کسی کو دیکھ پاتے۔ تو نہایت انکسار نہ لب و لہجہ سے ہمارے عیوب دکھا کر اپنے تعلقات بزرگانہ اپنی شفقات پدرانہ سنا کر التجا کرتے تھے۔ کہ بس تم ہمارے ہو رہو۔

۴۱۵ یہ باتیں جو میں لکھ رہا ہوں۔ بیربل کے آنے جانے والوں سے پوشیدہ نہیں۔ اور نہ ان کی یہ غرض ہے۔ کہ ان کی برائی بیان کر کے اپنی بلندی اور علو ہمتی ظاہر کی جائے۔ بلکہ ایک خاص پہلو آریہ شریفین کے مصداق دکھانے کے لیے جو مجھے پیش آیا۔ ظاہر کر رہا ہوں۔ کہ سالک کو ایسے امور سے واسطہ پڑتا ہے۔ آخر میں میرے ایک رفیق نے خود بخود بلا اطلاع دئیے مجھے حضرت قبلہ کی خدمت میں شکایت کی۔ اس وقت میری عجیب سبکس حالت تھی۔ اور عزیز عابد مرحوم کو گزرے کوئی بیس دن ہوئے تھے۔ کہ تنگ دل ہو کر اپنے ماویٰ و ملجا کے پاس چلا گیا۔ چونکہ عزیز مرحوم کی شادی چچا صاحب

۱۔ سالک کو قدرت بڑے سخت شکنجوں میں بھینچتی ہے اور ہر قسم کی ظاہری باطنی تکالیف سے دوچار کرتی ہے۔ یہاں ہمت اور حوصلہ کی بلندی دیکھنا مطلوب ہوتا ہے اور اہل و نااہل جانچنا۔ فتنہ کے لیے جو لوگ موزوں ہوئے ہیں۔ وہ حوصلہ نہیں ہارتے اور دوسرے کچھ برداشت نہیں کرتے۔ جو برداشت نہیں کرتے وہ اپنے اپنے مقام سے گر جاتے ہیں۔ حضور قبلہ عالم مرشد نادام ظلہ (مصنف) فرماتے ہیں: "حوصلہ فقر کا تاج ہے۔"

کے گھر ہوئی تھی۔ اس لیے اس موقع پر چچا صاحب نے ہمیں خوب دھمکایا کہ اب تمہاری بہاری بازی کا پتہ لگے گا۔ پہلے تو رشتہ داری تھی اب لوہے کے چنے چبائے نہ رہوں گا۔

۴۱۶ حضرت نے عزیز کی تعزیت وغیرہ تو نہ فرمائی۔ کیونکہ تعزیت تو غیر کرتے ہیں۔ لگانے خود تعزیت کے قابل ہوتے ہیں۔ لیکن رفیق سے حال و احوال سن کر طبیعت میں جوش آگیا۔ فرمایا ”کچھ پرواہ نہیں“ ایسا ہوتا چلا آتا ہے۔ اور مجھ سے بھی ایسا ہی سلوک ہوتا تھا۔ لیکن جوان کے پاس آنے والے ہیں۔ وہ ان کی طرف نہ جائیں گے۔ کچھ فکر نہیں میں یہاں بیٹھا دیکھ رہا ہوں۔ میں دیکھتا ہوں۔ کہ وہ کیا کرتے ہیں۔“

پھر مجھے ایک دعوت کا ارشاد فرمایا طریقہ بیان فرمانے کے بعد نہایت جوش سے فرمایا۔ کہ جو کوئی یہ بتلاتا ہے۔ اور جو کوئی اسے کرتا ہے۔ کبھی خطا نہیں جاتا۔“

کہنے کو آپ نے دو فقرے فرمائے۔ لیکن سچ یہ ہے۔ کہ دریا کو کونے میں بند کر گئے۔ اور فرما گئے۔ کہ میں نے کیا کچھ تمہیں دیا گھر آیا۔ چند دن حسب ارشاد عمل کیا۔ جہاں ایک دو آدمی رہا کرتے تھے۔ وہاں دس بارہ کی بھرتی جمع ہو گئی۔ طبیعت گھبرائی کہ مجھے ایسے امور سے کیا تعلق جس طرح چاہے۔ وہ کرے۔ وہ خود دانا بنا ہے اور حکیم اور سالک ان مخلصوں سے کیا تعلق۔

۴۱۷ آپ کو یہ گمان نہ ہو۔ کہ عام عملیات کی طرح یہ بھی کوئی عمل تھا، نہیں، بلکہ یہ ایک روحانی دعوت تھی۔ گھنٹوں نہیں۔ منٹوں میں عمل کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ بھی نہیں کہ اس کے عمل سے دل میں سیاہی پیدا ہو۔ بلکہ پہلے سے زیادہ صفائی۔ اور پہلے سے زیادہ روشنائی دل دینے لگتا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھو شمس العارفین مصنف سلطان العارفین صاحب

۱۔ فطرت انسانی ہر مقام پر اپنے تقاضے رکھتی ہے اور ان کا پورا ہونا فطرت کی تسکین سبب بنتا ہے۔ تعزیت کا ہر مقام پر عام رسم ہو جانا تسکین کا ہر رسم ہو جاتا ہے۔ درز حادثہ اندر ہی اندر کہ طبیعت کو سخت گزند پہنچاتا۔ لیکن بلند ترین ہستی کا آسرا اور اس کی تعزیت فرمانا مزید تسکین ہوتا ہے۔ اور تسکین کے الفاظ کو نہ دہرانا ایک قسم کی خاص یگانگت کا عملی اظہار ہے۔ اور بلند ہستی سے یہ تعلق اور ان کی یہ روش تسکین کو اور زیادہ کر دیتی ہے۔

۲۔ سالک جب مقام رفا پر پہنچتا ہے تو ہر کام میں محبوب حقیقی کی حکمت نظر آتی ہے۔ اس لئے تکالیف اور راحتوں میں کیفیت یکساں رہتی ہے نیز جب سماں نسبت نچتہ ہو جاتی ہے تو ظاہری رونق اور دلچسپی کے کوئی معنی نہیں رہتے۔

۳۔ معلوم ہوا کہ سفلی اعمال سے دل سیاہ ہوتا ہے۔

حضرت باہر حمتہ اللہ علیہ۔

تیسرے درجے پر کمی مال اور نفوس کا ذکر ہے۔ سب سے پہلے عزیز شہیر احمد طویل عمرہ کی خبر بیماری شہر قیوہ شریف میں ہی پہنچی۔ کہ سخت لاچار ہے۔ حضرت قبلہ روحی فداہ نے کئی بار خط سے پہلے فرمایا۔ کہ رمضان میں آنے کی کیا ضرورت تھی بعد میں دیکھ لیا جانا۔ لیکن سمجھ میں نہ آیا۔ کیوں آپ اس پر مصر ہیں۔ مگر خط آیا۔ تو حضرت قبلہ کی خدمت میں ہی پہنچا۔ مجھے کارڈ ملا۔ تو حاجی صاحب کے ذریعہ۔ دوبارہ پیش کیا۔ آپ نے اجازت فرمائی۔ حاجی صاحب سلمہ سے میں نے دوبارہ التجا کی۔ کہ دعا کے لیے عرض کی جائے۔ حاجی صاحب نے فرمایا۔ کہ آپ فرماتے ہیں۔ کہ بھلا یہاں کہنے کی ضرورت ہے؟ سبحان اللہ! یہ ہے محبت یہ ہے صداقت۔

گھر پہنچنے تک میری عجیب حالت تھی۔ کیونکہ دیہاتی لوگ اس وقت ایسی تحریر لکھتے ہیں۔ جب انسان آخری حالت میں ہو۔ قبل ازین ایسے واقعات ہو چکے تھے۔ لیکن گھر کے قریب پہنچ کر نہایت پریشان حالت میں ہو کر ایک باغ میں بیٹھ گیا۔ کہ اب کیا سننے میں آئے؟ مگر الحمد للہ۔ ٹھوڑی دیر کے بعد گاؤں کا آدمی ملا۔ کہ بزخوردار کو کل سے افاقہ ہے۔ ورنہ پہلے رو دھو چکے تھے۔ درحقیقت یہ حضور کی توجہ کی برکت تھی۔ جبکہ کارڈ پہنچا تھا۔ بہر صورت تیسرے دن حاجی صاحب کا خط بھی آ گیا۔ کہ بزخوردار کی حالت کیا ہے حضور قبلہ دریافت فرماتے ہیں۔ خود اندازہ کیجئے۔ ایک طرف تو دعا کے لیے التجا کرنے پر وہ الفاظ۔ دوسری طرف یہ توجہ اس عنایتِ خاصہ پر اگر قربان اپنے آپ کو کروں تو کم ہے۔

۱۔ یعنی سالک کو مال و متاع کے نقصان اور عزیز و اقربا کے جانی نقصان کی آزمائشوں میں مبتلا کر جاتا ہے۔

۲۔ حضور قبلہ عالم مصنف مظلّم کے بڑے صاحبزادہ صاحب جو جوانی میں انتقال فرما گئے تھے۔ اب ان کے مرت ایک صاحبزادہ صاحب حضرت سعید احمد صاحب ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو سعادت دارین عطا فرمادے۔ آمین۔

۳۔ پیرومید کے قلبی تعلقات کا نور حالات ظاہر پر بھی حاوی ہوتا ہے اور ضروریات بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

۴۔ کامل کی توجہ سے بلائیں ٹل جاتی ہیں اور بیمار شفا پاتے ہیں اور مقصد پورے ہوتے ہیں۔

۵۔ یعنی حضور کو فکر رہی اور مرض کی کیفیت طبع دریافت فرمائی۔ یہ عین نوازش ہے۔

۲۲۰۔ بزخوردار اچھا ہوا ہی تھا۔ کہ عزیز عابد صاحب مرحوم کی بیماری کا خط آگیا۔ اور کھوڑے دنوں بعد وہ طویل رخصت لے کر اچانک آگئے۔ پورے آٹھ ماہ بسترِ علالت پر رہ کر ہمیشہ کے لیے مجھ سے جدا ہو گئے۔ نہ تو دوا کی کمی ہوئی۔ نہ علاج کی۔ اور نہ دعا و صدقات کی۔ خود حضرت قبلہ روحی فداہ کی خدمت میں کسی ایک عریضے لکھے۔ خود حاضر ہوا تو عرض گزاری۔ فرمایا۔ گیارہ بار الحمد شریف بمبسم اللہ شریف صبح و شام پڑھ کر پھونک دیا کرو۔ سب کچھ کیا گیا۔ لیکن قضا مبرم کو کون ٹالے۔ مرحوم عابد اتنی خوبیوں کا آدمی تھا کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ ماں باپ کے بعد اکٹھے رہے تھے۔ ایک جا کھانا پینا۔ ایک جا رہنا سہنا۔ پھر اتنا حیا دار کہ کبھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ نوکر ہوا۔ تو جو کچھ کمانا میرے سامنے رکھتا اور جو کچھ کرتا۔ پوچھ کر کرتا۔ دنیا میں بھائی بہتیرے ہوں گے۔ لیکن اس صداقت، اس محبت، اس سلوک کا بھائی کوئی نہ ہوگا۔ شادی ہو جانے کے بعد عموماً بھائیوں میں ناچاقی ہو جاتی ہے۔ لیکن واہ لے عابد کہ پہلے سے بھی زیادہ جھکتا گیا۔ بچپن سے لے کر مرتے دم تک عابد عابد رہا۔ کالج میں تھا تو تہجد گزار تھا۔ نوکر ہوا تو تہجد خوان رہا۔ طبیعت اتنی ملنسار۔ کہ بیگانے سب یگانے تھے سحری کو جب حکیم نے حالت نزع کی اطلاع دے دی۔ تو مجھے صبر کی تلقین کی اور خود نہایت استقلال سے دوکانہ فریضہ ادا کر کے دائیں پہلو لیٹ گیا اور اپنی رضائی لپیٹ دینے کے لیے کہا۔ آہ یہ وہ وقت تھا۔ کہ اس کی روح مجھ سے لپٹ لپٹ کر آخری داع کر رہی تھی۔ گو میں اور اد فتمیہ پڑھ رہا تھا۔ لیکن میں دیکھ رہا تھا۔ کہ اس کی روح آخری بلائیں میرے سر سے لے رہی ہے۔ اور میرے آنسو شبہم کے موتیوں کی طرح اس پر نثار ہو رہے تھے۔ ایک طرف اور اد ختم ہوئے تو دوسری

۱۔ تقدیر کے دو اقسام بیان کئے گئے اول معلق جو بعض فرائض اور مسائل سے مل سکتی ہے۔ دوسری مبرم، یہ ایسا نوشتہ کہے تل نہیں سکتا ہو کے رہتا ہے۔
 ۲۔ عابد، عابدہا کی تشریح، نوجوانی میں عبادت کا شوق پھر تہجد تک ادا کرنا بہت بڑی سعادت مندی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے جوانوں کو یہ شرف عطا فرماوے۔ آمین۔
 ۳۔ موت کی گھڑیوں میں جانے والے کی حالت کراہتہ کو صبر کی تلقین ہو رہی ہے کتنی بلند اور مبارک کیفیت ہے اور دَوَّ اَصْوَابِ الْحَقِّ وَ تَوَّ اَصْوَابِ الصَّبْرِہ کی زندہ تفسیر۔
 ۴۔ اور اد فتمیہ ایک مختصر سی کتاب ہے، بہت مبارک اور اد ہیں مسنون اور اد ہیں اور مختلف دعائیں ہیں حضرت علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ (جو نہایت صاحب کمال ولی اللہ گزے ہیں۔ اور جن کا نزار مبارک سرنگر کشمیر کے وسط میں دریائے جہلم کے کنارے ہے) کی تالیف ہے اور کشمیر میں صبح کی نماز کے بعد عموماً بلند آواز سے اور نہایت ذوق شوق سے یاد اور پڑھے جاتے ہیں۔ اور حضرت اعلیٰ شرفیوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے خواص کو ورد کے طور پر یاد اور پڑھنے کا ارشاد فرماتے۔

۵۔ اہل محبت کی جدائی اور اہل دفا کے فراق کا کیا اچھا منظر ہے۔ سو حیات ابدی موت پر اس کی قدر بان جس کی میت پر کرے زلف پریشاں کوئی

طرف بھائی جان کی جان نے قالب سے پرواز کر کے علیین کا رخ کیا۔ آخری دم ختم کر لیا تو دوستوں نے رضائی اٹھا کر حسرت بھرے چہرے سے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ کا نقشہ میرے سامنے کر دیا۔

۲۲۱ وہ بھائی صرف بھائی نہ تھا۔ بلکہ باپ غار۔ اور وزیر باندہیر اس کے مرنے نے میرے بازو توڑ دیئے۔ اب میں نہتہ ہو کر رہ گیا ایک چھوڑو بھائی۔ ایک ماں اور ایک باپ اور کئی ایک دوسرے قریبی رشتے دار یکے بعد دیگرے گزرے۔ لیکن مرحوم عابد کا مزاج اور ہی تھا۔ اس صدمہ کو میں جانتا ہوں۔ جینتک جسم میں جان ہے اور جینتک دل میں احساس ہے۔ یہ صدمہ مٹ نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے قرب و جوار میں جگہ دے۔ آمین ثم آمین۔

۲۲۲ یہ اٹھائیس رجب ۱۳۲۶ھ کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد صرف ڈیڑھ سال گزرا۔ کہ حضرت قبلہ مرشدی رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہو گئے گو پہلا صدمہ ابھی تازہ تھا۔ لیکن حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی تسلی نے مجھے بہت کچھ اطمینان دے رکھا تھا۔ دنیا فانی ہے اور ہر ایک چیز فنا کا مزا چکھے گی۔ مرحوم گزر گیا۔ والدین چلے گئے۔ لیکن تقدیر نے پلٹا دکھایا۔ میری اس آخر تسلی اور اطمینان کو بھی چھین لیا۔ اور ایسا تو تھرا ہو گیا۔ جس طرح چڑیا کا بچہ بے بال و پر گھونسلے کے باہر گر کر رہ جاتا ہے۔

۲۲۳ والد علیہ الرحمۃ بیمار پڑے تھے۔ تو پشاور میں خواب آیا تھا کہ میرے سر پر پگڑھی نہیں اور ننگے سر بیٹھا ہوں۔ بعینہ اسی طرح جس رات حضور کا وصال ہوا۔ خواب میں اپنے آپ کو ننگے سر دیکھا۔ صبح انوریم مولوی فخر الدین صاحب کو خواب سنا کر کہا۔ کہ ایسا معلوم

۱۔ علیین۔ آسمان پر وہ مقام جہاں ابرار (صالحین) کی روہیں بعد موت قیام کرتی ہیں۔

۲۔ ہمدرد دوست: دوستی روحانی عجیب رشتہ ہے۔ جہاں جسمانی رشتہ اور روحانی رشتہ اکٹھے ہو جاتے ہیں وہاں رنگِ محبت بھی کچھ اور ہوتا ہے۔

۳۔ مرشد کامل کا وجود باعث ہزار تسکین و رحمت ہے۔ دراصل نسبت روحانی اور محبت قلبی ہی اس روحانی رشتہ مرید و مرشد کو پُر تاثیر بناتی ہے اور جب اس تعلق میں مضبوطی آجاتی ہے۔ تو ماں، باپ، بھائی بہن غرضیکہ کوئی رشتہ اور کوئی تعلق اس کے مقابلے میں نہیں۔

۴۔ یہاں یہ بیان مفصّل ہے کہ قدرت اپنے ساک اور محب کے تمام ظاہری سہلے اور تمام آبرے ختم کر دیتی ہے، اس کو آزمانی ہے اور صرف اپنے آبرے اور اپنے سہلے پر بھروسہ رکھتی ہے۔ صبر، توکل اور یک سوئگی کی یہ ایک مشکل ترین مشق ہوتی ہے۔ جو اس سختی کو اٹھا گیا وہ کامیاب ہو گیا اور جس نے بے صبری و بے توکل کو شیوہ بنائے رکھا وہ ناکام رہ گیا۔

۴۲۷ میاں کریم الدین صاحب نے ابتدائی تربیت حضرت قبلہ جد امجد علیہ الرحمۃ سے پائی تھی۔ ان کے وصال کے بعد حضرت قبلہ والدہ بزرگوار کی خدمت اسی جانفشانی سے کرتے رہے۔ بلکہ پہلے سے زیادہ۔ ان کا انتقال ہو گیا۔ تو میرے ساتھ ایسی نبھائی۔ کہ کوئی اپنا مرید یا اخلاص بھی نبھاؤ نہیں کرتا۔ گو ایک نادار آدمی تھے لیکن حضرت قبلہ والدہ بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ کے بعد اپنے گھر کا تمام بوریا بستر پیٹ دیا۔ رات، دن لنگر کی خدمت پر کمر بستہ ہو گئے۔ ساتھ ہی لنگر سے الگ رہے۔ پیٹ بھریں گھر سے اور کام کریں لنگر کا۔

۴۲۸ میرے دونوں رفیق ہم عمر بھی تھے۔ اور دوست بھی۔ دونوں پندرہ بیس دن کے بعد آتے اور خبر گیری کر جاتے۔ ضروریات کا احساس میاں صاحب کو زیادہ ہوتا تھا۔ وہی مہر صاحب سے مشورہ کر کے ضروریات ہم پہنچاتے۔ لیکن جب کبھی اکٹھے ہو جاتے۔ تو شاہ و گدا میں تمیز نہیں کی جاسکتی تھی۔ مگر نواب خاں واقعی نواب تھا۔ صرف مجھ ہی سے یہ اخلاص نہ تھا۔ بلکہ فقیر صورت کا غلام تھا۔ عرب جب کبھی آجاتے۔ تو جو کچھ ہاتھ میں آتا۔ نہایت عجز سے پیش کر دیتا۔

۴۲۹ ایک وقت یکصد روپیہ کا نوٹ پاس تھا۔ ایک دوسرے کو توڑوانے کو کہا۔ لیکن جب گاؤں سے یزگار ہی حاصل نہ ہو سکی۔ تو وہی نذر کر کے کہا کہ آپ کی قسمت ہے۔ لیجئے حضرت قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ ابوالخیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دونوں کو نہایت عقیدت تھی اور عرس مجدد علیہ الرحمۃ پر حاضری فرض جانتے تھے۔ ایک طرف تو حضرت قبلہ کے وصال مبارک کا خط آیا۔ اور میں اپنی قسمت ناہنجار

۱۔ کامل شیخ کی تربیت کا یہ اولین نتیجہ ہے کہ آنا کو شکست ہو جاتی ہے۔ تبرک اور عنبرور، برتری اور بڑائی سب اسی انانیت کا نتیجہ ہے۔ جب بانس ہی نہ رہا تو بنسری کہاں سے بچے گی۔ اس لئے کامل کے مریدین چھوٹے بڑے سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوتے ہیں۔

۲۔ طبع کریم ہو تو اس کے اثرات پابند نہیں ہوتے۔ اخلاص کے اظہار کے لئے ہر موقعہ کو غنیمت سمجھا جاتا ہے۔ اور دو جہان کی بھلائی حاصل کی جاتی ہے۔

۳۔ حضرت شاہ ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ دہلوی بہت بڑے پائے کے ولی اللہ گزے ہیں۔ خلوت گزینی اور بے نیازی آپ کی طبیعت کا خاصہ تھا۔ حضرت خواجہ باقی باللہ کی خانقاہ مقدس کے جانشین تھے۔

۴۔ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا عرس ۲۷-۲۸ صفر کو سرہند شریف میں ہوتا ہے۔

پہر رو رہا تھا۔ اور دوسری طرف سے اچانک ایک دوسرا خط آگیا۔ کہ مہر نواب خاں سخت بیمار ہے۔ اور تمھارے دیکھنے کی خواہش رکھتا ہے۔ عرس و وفات کی وجہ سے بہانہ مل گیا تھا۔

ساتھ ہی کئی بار دل کی طرف دیکھا۔ کہ کچھ خوف ہے یا نہیں لیکن دل بے دھڑک تھا۔ دل میں خیال کیا۔ کہ اچھا ہو جائے گا۔ مگر اتنا نہ سوچا۔ کہ بعض وقت اطمینان اور تسلی ہی ناکامیابی اور نامرادی کی دلیل ہوتی ہے۔ آخر وفات سے دوسرے دن جب ملنے کے لیے

تیار ہوا۔ تو مرحوم کے گزر جانے کی خبر آگئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط
مگر حیرت یہ ہے کہ جنازہ کے لیے گیا۔ اور آیا۔ لیکن فکر نہیں۔ بیچ نہیں۔ منہ

سے نکلتی ہے۔ تو صرف دعاء مغفرت اور بس۔ مگر می شاہ صاحب سید نور الحسن صاحب نے بتفریب عرس ایک موقع ذکر کیا۔ کہ بعض وقت سالک کو آئندہ کے واقعات کا پہلے علم دیا جاتا ہے۔ تاکہ سالک کو اس واقعہ ہالہ سے تشویش پیدا نہ ہو۔ کیونکہ غیر متوقع حادثہ سے طبیعت میں سخت ہیجان پیدا ہوتا ہے۔ لیکن متوقع حادثہ سے طبیعت تیار ہو جیٹتی

اور نہایت متانت سے اسے برداشت کرتی ہے۔

حضرت میاں صاحب کے وصال سے پیشتر چار پانچ ماہ ہمیشہ میرزا بان پر ہوتا تھا

تنت بناڑ طبییاں نیاز مند مباد

وجود نازکت آزرده گزند مباد

سلامت ہمہ آفاق در سلامت تست

بیچ عارضہ شخصے تو در و مند مباد

بلکہ بعض وقت دل چاہتا تھا۔ کہ حضرت کی خدمت میں لکھوں اور اکثر طبیعت

۴۳۱

۱۲ ربیع الاول کو حضرت اعلیٰ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ حضور سرور کائنات علیہ السلام کا عرس کیا کرتے تھے وہی عرس مبارک آج تک جاری ہے اور عرس وفات کے نام سے موسوم ہے حضرت قبلہ شدم فرماتے ہیں کہ چونکہ عرس وفات قریب تھا اس لئے مہر نواب خان صاحب کے پاس نہ پہنچنے کا عذر موجود تھا۔

۱۳ سالک کا اطمینان بعض اوقات تکلیف کے وقوع کا پیش خیمہ ہوتا ہے اور قدرت سالک کو بہر حال مطمئن رکھتی ہے۔

۱۴ مراد عرس وفات ۱۵ حضرت سید نور الحسن شاہ صاحب حضرت کیلیاں والارحمۃ اللہ علیہ

۱۶ ہالہ۔ ہولناک ۱۷ گھبراہٹ

۱۸ تیار وجود طبیوں کے ناز کا محتاج نہ ہو، اور تیرے نازک وجود کو کوئی تکلیف پریشان نہ کرے۔ تمام جہان کی سلامتی نیری سلامتی میں ہے۔ کسی عارضہ سے تیار وجود دردمند نہ ہو۔

لرزاں رہتی تھی۔ کہ مبادا یہ دولت چھین جائے۔ لیکن جب حضرت بیمار ہوئے۔ تو پھر طبیعت نڈر بے خوف رہی۔ بلکہ آپ کے وصال پر بھی آنسو نہ بھڑوٹے۔

۴۳۲ مہر نواب خاں کے بعد طبیعت تمام آلودگیوں سے پاک ہو گئی۔ اور اسی ذات رب العزت کی طرف متوجہ ہو بیٹھی۔ نہ کسی سے آس رہی نہ کسی سے یاس۔ جو کرے کرتار مہراج۔ جو کرے کرتار

اگرچہ میرا ایک رفیق (خدا سے سلامت رکھے) موجود ہے۔ لیکن میری آس و یاس کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ سب کچھ پہلے کی طرح کرتا ہے۔ لیکن وہ محض واسطہ ہے۔ اس سے بڑھ کر اس پر کوئی دار و مدار نہیں رہا۔ ہاں ایک خاندانی اعتماد چچا صاحب کی ذات بابرکات سے تھا۔ کہ وہ حضرت قبلہ جد امجد علیہ الرحمۃ کے قائم مقام تھے۔ وہ بھی ۲۴ ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ کو ہمیشہ کے لیے ہمیں یتیم کر گئے۔

۴۳۳ یہ تمام پہلو تو تربیت جلالی کے ظاہری تھے۔ اب وہ باطنی پہلو جس کی تمہید کے لیے جس کی بنیاد کے لیے یہ سب کچھ لکھا گیا مختصراً پیش کرتا ہوں۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ سالک کو تدبیر کی آلودگیوں سے پاک کر کے تقدیر کی مضبوط چٹان پر بٹھایا جاتا ہے۔ عوام کا تمام دار و مدار تدبیر پر ہوتا ہے اور اس تدبیر کے لیے نہیں ہر وقت رنگارنگ خیالات اور بوقلموں محضوں میں رہنا پڑتا ہے۔ جس کی وجہ سے ایک آن بھی حضور دل میسر نہیں ہو سکتا اور کسی ایک وقت بھی یکسوئی حاصل نہیں ہو سکتی۔

۴۳۴ صاحب تدبیر اگر اپنی پوری کوشش بھی کرے۔ تو ایک آن بھی ایسی عمر بھر میں دیکھ نہیں سکتا۔ جس میں اس کا دل مطمئن یاد الہی میں غرق ہو سکے۔ لیکن جب فضل الہی شامل حال

۱۔ غیر اثر پر بھروسہ کرنا اور کسی کی آس لگا کر بیٹھنا طبع سالک کے لئے آلودگی ہے۔

۲۔ حضرت صاحبزادہ محمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت قبلہ عالم دام ظلہ کے چچا صاحب اور خسر تھے۔

۳۔ معرفت الہی کا تقاضا ہے کہ عارف دنیا میں صفات الہیہ کے افعال کو ہر مقام پر دیکھے اور انسانی تدبیر کو تقدیر کا پرتو سمجھے۔ اس صورت میں انسانی تدبیر کا اپنا کوئی مقام نہ رہا اور اس میں مصروفیت تفسیح اوقات ہوئی بلکہ صفائی قلب کے لئے تکرار کا ایک سبب بنی۔ اس لئے تدبیر کو قبلہ عالم دام ظلہ نے آلودگی سے تعبیر فرمایا۔ تاکہ تدبیر ذہن کو مصروف رکھے گی اور پھر عمل جسم کو قابو کرے گا اور یہ گرفت کبھی بھی ڈھیل نہ پڑے گی اور یکسوئی اور اس کے نتیجے میں حضور دل کبھی حاصل نہ ہوگا۔ اس لئے سالک کو چاہیے۔ تدبیر پر حقیقتی پر ایسا بھروسہ کرے کہ ذہن اس مصروفیت سے فارغ ہو جائے یہاں عوام کا سوال نہیں خواص کا ذکر ہے۔ یہ نیک لوگ جو اولیاء اللہ سے وابستگی رکھتے ہیں انہیں یکسوئی اور حضور دل کے حصول کا شوق بھی ہوتا ہے لیکن صرف تدبیر کے چکر میں پھنسے کی وجہ سے اس نعمت سے محروم رہتے ہیں اور اپنی محرومی کے شاک رہتے ہیں۔ یاد الہی کا ایک نشہ ہے لیکن اس نشہ کی بہار جب ہوتی ہے جب مہر، رضا، توکل کے مرحلے طے ہو جائیں اور زندگی کے محض یاد الہی کی قوت سے دب جائیں۔

ہوتا ہے تو ہمیشہ کے لیے اسے وہ اطمینان دلایا جاتا ہے۔ جس کی خبر کسی دنیا دار، کسی فلاسفر، کسی حکیم کو نہیں۔

ایک بار حضرت شاہ ابوالخیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ امرت سر تشریف فرما ہوئے کئی بڑے بڑے علماء کرام اور مخلصین خدمت عالیہ میں حاضر تھے۔ آپ نے اپنے جوش میں آکر فرمایا۔ اگر ایک بار بھی کوئی اللہ کے اور خیال غیر نہ لائے۔ تو میں اسی وقت اسے خلافت دینے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن آہ نصیب کسی سے ہمت نہ ہوئی۔ کیونکہ یہ اختیار سے باہر اور اس کے قبضہ قدرت کے اندر تھا۔ خود ذات باری عز اسمہ فرماتے ہیں۔ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ۔

ع۔ تیار کرنا باشد و میلش بکہ باشد؛

اس لیے ہادی عز اسمہ خود سالک کو تدبیر کے سمندر سے نکالنے کے لیے اور تقدیر کی چٹان پر پہنچانے کے لیے سامان مہیا کرتا ہے۔ اور تمام وہ ارادے جو سالک اپنی تدبیر کے لیے کرتا ہے۔ وہ بتمامہ ناکام کیے جاتے ہیں۔ بلکہ وقت آتا ہے۔ تو سالک ارادے کے خیال سے بھی کانپ اٹھتا ہے۔ کیونکہ اسے یقین کامل ہو جاتا ہے کہ جو کچھ ارادہ میں آیا۔ اس کے برعکس نتائج پیدا ہوں گے۔ یہاں تک کہ انتفاغیے ارادہ پر پہنچ جاتا ہے۔ اور اپنے اختیار کی لگام اس کے قبضہ قدرت کے ہاتھ میں ڈے کر خود مجبور محض ہو بیٹھتا ہے۔ لیکن جب جبر سے اضطراب پیدا ہو کر اسے سنانے لگتا ہے اور ساتھ ہی بے تدبیری اسے آرام اور اطمینان کا مژہ دلاتی ہے۔ تو اضطراب خود بخود اس سے زائل ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ بلکہ تقدیر کے تمام کارخانے

ع۔ ۱۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عنایت فرمائے۔

ع۔ ۲۔ دیکھیں یا رکس کا بنتا ہے اور اس کی طبع کا میلان کس کی جانب ہوتا ہے۔

ع۔ ۳۔ انتفاغیے ارادہ۔ نفی ارادہ، یعنی سالک میں اس وقت ارادہ ختم ہو جاتا ہے۔

ع۔ ۴۔ مجبور ہو کر مضطر اور بے قدرار ہوتا ہے۔ اور اس بے قدراری کا علاج صرف تدبیر کو چھوڑنے میں

دیکھتا ہے۔

مشیتِ ایزدی کے تمام کارنامے اور ایزد متعال کے تمام فیروانے لیے
 رموزِ حیات جانتا ہے۔ اس وقت سالک کے لیے زہرِ تریاق کا کام دیتا ہے
 اور شیرِ پاسبانی کرتا ہے۔ سانپ اس کے جوتوں کا غلام ہو بٹھتا ہے۔ اور
 سالک بشریت کے تمام تقاضوں تمام خواہشوں اور تمام آلودگیوں سے
 پاک اور صاف ہو کر بارگاہِ ایزدی کے جلال و جمال میں غرق رہتا ہے۔ اور
 ماسوائے سے اعراض کر کے جاوہِ توکل کے ذریعہ مسندِ تسلیم پر قدم جاٹکاتا
 ہے۔ اور تسلیم و رضا کا تاج پہن کر سرفسر ملکوتیاں ہو بٹھتا ہے اور زبانِ حال
 سے کہتا ہے۔

نہ تو نور رہا نہ ہی میں رہا جو رہی سو بے خبری رہی
 (اسے ہی فناٹے انا کہتے ہیں)

اس اجمال کی توضیح اس طرح ہے۔ کہ بچپن سے ہی قدرتِ ارادے کے خلاف
 چلتی رہی۔ اور ہزاروں نہیں۔ لاکھوں ایسے مظاہرے دیکھے۔ جو ارادے کے برخلاف
 ظہور پذیر ہوئے۔ گو کہ انجام ان کا شاندار تھا تاہم ہر وقت دل میں خیال آتا تھا۔ کہ عجب
 معاملہ ہے کہ ارادہ کچھ کیا جاتا ہے۔ اور ظہور اس کے برعکس ہوتا ہے۔ آخر اس کی وجہ کیا
 گھر سے جب میں نکلا تھا۔ تو اور ارادے اور خیال تھے۔ جب دہلی پہنچا۔ تو کچھ اور کرنے
 لگ گیا۔ مولوٹی فاضل کا امتحان صرف وکالت کے لیے دیا تھا۔ لیکن جانکلے مدرسہ کی
 چار دیواری میں۔ انگریزی پڑھی تھی ولایت کے وظیفہ عربیہ کے لیے اور آبیٹھے مسجد کے
 کونے میں۔ ٹریننگ لی تھی تنخواہ کے زیادہ پانے کے لیے اور آبیٹھے نوکری چھوڑ کر غرض

۱۔ سالک آزما یا جانا ہے کہ ارادہ الہی کے تمام اعمال حکمتوں سے بھر پور ہیں جب یقین کامل ہو چکتا ہے تو ہر مخالف چیز موافق ہو جاتی ہے۔ اور تاثرات
 اشیاء بدل جاتی ہیں۔ سالک ہر اپا کر امت بن جاتا ہے۔ لیکن بشریت کے تقاضے نہ ہونے کی وجہ سے اس سے کوئی سروکار نہیں وہ تو
 پہلی تکلیفوں بھری زندگی میں بھی خوش تھا۔ یہی مقام انسانیت کا بلند ترین مقام ہے۔

۲۔ مشرقی علوم کی انتہائی ڈگریاں لے کر شروع شروع میں وکالت کا امتحان دیا جاسکتا تھا پھر جب بی۔ اے، ایل۔ ایل بی لوگوں کی کثرت ہو گئی تو یہ چیز بند
 ہو گئی۔

۳۔ مشرقی علوم کی یونیورسٹی کی سندت والوں کے لئے سنٹرل ٹریننگ کالج میں اوٹی کلاس کھولی گئی۔ مشرقی علوم کے
 تفاضلی جہان تعلیم کی تربیت حاصل کرتے تھے۔

۴۔ اسلامیہ کالج پشاور میں حضرت قبلہ سات سال تک پروفیسر رہے نوکری سے مراد اسلامیہ کالج پشاور کی ملازمت ہے۔

مجھے ابھی تک یہ معلوم نہیں ہوا کہ میری حیات کی اصل غرض کیا ہے۔ جو کچھ بھی سوچتا ہوں۔ چند دن کے بعد کچھ اور نظر آتا ہے۔ یہی حالت ہے میرے دوسرے کاموں اور خیالوں کی۔

۴۳۸ جب کبھی میں نے پیسے جمع کرنے کا ارادہ کیا۔ کہ کفالت شعاری کا انجام بخیر ہے۔ تو ایک کی جگہ دس ہی خرچ کرنے پڑے۔ ملازمت میں میں نے کئی بار یہ ارادہ کیا۔ لیکن جب صرف ایک سوز نقد ہاتھ میں ہو گیا۔ تو بیماری آگئی۔ کوئی نقصان مال ہو گیا۔ کہیں سے تاوان پڑ گیا۔ یہ ایک بار کا واقعہ نہیں۔ جو اتفاقاً کہلائے۔ بلکہ عمر بھر کا تجربہ ہے۔ کئی بار اُسے وہم خیال کر کے اس کا مقابلہ بھی کیا۔ لیکن آخر کار کامیابی نہ ہوئی۔ بلکہ چاروں شانے چت گر گئے۔ ایک بار کالج میں خانہ تعلیم کے اندر میں جماعت کے سامنے بیٹھا تھا۔ کہ پرنسپل آدھمکا۔ دیکھ کر منہ بناتا ہوا چلا گیا۔ دوسرے دن میں نے اپنی خفقت دور کرنے کے لیے سارا دن کھڑے ہو کر گزارا۔ لیکن جب اس کے آنے کی امید نہ رہی اور میں سٹول پر بیٹھ گیا۔ تو اچانک داخل ہوا تقریباً یہ حالت دو ماہ رہی۔ آخر میں نے مجبور ہو کر یہ خیال واگذار کر دیا اور حسبِ عادت اٹھتے بیٹھتے تعلیم دینے لگا تو اب جب کبھی وہ آیا۔ اسی وقت آیا۔ کہ میں کھڑے ہوئے سخت انہماک میں تعلیم دے رہا ہوتا۔ وہ دیکھ کر اٹھے پاؤں بھاگتا۔ حالانکہ اس آخری دور میں میں زیادہ تر بیٹھ کر کام کرتا تھا۔ اب ان تمام اتفاقیات کو کس امر پر محمول کیا جائے۔ کہ محض حسن اتفاق ہے۔ یا اس کے اندر کچھ اور حقیقت ہے۔ جو اسے اپنے کارخانہ قدرت سے سرموٹنے نہیں دیتی۔

۴۳۹ اس کے علاوہ تمام کلی اور جزوی امور میں توقعات کے برخلاف نتائج پیدا ہوتے

۱۔ ”ہر کے راہر کارے ساختند“

قدرت نے ہر ایک کو کسی خاص مصلحت تکوینی کے لئے بنایا ہے۔ اور اس مقام سے پہلے پہلے جس جس مقام پر بھی لے جایا جاتا ہے وہاں کے کچھ مشاہدات کچھ تجربات اور کچھ مخفی مصلحتیں ملحوظ ہوتی ہیں۔ جن کو قدرت اپنی محبت اور اپنی ولایت کے لئے منتخب فرمالتی ہے۔ نیچے کا کوئی مقام اور کوئی منزل اسے اس نہیں آتی۔ اور بسا اوقات وہاں ناکامی کی صورت پیدا کر دی جاتی ہے۔ گونا گامی سے دل پر ضرب پڑتی ہے لیکن دل کا ٹوٹنا دنیا سے مایوسیوں کا پیش نہ ہونا ہے۔ اور دنیا سے مایوسی ہی معرفت کا حرفِ اول ہے۔ جب تک ذہن میں دنیا کی اپنی اصلی بے معنی صورت نہ آئے گی تب تک اس کو کون چھوڑ سکتا ہے اور جس اور انقطاع کے بغیر معرفتِ الہی کے راستے کیسے طے ہو سکتے ہیں۔

رہے۔ جن دوستوں سے امید نفع تھی۔ ان سے نقصان ہی پہنچا۔ اور جو مخالف ہو کر متقابل ہوئے۔ اور امید خیر ان سے نہ رہی۔ تو وہی غلام ہوئے۔ اگلے دن کا واقعہ ہے کہ میں سفر سے آ رہا تھا۔ کہ ایک ہمسر نے میرا گھوڑا اتھام لیا۔ اور نہایت عقیدت سے پیش آیا۔ میرے دل میں خیال آیا۔ یہ ایک پکا مخلص ہوگا۔ لیکن ایک دو ہفتہ نہ گزرنے پائے تھے کہ شرعی مسئلہ کے تنازعہ میں صرف وہی نہیں بلکہ اُس کا تمام گاؤں مجھے رشوت خوار کا الزام دینے لگا۔ اخلاص تو کہاں۔ اب علیک سلیک کو بھی ایک دوسرے کا جی نہیں چاہتا۔

۴۴۰ ہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ اس راہ میں جن افعال کو گناہ کبیرہ خیال کیا جاتا ہے اور جن کے ارتکاب سے حد و شرعیہ قائم ہوتی ہیں۔ ایسے گناہوں کی سزا قانون سلوک اور درجہ و لائت میں کم ہے۔ لیکن وہ خیال جن کو قلبی ذمائم میں رکھا جاتا ہے۔ ان کی سزا سخت ترین ہے۔ بلکہ بعض وقت ایک معمولی سی لغزش قلبی پر جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ انھیں لوگوں کے بائے ارشاد ہوتا ہے۔ **لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ طَوٰ اِنَّ نَبْدُوْا مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تَخْفَوْا مِمَّا سَبَّحُوْا بِهٖ اللّٰهُ**۔ یہ محاسبہ معمولی نہیں۔ بلکہ زبردست محاسبہ ہے جو ہڈیوں کو توڑ دیتا ہے۔ دماغ کو پگلا دیتا ہے۔ بلکہ زمین کا دائرہ سالک کے لیے سوراخ سوزن سے تنگ کر دیا جاتا ہے۔ اور سالک کی ذات کو اُس کے اندر سے کھینچا جاتا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے کونسا گناہ کیا تھا۔ کہ آرے کے نیچے ان کا سر دیا گیا۔ حضرت یونس نے کونسی گستاخی کی تھی۔ کہ مچھلی کے پیٹ میں دے دیتے گئے تھے۔ صرف ایک قسبہ

۱۔ قدرت کے تمام کام حکمت بھرے ہوتے ہیں، دنیا کو سالک کا مخالف بنا کر اسے اپنی ذات پر بھروسہ کا سبق دیا جاتا ہے اور مخالفین کو ان کی سابقہ بدکرداریوں کی نرا یوں ہی جاتی ہے کہ وہ اللہ کے بندوں کی مخالفت کریں اور اللہ کے بندوں کے دل میں ان سے نفرت پیدا ہو جائے اور ہدایت کا باب ان پر بند ہو جائے۔ کہ جیسا وہ عقیدت اور محبت سے ان کے قریب آئیں گے ان کے مؤثر کلمات زمین گے تو گرا ہی پختہ ہوگی اور دل کے پرے اور بڑھیں گے اور مخالفین نے انبیاء علیہم السلام پر بھی الزام لگائے جس سے انبیاء علیہم السلام کی ان سے نفرت بڑھی اور مخالفوں کی اپنی قسوت قلبی بڑھی۔

۲۔ قدرت لطیف ہے انسان کا قلب لطیف ہے۔ سالک اس لطافت کے راستے طے کر رہا ہوتا ہے اسلئے ذہنی اور قلبی ذمائم (برائیاں) اسکی لطافت قلبی کو ضائع کرتی ہیں لطیف مطلق کے سامنے چہ ہو جاتی ہیں اسلئے انکی سزا جسمانی برائیوں سے کہیں زیادہ ہوتی ہے اور سالک کو قلبی لغزشوں کے نتائج دکھائے جاتے ہیں جو شرعی سزاؤں سے اس کے نزدیک کہیں زیادہ ہوتے ہیں مگر آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کا ہے۔ تم اپنے دل کی باتیں ظاہر کرو یا ان کو چھپاؤ اللہ تعالیٰ ان حسابے کا محاسبہ سالک کو جیسا قلبی لغزش کی سزا ملتی ہے تو دنیا کی پریشانیاں اور تکالیف اسے گھیر لیتی ہیں۔

لغزش تھی۔ جس نے اتنی بڑی سزا دلوائی۔ جو کسی کے وہم میں بھی نہیں آسکتی۔
 ۴۲۱ اہل حقیقت یہ ہے۔ کہ ولایت یا نبوت تمام کائنات کی جڑ ہے۔ اگر اس میں فرہ
 بھر بھی نقص آجائے۔ تو تمام کائنات کھوکھلی پڑ جاتی ہے۔ اس لیے نبی اور ولی کے قلب
 کی ہر ایک جنبش پر پوری پوری نگہداشت کی جاتی ہے۔ بخلاف افعال کے۔ کیونکہ افعال
 کا تعلق اگرچہ قلب کے ساتھ نہایت مضبوط ہے۔ تاہم بعض وقت نادانی میں افعال بلا ارادہ
 سرزد ہوتے ہیں۔ ان کا تعلق ارادہ بشری سے تو نہیں ہوتا۔ بلکہ ارادہ ازلی ان سے ایسے
 افعال سرزد کرتا ہے۔ تاکہ وہ حلقہ بشریت سے باہر نکل کر خلیق اللہ کی تباہی کا باعث نہ
 ہوں۔ کہ خلقت انھیں الوہیت کا درجہ دے بیٹھے ساتھ ہی خود ایسے افعال ان کی فطرتی
 ترقی کا باعث ہوتے ہیں۔ جبکہ از تکاب کے بعد ندامت کے پانی سے فطرتی کدورت کو
 صاف کیا جاتا ہے۔

۴۲۲ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ السلام بہشت میں پیدا کیے گئے۔ فطرتی کدورت
 ابھی تھی۔ جس نے باہر پھینک دیا۔ لیکن زمین پر آکر اپنا نشہ غفلت دور دیکھا۔ کہ کتنا
 میلہ کسٹیا ہوں۔ جوش دل نے کدورت کو آنسوؤں کے ذریعے باہر پھینک دیا۔ مینہ کی
 طرح آنسو برسنے لگے۔ دامن عفت کی چادر پر جو داغ سیاہ عصیاں پڑے تھے۔ وہ
 سب دھو ڈالے۔ اور مغفور و مقبول ہو کر پھر داخل بہشت ہوئے۔ اور خَالِدِیْنَ فِیْہَا
 اَبَدًا لَّہُمْ مَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ کی پکی سند پائی۔ اب یہ آدم اور وہ آدم
 ایک نہیں۔ بلکہ پہلے میں کدورت تھی۔ اب کدورت کا نام تک نہیں۔ پہلے انانیت
 تھی۔ اب انانیت کی بونہر رہی۔ پہلے سر اسرناز تھے۔ اب سر اسر نیاز ہوئے فَلِلّٰہِ

علا نبوت اور ولایت روح کی صلاحیتوں اور کیفیتوں کا نام ہے جس طرح روح کائنات کی زندگی ہے۔ اسی طرح صلاحیت اور کیفیت روح کی زندگی ہے۔ اگر کیفیت بگڑ گئی تو کائنات روح بگڑ
 گئی اور عالم میں فساد کیا۔ ایسے نبی اور ولی کی کیفیات قلبی کو سلامت رکھنا ہی کائنات کی سلامتی ہے۔ سلامت ہمہ نفاق و سلامت تست افعال کا چشمہ قلب ہے اور دل پر تاثیرات وہ
 قسم کی ہوتی ہیں اقل کسی تاثیرات ذمہ کو نبی ازلی تاثیرات کبھی تاثیرات سے پیدا شدہ نتائج سنگین ہیں نسبت ازلی تقدیری تاثیرات کے کیونکہ ان میں ارادہ بشری کام نہیں کر رہا ہوتا۔ بشر
 کی اصلاح کے لیے بشر ہی موقوف ہے۔ انبیاء اور اولیاء بشریت کے تقاضوں کی خلاف چل کر روح خالص اور نور جسم ہو چکے ہیں اور الہی تاثیرات کا زمین پر بہترین مظہر ہوتے ہیں عوام کے لیے یہ مقام
 توجید چھوڑ کر غیر خدا کو خدا سمجھنے کے عہد کے اور خطرے کا بڑا مقام ہے اس لیے ارادہ ازلی اپنی مخلوق کو الہی بشریت کا عملی اقرار کرتا ہے اور ان سے بعض ظاہر لغزشیں اور ظاہری
 کدورتیں ہوتی ہیں جن کی بنا پر خدا ان پر بھی اپنا مقام واضح رہتا ہے اور مخلوق الہی بھی خدا کو خدا سمجھنے کے لیے آنکھیں بند کرتی ہے۔ جب ملائکہ میں فرق ملحوظ نہ رکھا جائے۔ اور
 مخلوق کو الوہیت کا درجہ دیا جائے تو یہی روح کی تباہی ہے اور ناقابل معافی گناہ ہے۔ انسان ایک معجز ہے۔ بلند اور پست تو توکل۔ بندیوں کے تقاضے چھوڑنے اور پستی کے روانے کھٹکانے
 سے جیسا اس پر ندامت چھا جاتی ہے تو یہی ندامت کا پسینہ عرش کے موقی بن جاتا ہے اور اللہ کریم اس کی اس حالت کو پسند فرماتا ہے اور اس کے رجا میں بندی عطا فرماتا ہے۔
 موقی سمجھ کے شان کریمی نے چن لئے۔ ۷ قطرے جو تھے میرے عرق افعال کے (بقیہ صفحہ ۱۷۲ پر)

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالَّذِي كَبَّرَ بِأَمْرِهِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ
 وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔ اگرچہ پہلے واقعات اور حالات میری بصیرت افروزی
 کے لیے کچھ کم نہ تھے۔ لیکن حلقہ غلامی میں داخل ہوتے ہی ان واقعات عبرت آموز نے اور

بھی ترقی کی اور اب ہر امر پر پوری نگہداشت شروع ہوئی۔ اور ہر موقع ہر امر میں مجھے
 متنبہ کیا جاتا۔ پیر و مرشد رحمۃ اللہ علیہ بار بار فرماتے: "کہ انَّ مَعَ الْعُسْرِ
 يُسْرًا إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا" سے مجھے تو سب کچھ دکھائی دے رہا ہے۔ پھر میں
 اتنا غافل تو نہ تھا کہ جو سلوک مجھ سے کیا جاتا۔ اس کی حقیقت سے میں آگاہ نہ ہوتا۔ بلکہ

خوب جانتا تھا۔ کہ میری بہتری کے لیے سب کچھ کیا جا رہا ہے۔ ورنہ وہ ذات پاک بحیب
 عز اسمہ ان تمام عیب سے پاک ہے جو کسی کے دل اور وہم میں آتے ہیں۔ مجھے کبھی بھی

گھبراہٹ پیدا نہ ہوئی آخر قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے عزیز مرحوم کی وفات کے بعد نہایت
 شان اور تہی سے فرمایا: "کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی چالیس سال کیسے گزرے

اور پھر صرف دس سال میں کیا کچھ ہو گیا۔ ان الفاظ مبارکہ کے ساتھ میرے وہ کچھ روز
 حیات و البستہ ہیں۔ جن کو مولیٰ کریم جانتا ہے۔ یا میں خود جانتا ہوں کسی دوسرے کو ان
 سے کیا تعلق۔ قَالَ اللَّهُ خَيْرٌ خَافِظًا وَهُوَ الرَّاحِمِينَ ط

گر بدیوان غزل صدر نشینم چہ عجب

سالہا بند گئے صاحب دیوان کر دم

اب چند چھوٹے چھوٹے واقعات لکھتا ہوں۔ جو ناظرین کے لیے بصیرت افروز

ثابت ہوں گے: وَرَنَ قِصَّةَ الْعِشْقِ لَا نِقْصَامَ لَهَا يَهْ أَيْكُ مَجْبُوبَانَهُ چھوٹے چھوٹے

(بقیہ صفحہ ۱۷۱) ع۔ یعنی بھول جانا یا فرمان کی اطاعت سے منہ موڑنا ع۔ ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے ان کے لئے اللہ کی بخشش ہے اور بلند ترین رزق
 ع۔ سب تریف اللہ کے لئے ہے اور اللہ آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے اور زمین میں اور آسمانوں میں اسی کی بڑائی ہے اور وہ غیبی الہ ہے اور حکمت والا ع۔ بیشک تنگی کے ساتھ فراخی ہے
 بیشک تنگی کے ساتھ فراخی ہے ع۔ حضور و رکنین کی ابتدائی زندگی مصائب اور تکالیف سے پڑھتی پھر نبوت کے ظہور کے بعد کی زندگی میں تو مصائب اور پریشانیوں نے حد ہی کر دی لیکن
 پھر جب اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہوا تو حالات نے ایسا پٹا کھایا کہ دشمن دست بن گئے اور فتوحات کے باہر گئے ع۔ دلالت کا بھی یہی حال ہے جس کو جتنا بند ہی پر لے جانا مقصود ہوتا ہے اتنا ہی اس کی
 تربیت جلالی کمال کی جاتی ہے اور سالکان ذرہ ذرہ وجود کا اور لمحہ وقت کا مصائب میں پڑا ہوتا ہے اور مصائب ظاہری ہوں خواہ باطنی جس پر گزرتے ہیں وہی جانتا ہے۔

ع۔ پس اللہ تعالیٰ بہترین محافظ ہے اور وہ سب رحم والوں سے زیادہ رحم والا ہے۔

ع۔ اگر میں غزل کے باب میں سب سے سبقت لے گیا ہوں تو اس میں تعجب کا کوئی مقام ہے میں نے سالہا سال صاحب دیوان کی غلامی میں گزارے ہیں۔

ع۔ عشق کی داستان کو اختتام نہیں ہے۔

ہے جو ختم نہ ہوگی۔ کوئی نماز میں لذت اٹھائے۔ کوئی فکر میں اور کوئی ذکر میں۔۔۔۔۔
 اور کوئی تلاوت میں۔ لیکن سجدہ ہمیں تو اس چھیڑ چھاڑ میں لطف آتا ہے۔ ورنہ
 وہ دنیا سے زیادہ رحیم ہو کر ہم سے سلوک کر رہا ہے۔ ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ کا اضطراب دے کر

وہ چھم چھم برستا ہے۔ کہ ہمارا ہر سر مو بھی خوش ہو کر سر نیاز میں ہو جاتا ہے۔

۲۲۳ ایک دن کا واقعہ نہیں۔ دوکانہیں کہ اس کو اتفاق سے تعبیر کروں۔ بلکہ ہر گھڑی

ہر آن کا ہے۔ اور ایک زمانہ سے۔ ہاں! بعض وقت ایسے مایوس کرنا ہے اور ایسی ٹیڑھی
 چال چلتا ہے اور الٹی شطرنج کھچاتا ہے۔ کہ اکبر و اور جان کے لالے پڑ جاتے ہیں لیکن

جب جان سخت گھبراہٹ میں گھر جاتی ہے۔ تو صاف بچا لیتا ہے۔

۲۲۴ اکثر سنتا ہوں کہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام پر آتش نرو د کو گلزار کر دیا

تھا۔ لیکن ع شنیہ کے بودا سند دیدہ

ہم تو خود روزانہ یہ معاملہ دیکھتے ہیں۔ پھر بھلا ہمارے ایمان اور یقین میں شک کیوں

ہو۔ صرف منوٹا لکھتا ہوں ورنہ نحرار سے کیا فائدہ۔

۲۲۵ ایک بار والد علیہ الرحمۃ کی مزار مبارک پر بیٹھے خیال آیا۔ کہ اتنے بزرگ اور اتنے

تعلقدار ہوتے ہوئے جو گھوڑی چرائی گئی تھی اور یہ تلاش نہ کر سکے۔ میرا وقت ہوتا تو

کیوں نہ ملتی۔ لیکن خیال کے بعد ہفتہ بھی نہ گذرا تھا کہ پھر گھوڑی چرائی گئی اور کھوج

بھی لگ گیا۔ لیکن یک دم پھر ایسی گم ہوئی اور چوروں نے انکار کیا۔ کہ واپس پانے کی

کوئی صورت مہیا نہ ہوئی۔ دوست بھی ہزاروں تھے۔ مددگار بھی سینکڑوں اور اپنے

فن کے استاد بھی تھے اور اپنے سینے پر ہاتھ بھی مارتے تھے۔ کہ ڈھونڈنے بغیر نہ

۱۔ بعض اوقات تکالیف کا عرصہ بڑھ جاتا ہے جتنا عرصہ زیادہ ہوگا یسیر بھی اتنا وسیع ہوگا اور بعض اوقات
 تکالیف مختصر ہوتی ہیں اور ساتھ کے ساتھ باب رحمت کھلتے جاتے ہیں اور فطرت انسانی ہے کہ تکالیف کے بعد جو
 راحت آئے گی وہ شکر اور نیاز کی ملی جلی کیفیت کی حامل ہوگی۔

۲۔ سنا ہوا دیکھے ہوئے کی مانند کب ہوتا ہے۔ فقر و ارشاد مشاہدہ کی کیفیات کا نور ہے۔
 مشرانی حقائق دنیا میں اپنا کام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور معجزات کی دنیا اب بھی
 آباد ہے، صرف نظر کی ضرورت ہے۔ کم نظر کیا جائیں۔ صاحب مشاہدہ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں
 اور اس کے کرشموں کا اپنے اندر اپنے باہر اور کائنات کے ذرے ذرے میں مشاہدہ کرتا
 ہے۔ !

چھوڑیں گے۔ لیکن جتنے قدم آگے بڑھتے تھے۔ اتنے ہی اپنے نقصان میں بڑھتے تھے۔
 میں خود کئی بار تلاش کے لیے اٹھا۔ لیکن ہر بار اپنے سر ہی گرا۔ تاہم عزم میں فرق نہ آیا۔
 آخر تلاش کے لیے نکلا تو نوکوس کے فاصلہ پر وہ سزاوار تپ چڑھا۔ کہ ہفتہ تک ہوش
 نہ آیا۔ اس پر اپنی تقصیر اپنے سامنے آگئی۔ بارگاہِ الہی میں عجز و نیاز ادا کیا اور وعدہ کیا۔
 کہ اس کے بعد تلاش کے لیے کبھی قدم نہ اٹھاؤں گا اور نہ ہی تلاش کا ارادہ کروں گا۔ لکھنے
 کو تو صرف میں نے لکھ دیا۔ لیکن آج بھی اس دکھ کو یاد کرتے ہوئے رونگٹے کھڑے ہوتے
 ہیں۔ آخر قصور کیا تھا؟ وہی لغزش قلبی۔

۴۴۶ لاہور میں ایک سائل نے ایک پیسہ مانگا۔ میں نے ساتھی سے کہا کہ کہاں تک
 سائل پورے ہو سکتے ہیں اتنے میں مانگہ آگیا۔ بیٹھ کر اسٹیشن پر پہنچے۔ ٹکٹ لے کر
 جب گاڑی میں بیٹھ گئے۔ اور گاڑی چلنے لگی۔ تو مسی لٹا یا د آیا۔ کہ مانگے میں رہ گیا۔ ایک
 پیسہ کے بدلے پورے اڑھائی روپیہ کا جرمانہ کیا گیا۔ پھر تو ہوش آگیا۔

۴۴۷ اگلے دن کا واقعہ ہے کہ دلی دروازہ سے باغبان پورہ جانے کے لیے مانگے والے
 سے پوچھا۔ تو چار آنے کہے۔ میں نے کہا۔ ایک دو اور سے پوچھ لوں۔ شاید کوئی کم پرے
 چلے۔ بس کیا تھا۔ جس سے پوچھوں۔ چھ آنے سات آنے۔ آٹھ آنے مانگے۔ پورے
 نصف گھنٹے کے بعد پھر بھی پانچ آنے پر بٹھایا۔ وہ بھی تب جب اپنی غلطی کا اقرار
 کر کے نادم ہوا۔

۴۴۸ ملکوال کے اسٹیشن پر صرف تین آنے کے پیسے کے لیے وہ مصیبت اٹھائی کہ
 مہینوں پاؤں باندھے پھرا۔ موٹر والے نے آٹھ آنے فی سواری طلب کیے اور ٹم ٹم والے

۱۷ بعض اوقات بعض الفاظ اور بعض خیالات جیران کن نتائج پیدا کرتے ہیں۔ سالک تعلق باللہ کے نور سے ان نتائج

کو ان قلبی یا زبانی اعمال سے وابستہ دیکھ کر سر نیاز جھکا دیتے ہیں عجز و انکسار بارگاہِ ستار و غفار میں پیش کرتے

ہیں توبہ استغفار کرتے ہیں اور رحم و کرم کو دعوت دیتے ہیں اور عفو و کرم کے پھول حاصل کرتے ہیں اور یہ سلسلہ

ہمیشہ قائم رہتا ہے سالک کو اپنی زبان اور اپنے دل پر ہمیشہ پڑ دینا پڑتا ہے کہ کہیں ان کی کسی لغزش سے بال نہ آجائے۔

نے پانچ آنے ہم دو آدمی تھے۔ ٹم ٹم پر سوار ہو گئے۔ خدا کی مار۔ نہ تو گھوڑا چلے۔ نہ سایہ نظر آئے۔ ادھر کو چنان اس بے چارے کو چابک پر چابک مارے۔ میں نے اسے کہا۔ فکر نہیں آہستہ پہنچ جائیں گے۔ لیکن اسے کیا معلوم کہ بندر کی بلا طویلہ پر پڑے گی۔ آخر گھوڑے نے ٹھوکر کھا، دھم سے گر پڑا۔ مجھے بھی ایک دو جگہ معمولی سی خراش آئی۔ لیکن پاؤں کے چھترے پر جو خراش آئی تھی۔ اس نے کئی ماہ مجھے لنگڑا کر دیا۔ بہترے علاج کیے فائدہ کی بجائے الٹا زخم کھلتا گیا۔ کئی ماہ کے بعد خود رحم کھایا اور اچھا ہو گیا۔

۱۲۹۹ ﷺ شریف کا عرس مبارک قریب آیا۔ تو خیال آیا۔ کہ والعصر کی تفسیر اب کے صوفیوں کو سنا کر انھیں خوب بھلی بری سناؤں گا۔ عین روانگی کے دن اپنی حویلی کو جا رہا تھا کہ ٹخنے کی رگ میں راستہ میں جاتے ہوئے کانٹا چبھ گیا۔ جو فوراً اپنے ہاتھوں کھینچ لیا۔ لیکن جوں جوں ہوا لگتی گئی۔ رگ میں ہوا بھر گئی۔ آخر کئی دن لاچار رہی سے گزارے۔ بارگاہ بے نیاز میں قصور کا اعتراف کیا۔ تب جا کر کوئی ڈیڑھ ماہ کے بعد آرام ہوا۔

۴۵۰ موسمِ بخار تھا۔ خلقتِ خدا بیماری بخار میں مبتلا تھی۔ لیکن سہارا گھر دار السلام بنا ہوا تھا۔ لنگر کے تمام آدمی اچھے بھلے تھے اور ایک مکان کی تعمیر شروع تھی جب چھت کے قریب پہنچی۔ تو مستری کو ایک دو دن کا کام تھا۔ اور مجھے بھی ﷺ شریف کی کشش ہو رہی تھی۔ وہ گھر گیا۔ اور میں ﷺ شریف لیکن جاتے ہوئے فیصلہ کر گئے۔ کہ ضرور اترسوں چھت ڈالیں گے۔ پھر کیا تھا۔ ﷺ شریف میں ہی میں بیمار ہو گیا اور مستری بھی خدا معلوم کس مصیبت میں گرفتار ہو گیا۔ باقی کارندے بھی یکے بعد دیگرے چار پائی پر گرتے

یہ ایک معاذرہ ہے کہ قصور کسی کا اور دیکھ لیا گیا کوئی۔ امتحان تو سالک کا ہو رہا ہے اور متعلقات کو بھی شامل ابتلا کر دیا گیا ہے۔

ﷺ شریف تحصیل پنڈو دغان ضلع جہلم میں ایک قصبہ ہے یہاں حضرت اعلیٰ غلام نبی کے وجود باوجود سے ایک خانقاہ طریقت بنی حضرت کا ۶۳ مبارک ۲۱ ربیع الاول کو ہوتا ہے۔ والعصر ان انسان لفظی خسار (پارہیسوں) صوفی حضرات کی قسم اول تو طلب لی میں صیتی اور مرتی ہے لیکن اہل تصرف کی کامیابی راہ مولامین کچھ کر جو سبت طبیعت لوگ اس کامیابی کے حال کو ذہنی ہڈ پر پسند کے سرفس کے حصوں کی طرف آتے ہیں یا ان کا داعی طلب کر دے گا ہوتا ہے اور شکل و صورت میں قسم اول سے ملتے جلتے ہیں اور عنصر اعلیٰ کے لئے قربانی دینے سے واقف نہیں ہوتے ان کے حقائق سننے کا خیال فرمادیں۔ لیکن چونکہ مخلوق کے دنی اور اعلیٰ احوال خود حقائق و مالک کی طرف سے ہیں اور سالک کو قدرت کے افعال پر مبنی کھولنے کی اجازت نہیں اس لئے اس خیال کو ہی ناپسند فرمایا گیا اور تکلیف دی گئی۔

سالک کا خیال سے گرفت ہوتی ہے اور اس کا علاج بارگاہ بے نیاز میں اعترافِ قصور اور توبہ استغفار کے سوا کچھ نہیں۔ ۵۔ سامنتی کا گھر

سالک کا ارادہ اپنا نہیں ہونا چاہیے بلکہ ارادہ الہی کی اتباع ہو سے کچھ ارادہ ہونے میرا گھر ارادہ میں کروں ۱۔ جو ارادہ تو کرے پھر وہ ارادہ میں کروں

گئے۔ یہاں تک کہ کئی ماہ کے بعد بھی کسی کو یہ خیال نہ آیا۔ کہ چھت بھی ڈالنی تھی۔ آخر پورا سال گذر گیا۔ کوئی سامان پیدا نہ ہوا جب کبھی ارادہ کیا۔ تو ایسا سخت مانع و پریش آیا۔ کہ پھر سب کچھ کیا کرتا رکھا رہ گیا۔ آخر مرحوم عابد (نور اللہ مرقدہ) نے وفات سے چند دن پیشتر مجبور کیا تو میں نے اسے اپنی غلطی اور لغزش بتلائی کہ اصل حقیقت یہ ہے۔ اب کے میں باز آیا۔ تمھارے کہنے سے کام شروع کرانا ہوں۔ چنانچہ اب کے کام شروع ہو کر بخیر سرانجام ہوا۔

۴۵۱ ہمارے گاؤں میں ایک مستری آہستہ کام کرنے کا عادی ہے۔ جب کبھی مجھے اس کی سستی اور کاہلی سے گریز کا ارادہ ہوا۔ تب ہی مجبور کیا گیا۔ کہ کام اسی کے ہاتھ سے ہو۔ یہ ایک دفعہ کا واقعہ نہیں۔ کئی بار کا ہے۔ تدبیر کے برخلاف تقدیر کے عمدہ نتائج کئی بار دیکھے۔ ذیل کے واقعات نمونہ پیش کیے جاتے ہیں۔

۴۵۲ ایک بار رقبہ کی آبپاشی کے لیے بہت بڑی کوشش کی گئی۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ کئی بار تدارک ہوا۔ لیکن ہر بار کسی نہ کسی وجہ سے فیل ہو گیا۔ چونکہ زمین شوردار تھی۔ اور پہلے سال ہی پٹہ میں آئی تھی۔ ساتھ ہی پٹہ خواہاں نے تدارک آب پاشی روک دیا تھا۔ اس لیے سخت باہوسی ہوئی اور پٹہ کا زرقدمفت ضائع ہوتا نظر آیا۔ مگر مولیٰ کریم نے آخر بھادوں میں وہ بارش کثیر اور وہ طغیانی عظیم بھیجی۔ کہ تمام جنگل منگل ہو گئے۔ اور دو سال زری پٹہ کی وصولی پہلے سال ہو گئی۔ اگر آب پاشی ہوتی تو آبیا نہ کا خرچ زیادہ پڑتا۔

۴۵۳ گذشتہ سال کا واقعہ ہے۔ کہ ایک چاہیچہ میں بہارا اور ہمارے بڑے چچا صاحب کا ۱/۴ حصہ ہر ایک کا تھا اور چھوٹے صاحب ۱/۴ کے مالک تھے۔ مدت سے یہ

۱۔ اللہ اس کی قبر کو روشن فرمادے۔

۲۔ عارف پر احوال کھل جاتے ہیں نوشی اور عزم کے اسباب معلوم ہو جاتے ہیں اور یقین ہوتا ہے کہ فلاں حالت فلاں سبب سے وابستہ ہے۔

۳۔ ساکب کو تدبیر کے بھنور سے بار بار نکالا جاتا ہے اور اس کے حق میں تدبیر کے نقصان کو واضح کیا جاتا ہے۔ پھر جب ساکب اپنی تدبیر کی نفی کے

مقام پر پہنچ جاتا ہے تو تقدیر کے وہ امور اس پر منکشف کر دئے جاتے ہیں جو تدبیر کرنے سے اُلٹے نتائج پیدا کرتے اور نتائج ساکب کے خلاف جاتے۔

چھوٹا کنواں ویران تھا اور کاغذات میں انھوں نے اپنے نام کرالیا تھا جب ان کو یقین ہو گیا۔ کہ اب اُس کی میعاد گزر گئی۔ تو مرمت کرانی شروع کی۔ حضرت عمویٰ صاحب نے مجھے فرمایا کہ اپنا حصہ طلب کرنا چاہیے۔ میں نے عرض کی بے فائدہ ہے۔ وہ خوشی سے نہ دیں گے۔ آخر ان کے اصرار سے چھوٹے چچا صاحب سے طلب کیا۔ تو انھوں نے انکار فرمایا۔ نوبت بہ سختی رسید کا مسئلہ ہو گیا۔ اتفاقاً قاری اللہ بخش صاحب بھی حکم حضرت قبلہ میاں صاحب تشریف لائے ہوئے تھے۔ انھوں نے حقیقتِ حال سے مطلع ہو کر چچا صاحب سے بڑی منت سماجت کی لیکن آپ نے فرمایا حصہ تو ان کا نہیں۔ آپ کے کہنے سے اتنا کرتا ہوں۔ کہ کنوئیں کا برج اکھیر کر اینٹیں اپنی لے لیوں۔ لیکن خود سوچئے۔ اینٹیں ہمارے کس کام تھیں۔ انکو رکھئے کہہ کر چھوڑ دیئے۔ آخر چچا صاحب نے اسے مرمت کرایا۔ چوب چکلے سے آراستہ کیا۔ لیکن میرے مولے کو وہ منظور ہوا۔ کہ ایک بار کاشت کی گئی تو بارش نے تخم ریزی بیکار کر دی۔ اور دوسری بار کاشت کی گئی۔ تو دریا کی طغیانی نے کاشت چھوڑ۔ کاشتکار کی جڑ اکھیر دی۔ آخر وہ چلتا بنا۔ آج تین سال ہو گئے۔ تمام کچھ بنا بنا یا رکھا ہے لیکن بیکار۔

۴۵۲ چونکہ میرے مکان کے قریب چاہیچہ واقع ہوا ہے اور دیکھنے سے ہر وقت اس پر نظر پڑتی ہے۔ تو ہر وقت مَدَّ بَرِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ کی شان نظر آتی ہے اور ہر وقت شاکر رہتا ہوں۔ کہ اس نے ہماری تمام کوشش بے سود کی۔ ورنہ ہمارے پیسے بھی اس ویراں کنوئیں میں رہتے۔

۱۔ حضرت محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ جو حضور مدظلہ کے چچا اور غُسر تھے۔

۲۔ فیض پور ضلع شیخوپورہ (نزد شہر قیور شریف) کے قاری اللہ بخش صاحب جو حضرت اعلیٰ پور بلوچی کے

خلیفہ اور منت میاں صاحب شہر قیور رحمۃ اللہ علیہ کے دوست تھے۔ جن کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔

۳۔ آسمان اور زمین کے کاموں کی تدبیر کرنے والا۔

۲۵۵ اگلے دن کا ایک واقعہ اس سے بھی عجیب ہے۔ کہ عرس حضرت قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سات آٹھ ربیع الاول کو میں واپس ہوا۔ وفات شریف کے عرس کے لیے گوشت کی ضرورت تھی۔ چونکہ گاؤں میں گوشت نہیں ہوتا۔ اس لیے اس کے لیے دوسرے گاؤں میں تدارک کے لیے آدمی بھیجا۔ لیکن زمانہ کانشیب فراز عجیب و غریب ہے۔ کہ قدیم زمانہ میں خائفوں اور مساجد و بیہ میں دن لوگ ہا کرتے تھے۔ جو نہایت ہوشیار اور عقلمند چست اور ذمی علم اور زیرک ہوتے تھے۔ کیونکہ لطیف کی تلاش۔ لطیف طبیعت ہی اپنے ذمہ لے سکتی ہے۔ لیکن زمانہ حاضرہ میں چست اور زیرک لوگوں نے دنیاوی سُخ لے لیا۔ اب رہے تو اپنا بیج اور کابل۔ یا گوٹن بیکار۔ سو خائفوں اور مساجدان لوگوں سے پر ہیں۔

۲۵۶ اس لیے ایک صوفی صاحب کو روانہ کیا۔ تو کچھ ادھلیا سا کام کر آئے تسلی نہ ہوئی۔ تو بڑے صوفی صاحب کو روانہ کیا۔ کیونکہ پہلے صوفی صاحب کہتے تھے۔ کہ آٹھ سیر گائے کا۔ اور دس سیر بیل کا وہ گوشت دیں گے۔ جس میں سے صاف معلوم ہوگا تھا۔ کہ عقد بیع ابھی تک نہیں ہوا۔ لیکن وہ گئے۔ اور آئے۔ کہ پہلا صوفی فیصلہ کر آیا ہے۔ قصاب گھر نہ تھا۔ گھر والی نے کہا۔ کہ وہ تمہارے لیے مولشی لینے گیا۔ میں نے بڑے صوفی جی کو کہا۔ نہ پہلے فیصلہ ہو انہ اب۔ پھر جاؤ اور جا کر پیشدستی (بیعانہ) دے آؤ۔ لیکن صوفی جی نے کہا۔ کوئی ضرورت نہیں۔ وہ کل مولشی ضرور ہی لے آئیں گے۔

۲۵۷ دوسرا دن وفات کا تھا۔ پہلے صوفی صاحب کو کہا گیا۔ جاؤ اور قصابوں کو لاؤ۔ وہ گیا۔ اور عمدہ گائیں قصابوں کے ہمراہ لایا۔ میں روضہ شریف کی فاتحہ سے آیا تو دیکھ کر

حضرت اعلیٰ شرفیوری رحمۃ اللہ علیہ کا عرس شرفیور شریف میں یکم دوم سوم ربیع الاول کو ہر سال منعقد ہوتا ہے۔
۱۲ ربیع الاول کو عرس وفات شریف پیر بل شریف میں حضرت اعلیٰ پیر بلوی غلام مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے وقت سے قائم ہے۔
مذہب کا مقصد اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑنا ہے مسجد و خانقاہ اس مقصد کے لیے بہترین مقام ہے عبادت و نیاز سے تعلق جوڑنا ہے۔ لیکن جوں جوں دنیا کی محبت بڑھے گی عقل کی دنیا روح کے مخالف چل کر مقصد پیدائش کے خلاف چلے گی اور یہ مقصد مساوات سرف بے مقصد لوگوں کی گراں ہر ذریعہ اور مقام بن جائیں گے۔

نہایت ذہین باہمت اور شہسور مکر درحے کا انسان اس مقصد عظیم یعنی معرفت الہی کے راستے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔
جس کی عقل جس کا فہم آخرت کو سمجھنے کی اہمیت کھتا ہو اور اس کی ہمت آخرت کے لئے قربانی دے سکے اور دنیا کو پاؤں کے نیچے رکھے۔

(بقیہ صفحہ ۱۷۹ پر)

خوشی ہوئی۔ لیکن جب جگہ صبا دیکھا۔ تو دریافت کیا معاملہ کیا ہے حقیقت کھلی تو یہ کہ کل کے دن بعد دوپہر ایک شخص دو روپیہ پیشہ دستی (بیجانہ) اور ڈے آیا۔ جو چھوٹے چچا صاحب کی طرف سے تھا۔ اب قصاب جبران کہ کس کو تریح دی جائے۔ بڑا قصاب ہمارے رخ تھا۔ کہ میں نے انھیں گوشت دینے کا وعدہ کیا۔ لیکن اس کا نوجوان بھائی ان کی طرف مائل تھا کہ پہلے ہم ان کے لیے گئے تھے۔ تو کوئی مولشی ہاتھ نہ آیا۔ پھر ظہر کے وقت ان کا آدمی جب پیش دستی دے آیا۔ تو پھر یہ مولشی تلاش کیے گئے۔

۴۵۸ معلوم نہیں مجھے اطمینان کیوں تھا۔ حال و حقیقت سنکر میں نے نہایت تسلی سے کہا۔ کہ جس طرح قصابوں کے خیال میں آئے کر لیں۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ وہ اسی شش و پنج میں تھے۔ کہ ہمارے چچا صاحب کا ایک چرکٹہ (ایک جوان ڈاڑھی منڈا خادم) آیا اور مولشی کھول کر اپنی حویلی میں لے گیا۔ قصاب منہ نکلتے رہ گئے آخر میں نے بنیل سیر گوشت دال کے لیے طلب کیا۔ قصاب نے دینے کا بھی وعدہ کیا لیکن مہربانوں کی مہربانی کی وجہ سے وہ بھی میسر نہ ہوا۔ مگر پریشانی نہیں تھی۔ حلواؤ دال کی تجویز کر لی اور اطمینان سے لیٹ گئے۔ ابھی گھنٹہ بھر نہیں گزرا ہوگا کہ ایک آدمی آیا۔ اُس نے کہا ہم نے بیل ذبح کیا ہے جسے دبلا پتلا خیال کرتے تھے۔ وہ اچھا موٹا نکلا ہے۔ ضرورت ہے تو لے جاؤ۔ میں نے ایک آدمی کو دیکھنے کے لیے کہا۔ وہ دیکھ کر آیا۔ تو کہنے لگا گوشت اچھا ہے۔ میں نے کہا۔ دو من کافی ہے لیتے آؤ۔ لیکن کھوڑی دیر کے بعد معلوم ہوا کہ ساڑھے تین روپیہ میں تمام بیل کا گوشت اٹھالائے جو چار من کے قریب تھا پکا اور خوب مزیدار پکا۔ احباب نے پسند فرمایا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۸) ۵ کد ذہن

۶ یعنی عرس مبارک بارہ وفات

۷ حضرت اعلیٰ بیرونی غلام مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ کا روضہ مبارک بیر بل شریف میں شہر سے مشرقی جانب قبرستان کے جنوب مغرب میں ہے۔ بلنچہ چبوترے پر خوبصورت روضہ ہے روضہ کے اندر سنگ مرمر کی خوبصورت قبر ہے جس پر ایک کتبہ ہے کتبہ کے ایک طرف حضور رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات زندگی درج ہیں۔ روضہ کے شمال میں مسجد ہے۔ حضرت اعلیٰ کے وقت میں تعمیر ہوئی تھی اور بوسیدہ ہو گئی تھی۔ یہ روضہ حضرت قطب عالم محبوب الہی محمد عمر صاحب مظلوم نے نئے نئے سرے سے نہایت خوبصورت مسجد اسی جگہ تعمیر کروائی ہے۔ علامہ عارف کا لقب عالم امر کے سامنے ایک آئینہ ہوتا ہے۔ بعض اوقات بظاہر نقصان دہ چیزوں پر طمٹیں ہوتا ہے کیونکہ فی الحقیقت ان میں نفع پوشیدہ ہوتا ہے۔

۲۵۹ اب تقدیر و تدبیر کا مقابلہ دیکھو اور تقدیر کی کامیابی دیکھو۔ کہ کس طرح ہمارے پتے بچائے۔ کس طرح ان لوگوں کو نیچا دکھایا۔ جو ہمیں دکھانا چاہتے تھے۔ اور کس طرح ان کا خرچ بڑھایا اور ہمارا خرچ گھٹایا۔ یعنی تعبیر ہے وَمَكْرُؤًا وَمَكْرًا لِّلّٰهِ وَاللّٰهُ خَيْرٌ مَّا كَرِهْتُمْ۔

۲۶۰ لیکن ساتھ ہی یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اگر سالک کسی کا بُرا چاہے اور کسی پر کوئی وار چلانا چاہے تو وہ بعینہ اپنے پر واپس آئے گا۔ اور مقابل کا ذرہ بھر بھی نہ بگڑے گا۔ اسی کا نام رجعت ہے۔ ایسے واقعات ابتدا میں بہت پیش آئے۔ خود چچا صاحب کے لیے خود کڑھتا تھا۔ لیکن نقصان اپنے دامن ہی پڑتا تھا۔

۲۶۱ اس پر شاید آپ کو اعتراض ہو۔ کہ پھر بعض موقع پر جو ہم دیکھتے ہیں۔ کہ فلاں بزرگ کی غیرت نے یہ کام کیا۔ وہ کیا۔ آخر اس کی وجہ بھلا کیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ولی ذاتی نقصان پر نظر رکھتے سوئے اُسے نہیں دیکھنا۔ بلکہ اُس کے بُرے فعل پر اس کی نظر پڑتی ہے جو اس کی تباہی کا باعث ہوتی ہے۔ اپنی بے ادبی سے واسطہ نہیں ہوتا بلکہ اس کی شوخی پر نگاہ جا سکتی ہے ورنہ اس وقت اگر سالک کو اپنی ذات نظر آئے تو وہ سالک نہیں بلکہ چارپایہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجدد علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔ کہ اگر فقیر خود را از کافر فرنگ بدتر نہ شمارد فقیری بر وحش رام است۔ حالانکہ وہ اپنے آپ کو جانتا ہے۔ کہ میں ولی ہوں۔ کیونکہ اگر ولی نہیں جانتا تو اس کی ولایت کس کام۔ وہ کیونکہ حقوق ولایت نگاہ رکھ سکتا ہے۔ تم خود نہیں دیکھ سکتے۔ جب تک کسی کو کسی کی دوستی کا یقین نہیں ہوتا۔ تب تک اُس کے حقوق دوستی کو کہاں نبھاتا ہے۔

۱۔ تقدیر۔ پردہ کے اندر کی پوشیدہ بلنی تدبیر، تدبیر۔ پردہ دنیا پر ظاہری انسانی تدبیر بسا اوقات ظاہر تدبیر کچھ اور ہوتی ہے اور اسباب ایسے بنتے ہیں کہ کام اس کے الٹ ہو گیا لیکن پھر قدرت دکھلاتی ہے کہ پوشیدہ تدبیر (یعنی تقدیر) کی نظروں میں تمہارا فائدہ مقصود تھا۔ مخالفوں نے چال چلی اور اللہ نے (اسکے مقابلے میں) تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ بہترین تدبیر والا ہے۔

۲۔ سالک اللہ کے ارادہ کا مطیع ہونا ہے۔ اور نہ لکھنا اور نہ احت پر راضی اسکی یشوش قدرت کو بہت پسند ہے اور اسی افتاد مطیع سے اسکے دست کو قدرت پناہ دست سمجھتی ہے اور اس کے دشمن کو پناہ دشمن لیکن اگر سالک اپنے مخالفین کے خلاف خود کوئی ارادہ کرے اور اس کو عمل میں لائے تو گویا اُس نے اللہ کی سرپرستی قبول کی اور یہ خطرہ بھی لاحق ہو گیا کہ شاید خود اسکا اپنا نقصان ہو جائے۔

۳۔ روحانی مرتبے سے گرجانا۔ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے اگر فقیر اپنے آپ کو فرنگی کافر سے بدتر شمار نہ کرے تو فقیری اس پر حرام ہے۔ ولایت بلند کیفیات کا ایک مجموعہ ہے جس کی کیفیات بنتے ہو جاتی ہیں تو زمین کا ذرہ ذرہ گواہی دیتا ہے خود صاحب کیفیت کس طرح سے خبر ہے۔ ہاں ایہ لطیف کیفیت بھی اُن سب کا ایک کھل جت ہے کہ یہ سب منہم حقیقی کی عنایت ہے اور اس کا ظہور ہے میں تو صرف ایک مظہر ہوں اور مجسمہ ہے۔ کائنات کے ذرہ ذرہ کے ساتھ جیم کریم کا تعلق ہے لیکن جتنا تعلق ایک ولی اللہ عارف سے ہے اتنا کس سے ہے اور دوستی کے ظہر حقوق بھی ہیں اور باطن کے حقوق بھی ہیں اور لطیف حقوق اُن سب مستزاد۔ ان سب حقوق کی نگہداشت ولایت کے ذرائع سے ہے۔ یقیناً ولایت ہی رائے فرض کراتا ہے اور رائے ذرائع دوستی کو بچتے ترک کرتی ہے۔

بلد سالک کی نظر فی حد ذاتہ اپنے عیوب پر ہوتی ہے اور فی حد صفات مالک حقیقی کے کرم و عنایت اور فضل پر ہوتی ہے۔ جہاں وہ اپنے آپ کو کافر فرنگ سے بدتر جانتا ہے۔ وہاں وہ اپنے آپ کو اس کا ولی بھی جانتا ہے۔ فَتَدَبَّرُ فِي ذَلِكَ الْمَقَامِ فَإِنَّهُ مَزِيدٌ لِلْقَدَامِ۔

۱۶۰ عَرَفْتُ رَبِّي بِفَسْخِ الْعَرَاثَةِ كَجُمْلَةٍ بِرَأْسِ مَعْرِفَتِ حَضْرَتِ عَلِيِّ كَرَمِ اللَّهِ وَجْهَهُ كِي زَبَانِ مَبَارَكِ بِرَكِيوِيں آيَاتِهَا۔ صَرَفِ اسِي تَرْسِيَتِ جَلَالِي كَانْتِيَجِبَةُ تَحَا۔ كُو جَمَالِي مَعْرِفَتِ كَا وَرَجِهَ اَزْ حِدْ بَلَنْدِ هِي۔ تَاهِمِ جَلَالِي مَعْرِفَتِ بِيْهِ اِيْكَ نِهَائِيَتِ بَلَنْدِ شَانِ رَكْهَتِي سِي حَضْرَتِ اِبْرَاهِيْمِ عَلِي بَيْتِنَا وَعَلِيهِ السَّلَامُ نِي اَتْنِي جُرْأَتِ كِي، كِه حَضْرَتِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ سِي كَيْفِ تَحِي الْمَوْتِي كَا سَوَالِ كَرِ مِيْجِي اور اَوَّلِ كَمِ تَوُّ مِّنْ كَا خَطَابِ پَايَا۔ لِيْكَنِ اِيْكَ جَلَالِي تَرْسِيَتِ يَافْتِي كِي كِيَا مَجَالِ كِه وَه اِيْسِي كَلِمِي مَنَه سِي نَكَالِي اس كَا دَل بُو قَلْمُونِ حَقِيْقَتُونِ سِي اِسِ قَدْرِ مَتَا ثَرِ هُو تَا هِي۔ كِه هِر اِيْكَ چِيْرِ اس كِي يِي مَعْرِفَتِ اَلْهِيِي كَا نَجِيْنِي هُو تِي هِي۔ سَا تَحْدِ هِي قَدْرَتِ كَا زَبْرِ دَسْتِ يَا تَحْدِ اس كِي سِرِ پَرِ هُو تَا هِي۔ اس كُو اَطْمِيْنَانِ قَلْبِ كِي يِي كِيْسِي اور چِيْزِ كِي ضَرُورَتِ نِيْهِسِ هُو تِي بَلْكَ هِي اس كِي اَطْمِيْنَانِ كِي يِي كَافِي هِي۔

۲۶۱ مِيرَا ارَادِه تَحَا۔ كِه اس بَابِ مِيں كِچھ اور لِكْھَتَا۔ لِيْكَنِ اَتْنَا لِكْھِنِي پَايَا تَحَا۔ كِه سِيْلَابِ عَظِيْمِ وَرِ يَائِي جِہْلِ كِي ذَرِيْعِي مِيرِي ارَادِي تُوڑِيِي گِي اور مِيرَا قَلْمِ لِنْگَرِ اَكْرِيَا گِيَا۔ مَجْبُورِ اِيْبِي كِهْتَا هُو اَرْخَصَتِ هُو تَا هُوں۔ جُو كِچھ اس بَابِ مِيں لِكْھَا گِيَا۔ سَالِكِ كِي وَضَا حَتِ كِي يِي كَافِي هِي اور يِي خَلَا صَدِ هِي۔ جُو اَجِ پَحْرِ اسِ ذَاتِ بِي نِيَا زِنِي اَزْ سِرِ نُو تَا زِه كِيَا ه

اند کے گفتم پیش تو از عزم دل تر سیدم کہ دل آزرده شومی ورنہ سخن بسیار است

۱ یعنی سالک کی بشریت چون بشریت ساتھ رہتی ہے اور اس کا ملاحظہ مود کو اپنے پاؤں دیکھنے پر مجبور کرتا ہے لیکن صفات عالیہ بھی ہیں جو محض اللہ کا فضل و کرم ہے جس نے یہ دولت عطا فرمائی یہ بشریت کا کمال نہیں۔ بشریت تو کجا ہے جہاں صفات عالیہ کا خیال بھی نہیں آتا۔

۲ یہاں نوٹ کریں کیونکہ یہ بہت باریک رستہ ہے جہاں سے گزرنا مشکل ہے۔

۳ میں نے اپنے اللہ کو اس طرح پہچانا ہے کہ وہ پختہ ارادوں کو توڑ دیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کے ارادوں کے خلاف عمل فرماتا ہے اور ان کو اپنی ذات کے ارادے میں فائز کی مشق کرانے نا آگے دھوکے نہیں چاہتے بلکہ کس ارادہ الہی ہوتے ہیں۔

۴ جہاں مہ فتہ جوڑیں تو وہ شریعت کی تلاش و تلاش و آزمائش و امتحان اور مجاہدہ اور ریاضت سے وابستہ ہو۔

۵ (دلی، نوٹوں میں) کو زندہ کیسے کریگا (خطاب الہی) کیا تو ایمان نہیں رکھتا؟

۶ میں نے تھوڑا سا عزم دل کا بیان تیرے سامنے کر دیا اور ڈرنا رہا کہ کہیں تو پریشان نہ ہو جائے ورنہ کہنے کی باتیں اور بھی بہت سی ہیں۔

فَاللَّهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ - ساتھ ہی یہ بھی اقرار ہے
 کہ یہ باب طویل الذیل ہو گیا ہے لیکن ۷
 لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم



۱۔ پس اللہ تعالیٰ ہی بہترین حفاظت کرنے والے ہیں اور وہ بہترین رحم والے ہیں۔

۲۔ لمبے دامن والا (دامن دراز) مراد کافی لمبا۔

۳۔ یہ حکایت لذیذ تھی اس لئے میں نے اسے لمبا کر دیا۔

حصہ دوم

حصہ دوم

بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۳

سے بدائع ولایت ثلاثہ و این کمالات و حقائق سب سے دیگر مقامات کرنے ازاں دریا دریں قرطاس تراوشے یافتہ ہمہ متوسلان این خاندان شریف را معتبر هست۔ بعضے بولایت قلبی بلکہ در رازہ امکان، و بعضے بولایت کبری کمالات ثلاثہ نادرے بچقائق سب سے و جزآں فائزے شود۔

و انیں است کہ در حالات و تاثیرات این عزیزاں نفاذ تھا است کہ حالات و علوم ہر مقام جدا است۔ چنانچہ نمونہ ازاں تحریر یافتہ۔

بالجملہ در ولایت قلبیہ تاثیر و حالات باذوق و شوقِ ظاہر شود و در کمالات نبوت و حقائق سب سے جمعے یا صفا در لطائف ہر ایک پیدا گردد۔ کہ دریں جا تجلیات ذاتیہ بے پردہ اسماء و صفات ظہور دارد۔ کما لایخفی علی اہلسہا۔ و تفصیل این مقامات و معارف در مکتوبات مجدد علیہ الرحمۃ مذکور است۔

بالفعل در این کمالات ثلاثہ و این حقائق سخن نمودن رسے بیش نیست۔ استعداد کجا و کرا لیاقت این مقامات بلند است۔ نہ ہر کہ سر بنزاشد قلندی داند۔ نہ ہر کہ آئینہ سازد سکندری داند۔ بشارات معمولہ این خاندان بے تحقیق آثار علامات در خارج باطن سالک مسموع نیست مگر "موشے بخواب اندر شتر شد" در دو حالات باشد پس بے خطرگی و دوام نگرانی و فناء ہوا و فناء ارادہ با فناء انا ضرور است۔ حضرت ایشان ما رضی اللہ عنہ فرمودند قریب است کہ راہ تسلیک تمام مقامات مجددیہ مسدود شود۔ و اشارہ بقرب انتقال خود فرمودند۔

معلوم نیست کہ بر روئے زمین کسے قوت تسلیک تمام مقامات باشد۔ محمد احسان اللہ در روضۃ القیومیہ در مقامات مجددیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نوشتہ نیز نقل این معنی نمود۔ پس جذبات کیفیات ولایات و سغنیہا و نیرنگیہا کمالات نبوت و دیگر مقامات گواہ صدق حصول مقامات کافی است۔ از وہم خیال چہ شہور بہ اشارت این حقیقت مغرور ساختن و مردم را در غیب انداختن چہ فائدہ۔ فائدہ نیست مگر ظاہر را باتباع سنت آراستن و باطن را بدوام حضور و توجہ بجناب الہی سبحانہ منور داشتن۔ در ویشی چسبیت، یکساں زلیقن و یکسو نگرستن۔

تا ز قید خود پرستہا و فی آسودے

ہمچو منظر کاش را ہی با خدا بودی مرا،

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کھلے لفظوں یہ اقرار فرمایا۔ کہ ہر ایک کو ایک جیسی نسبت حاصل نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی تمام سالکین منازل سلوک کلیہ طے کر سکتے ہیں۔ بلکہ موجودہ دور میں یہ ناممکن ہے۔ جیسا کہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی عبارت سے واضح فرمایا۔ ساتھ یہ بھی بیان فرمایا کہ اصل نسبت کیا ہے۔ کمالات نبوت کیا ہیں۔ اور کمالات ولایت کیا۔ اور صرف دعویٰ کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ اور وہم و خیال کی حقیقت اس راہ میں کچھ بھی نہیں۔ بلکہ جو کچھ ہے۔ کیفیات اور اذواق و وجدان اور اسی پر نسبت کا دار مدار۔

بھلا جن دوستوں کو کیفیات و اذواق نے کبھی اپنا چہرہ بھی نہ دکھایا ہو۔ اور بے خطرگی و دوام نگرانی کا ملکہ بھی پیدا نہ ہوا ہو۔ اور ساتھ ہی فناء ہوا فناء ارادہ فناء انا کے مدارج بھی طے نہ کئے گئے ہوں۔ تو پھر کیونکر ایسے صوفی کو صاحب کمالات ولایت یا نبوت خیال کیا جاوے۔

کسی کی شہادت لے کر اپنے آپ کو کچھ سمجھا بے حقیقت ہے۔ بلکہ اپنی شہادت اپنے حق میں ایک نیک شہادت ہے۔ بشرطیکہ نفسی وساوس سے پاک ہو۔

نتائج

۱ نتائج دیکھنے دکھانے کی چنداں ضرورت نہ تھی جبکہ دُنیا نے خود اپنی آنکھ سے دیکھ لیا تھے۔ پنجاب بھر کا کوئی شہر، کوئی قصبہ ایسا نہیں رہا۔ جس کے اندر حضور قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تربیت یافتہ، مہذب بااخلاق، خدایاد، بے ریا، روشن چہرہ موجود نہ ہوں لاہور جیسے شہر سے جب یہ لوگ گزرتے تھے۔ تو بازاروں میں انگلیاں اٹھتی تھیں کہ میاں صاحب کے خادم جارہے ہیں۔ گاڑیوں میں غیر مذہب کے لوگ پہچان لیتے تھے۔ لاہور ٹانگوں کا اڈا ان کے نورانی چہروں سے ممتاز رہتا تھا اور گزرنے والے تار جاتے تھے کہ یہ پروانہ ہائے عشق کا جگمگاٹا ہے جو شہرِ قہر جا رہا ہے۔ لاریوں میں جب کسی کی نظر پڑتی تو سب صاف لباس اور مقطع ڈاڑھی کے نورانی فرشتے نظر آتے۔ گاڑی بانوں تک ان لوگوں کا احترام کرتے تھے۔ راستے کے مسافر انہیں سلام کرتے تھے۔ کیونکہ یہ سگد اتنا روشن تھا کہ پہلی نظر میں آنکھیں چندھیا جاتی تھیں۔ خود شہرِ قہر شریف کے لوگ اور باشندے ان زائرین سے عقیدت رکھتے تھے کہ جتنے لوگ بھی حضرت قبلہ میاں صاحب کی خدمت میں آتے ہیں۔ بے ریا۔ عبادت گزار۔ صوفی صافی ہیں۔ لیکن ان کی حالت یہ ہوتی کہ بھرے بازار میں آنکھ نہ اٹھاتے۔ گردن ڈالے قدموں پر آنکھیں لگائے بازار سے نکل رہے ہیں۔ اور یہ نہ دیکھتے کہ بازار میں کیا ہے اور کیا ہو رہا ہے۔ لاہور جیسے پُر رونق شہر میں سے گزر ہوتا اور وہ بھی ڈبئی بازار اور کشمیری بازار سے ہو کر۔ لیکن کوئی خادم ایک گھنٹہ بھی اپنا وقت اس نماشاٹے عجوبہ پر صرف نہ کرتا۔ کیونکہ اُستادِ مشفق کی تعلیم یہ تھی کہ ”بازار سب سے بُری جگہ ہے“ اور دل کو اتنی سردی پہنچانی گئی تھی کہ دنیاوی حرارت آتی ہی نہ تھی۔

پروانہ ہائے عشق کی حالت

۱۔ اس زمانے شاہی مسجد کے جنوب میں موٹروں اور ٹانگوں کا اڈا تھا شہرِ قہر شریف جانے والے یہیں سے سوار ہوتے تھے۔

۲۔ جب دل کے جو اس اپنے باطن کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو دنیا کے غیر ضروری تقارے اور مشاغل از خود چھوٹ جاتے ہیں۔

۳۔ نفسِ حرارتِ غریبی میں غواہش کی گرمی پیدا کر دیتا ہے اور جو اس اس گرمی سے اپنا اپنا کام شروع کر دیتے ہیں اور ہر دلچسپی کو اپنا لیتے ہیں۔ لیکن

دلالت اور معرفت کی تاثیریں نفس کی کیفیت ختم کر دیتی ہیں اسی کو سردی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۲ - خود لاہور کے لوگ جو فلسفیت اور دہریت کی فضا میں پیدا ہوئے جن کی نشوونما فرنگی تہذیب سے ہوئی۔ جن کی تعلیم کا اکثر حصہ لائڈ ہیٹ پر شامل ہے۔ وہ بھی آپ کے اس کمال کے معترف ہیں۔ غیر مقلد اصحاب جو پیر پستی کو شرک اکبر کہتے ہیں، یہ بھی اس بدیہی امتیاز کے قائل تھے کہ حضرت میاں صاحب نے جس کو ہاتھ سے چھو ہی یا ہے وہ گندن ہو گیا اور خالص مسلمان۔ شرک سے پاک صاف اور عبودیت الہیہ کا پورا پورا منظر بن گیا۔

۳ بڑے بڑے شہروں کے لوگ جو مغربی علوم کی اعلیٰ ڈگریاں لے کر دنیا کے بڑے جلیل القدر مراتب پر سرفراز تھے اور جن کے خمیر میں فرنگیت تھی وہ خود حاضر خدمت ہوئے اور پہلی شرف یابی پر پکے ویندار ہو کر اسوہ حسنہ کے عاشق ہو بیٹھے۔ میں سینکڑوں کے نام گن سکتا ہوں جن کو تعلیم یافتہ دنیا جانتی ہے اور ان کی پہلی زندگی کئی ایک خاص امتیاز رکھتی ہے مگر جب سہر نیاز تسلیم کیا تو پھر کیا ہو گئے۔ لیکن جب میرا مقصود ذاتیات کا ذکر کرنا نہیں بلکہ ایک عام تبصرہ کرنا ہے اس لیے لکھ نہیں سکتا۔

۴ اگر ایسے حالات کے ہوتے ہوئے اس باب میں ایک لفظ بھی نہ لکھا جاتا تو مناسب تھا بلکہ بہتر تھا۔ مگر ایک مکرم دوست نے جو ایک کامل بزرگ کے مجاز اور خلیفہ ہیں اور کئی بزرگوں کی خدمت سے سرفراز رہ کر خلعتِ خلافت سے ممتاز ہو چکے ہیں۔ آپ کی وفاتِ حسرت آیات پر آنسو بہاتے ہوئے لکھا کہ میرے پیر و مرشد کے صاحبزادہ صاحب نے فرمایا: "کہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود تو بڑے کامل تھے لیکن دیا کسی کو کچھ نہیں۔ ہاں اگر اُسے (مجھے) دیا ہو تو معلوم نہیں۔ وہ دیکھے نہیں۔" ان کو تو اپنے موقع پر جواب دیا گیا۔ لیکن اس فقرہ نے میرے دل پر خاص اثر کیا۔ موجودہ فقرہ کی حقیقت سلف صالحین کے فقر کی حقیقت سے الگ ہے جس امر کے لیے پہلے بزرگ عمریں صرف کرتے اور اس کے

۱ اسوہ حسنہ، حضور پرورد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عادات و اخلاق و اعمال۔ حضور میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے اندر باہر بدل گیا، دنیا پرستی چلی گئی اور خدا پرستی آگئی۔ ۲ یعنی اپنے حال میں مسنن اور دنیا کے نظاروں سے بے نیاز ہو کر چلے جاتے۔

۳ سلف صالحین کے فقر میں ان کے ناقص احوال کا کوئی اثر ہوتا، ان کی الہوی فنا ہوتی، لیکن موجودہ فقر میں اکثر بے ہمت لوگوں نے ماحمل کا اثر قبول کیا ہوا ہے جس کی وجہ سے خواہش کی فنا نہ ہوئی اور اسی فنا کا نام فقر تھا اب فقر کا نام ہے لیکن حقیقت نہیں۔

حاصل کرنے کے بعد جب اپنی بیستی پاتے تو دنیا و مافیہا کی کامیابی جانتے۔ آج اس کا خیال بھی کسی ایسے بھلے صوفی کے دماغ میں نہیں آتا بلکہ موجودہ دور کا تصوف کچھ ایسا نرالا ہو گیا کہ قدیمی تصوف کی ایک سادہ جھلک بھی اس میں نظر نہیں آتی۔

۵ موجودہ دور میں تصوف ایک علمی ڈر سگاہ ہو گیا ہے اور خلافت ایک زرکش مشین خیال کی جاتی ہے۔ اور اکثر لوگ اس میں اپنا روپیہ صرف کرتے ہیں اور اپنا وقت خرچ کرتے ہیں۔ تاکہ ایک دن اس تجارت سے فائدہ اٹھایا جائے۔

۶ بعض احباب اعتراض فرمائیں گے کہ یہ کہنا غلط ہے بلکہ مجاہدہ و ریاضت صرف تہذیب نفس کے لیے کیا جاتا ہے اور پیر کی صحبت تہذیب اخلاق کے لیے حاصل کی جاتی ہے۔ نذر و نیاز خدائے عزوجل اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے لیے دی جاتی ہے۔ لیکن میں عرض کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہی نام ہے اس کے اندر کچھ اور ہے۔ ورنہ تہذیب نفس اور تہذیب اخلاق سے مسترشد کو محبوبیت کا درجہ کیونکر نہ حاصل ہو۔

۷ جہاں تک میری وسعت نظر کام کرتی ہے۔ اکثر احباب کو خاص تہذیب خاص اخلاق میں تو پکایا جاتا ہے۔ لیکن جب عام تہذیب اور اخلاق میں موازنہ کیا جائے تو سوائے صفر کے ان کے اندر کچھ نظر نہیں آتا۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

۸ موجودہ زمانہ میں بزرگ کی عنایت یہ سمجھی جاتی ہے کہ خلافت کے حامل ہوتے ہی لاکھوں کی تعداد میں مرید ہو جائیں اور ہزاروں روپے ماہوار حاصل ہونے لگیں اور دنیا کہنے لگ جائے کہ فلاں بزرگ کا فلاں خلیفہ ہے اور ایسا لنگر رکھتا ہے۔ ایسا ہے، ویسا ہے۔ لیکن اصل صفات صوفی کی طرف کسی کی توجہ تک نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ نہیں جانتے کہ کونسا وصف اس میں ہے جس کے لیے اسے خلافت عنایت ہوئی اور یہ کہ خلافت دینے والا کس درجہ کا انسان ہے۔

۹ اصطلاح میں یاد کر لینا۔ شکل میں امتیاز پیدا کر لینا اور زعم، بکر کا مظاہرہ کرنا وغیرہ عادات ناقص موجود ہیں۔ بے ہمتی کی وجہ سے زیادوں کی طرح ڈھیلے حاصل کرنے کا خیال امن نہیں چھوڑتا۔ جب مرید رشد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو اس کی مقبولیت محبوبیت کا درجہ حاصل کر لیتی ہے اور کائنات کا فائدہ ذرہ ایسے محبوب سمجھتا ہے اور یاس کی اپنی محبت عام اثر ہوتا ہے۔ خاص تہذیب شکل و صورت۔ و در ذوق لطف، سنت کی وہ قسم جو ایک خاص اعمال تک محدود ہے حالانکہ سنت تو حضور کی زندگی مبارک کا ہر قول و فعل ہے لیکن معاملات اور وہ افعال جو عام بڑاؤ سے تعلق رکھتے ہیں ان میں یہ خاص قسم کے صوفی ناکام رہ جاتے ہیں۔ صبر خودداری توکل وغیرہ اخلاق کی مشق نہیں کر لینی جاتی۔ یہ غلطی بہت سی ہیں بعض علمی ہیں بعض رسمی اور کسی سلسلے کی اصل خلافت وہ ہے جو کامل مرشد اپنے تربیت یافتہ مرید کو عنایت کرے۔

۹ جس ہستی کے مٹانے کے لیے کئی سال صرف کیے گئے تھے۔ اگر وہ پہلے سے بھی زیادہ چالاک۔ زیادہ قوی اور زیادہ روشن ہو جائے تو پھر ایسی "فنائے نفس" سے کیا حاصل ہو سکتا ہے بلکہ اسفل السافلین میں لے جانے والی یہ "فنائے نفس" قرار دی جائے گی۔

۱۰ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ جس طرح اپنی دیگر صفات میں ممتاز درجہ رکھتے تھے اسی طرح "عقلِ کلی" میں بھی امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ آپ نے تاڑ لیا تھا کہ موجودہ دور میں کونسی بات تصوف میں تباہ کن ہے۔ اس لیے آپ نے ایک ایسا طریقہ سلوک اور ارشاد اپنی جدتِ طبع سے پیدا کیا۔ جو متاخرین سے الگ تھا۔ آپ نے کسی سالک کو کبھی یہ نہ فرمایا۔ کہ یہ کچھ تم نے حاصل کر لیا یا بعد کچھ باقی ہے بلکہ کامل سوار کی طرح اپنے گھوڑے کو منزل مقصود کی طرف گاہے دوڑاتے، گاہے چلاتے۔ اور کبھی آرام دیتے۔ لیکن ہمیشہ سفر کی دوری کا منظر دکھاتے کہ سفر کا اختتام اسی وقت ہے۔ جب مراحلِ عمر اپنی آخری منزل پر پہنچ جائیں گے۔ اور سفر اسی وقت کامیاب اور سعادت مند خیال کیا جائے گا، جب راستے کی تمام منازل بخیر و خوبی طے ہو جائیں گی۔ ورنہ سب کچھ بے سود۔

۱۱ ریاکاری اور عجب کا مرض عام ہو گیا ہے۔ اخلاص و نیاز کے جوہر بالکل مفقود ہیں۔ دنیا بھر کی جو اہری منڈیاں چھان ڈالو۔ لیکن کسی جگہ یہ جوہر آج نہیں ملتے۔ لیکن حضور قبلہ نے اپنے متوسلین میں یہ صفت ایسی راسخ پیدا کی کہ جو بھی نظر آتا ہے، ٹھوس اور بے لاگ۔ تسبیح تک ہاتھ میں نہیں۔ لیکن ہر وقت مراقب۔ لیکن وہ مراقبہ نہیں، کہ جس میں تصنع اور ریاکاری ہو، بلکہ وہ مراقبہ جو چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے ہو۔ اور اندر ہی اندر یہ آگ سداگ رہی ہو۔

۱۲ عام لوگ کہتے ہیں کہ میاں صاحب نذر و نیاز قبول فرماتے تھے۔ نہیں، قبول فرماتے تھے۔ لیکن کونسی؟ جو سراسر اخلاص اور نیاز سے پیش کی جاتی۔ اعمال میں بھی وہی بات پسند فرماتے

حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا سلوک اور اس کی انتہا

آپ ریاکاری کے سخت متنفر تھے

اخلاص ہی اخلاص پسند فرماتے

علا ففرو ارشاد گو اسلام کا انتہائی درجہ ہے لیکن کوئی مقام زندگی خطرات سے خالی نہیں۔ اس لیے انجامِ بخیر کی فکر میں عمر بھر سعی رہنا ہی حقیقی اور پائدار کامیابی ہے۔

مگر خاندان میں نقص آگیا تو کئی محرومی ہوگی کہ زندگی اور محنت سب کچھ برباد۔ اس لیے پائدار کامیابی اور انجام کی بھلائی ہی کو مقصود بنانا چاہیے۔

مگر نجر اور عجب حرام ہے خواہ وہ کسی یگی پر ہو۔ دکھلاو اور توجید کے بالکل منافی ہے۔ صوفی کو اپنی نیستی اور توحید کے اثبات کے لیے ہر عمل کی چھان بین کرنی چاہیے کہ کہیں کسی عمل کو کیڑا تو نہیں لگ گیا۔ بس اخلاص و محبت اور صداقت میں تصنع کو دخل نہ ہو۔

کہ جس میں ذرہ بھر بھی شائبہ ریاکاری نہ ہوتا۔ ورنہ منہ پر تھپڑ مارتے اور کالائے بدبریش مالک کا عمل ہوتا۔

۱۳ اب وہ لباس جو خاصانِ خدا کا ہے، وہ ہر جگہ بھٹا ہوا نظر آتا ہے، اکثر نیرنگوں نے تو یہ لباس فقر سرے سے ہی الگ کر دیا اور اعلان کر دیا کہ ادب وہی ہے جو دل میں ہو جیسا کہ بھنگی لباسِ عربانی میں آکر کہتے ہیں کہ لباس اور کپڑے کی کیا ضرورت؟ جبکہ لباسِ اخلاص سینے کے اندر ہو اور سپردِ مرید تو بیشک ہمارا زہو کر باتیں کر لیں۔ برابر بٹھ جائیں۔ ہنسیں اور مذاق کریں لیکن اصلی ادب کی بابت کیا کہا جائے۔ جبکہ **وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ** صوفی کا نظر ہے اور **وَاللّٰهُ مِنْ وَرَائِهِمْ مُحِيْطٌ** اُن کا عقیدہ ہے۔ پھر ننگے سر بٹھ کر مجلس کرنا۔ ننگے سر رتختہ نشست خدائے ذوالجلال کو حاضر ناظر جان کر یا **اللّٰهُ**۔ **يَا رَحْمٰن**۔ **يَا رَحِيْم** یا **كِرِيْم** یا **رَقِيْب** پکارنا چہ معنی وارد؟ **فَاِنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا**۔ کا حکم پڑھتے ہوئے مسجد کی بے ادبی کرنا اور اُسے اپنا خانگی تکیہ جاننا کیا معنی رکھتا ہے؟

۱۴ اور بعض پاک نفوس نے ادب کی تعلیم کی طرف اگرچہ توجہ فرمائی بھی ہے تو اپنے حضور میں کہ با ادب بیٹھیں با ادب کلام کریں۔ با ادب سلام کریں۔ لیکن حقیقی ادب کا پتہ تک نہس دیا۔ اکثر صوفی مراقبہ۔ مذاکرہ اور دیگر مؤدبانہ اعمال میں ایسے بے ادب دکھائی دیتے ہیں۔ کہ الہی توبہ! کھانا کھاتے وقت بسبح اللہ تک زبان پر نہیں آتی۔ اور سر کی چوٹی ننگی کر کے فرنگیانہ تہذیب سے کھاتے ہیں۔ واقعہ یاد آگیا۔ کہ جب میرے ہاتھ کھانے کے لیے دھلائے جاتے، یا خود دھوٹا تو صرف ایک ہاتھ دھو کر حسب عادت سابقہ دسترخوان پر بیٹھ جاتا۔ حضور میاں صاحب ایک دن تشریف لائے اور پہلا ارشاد اس طرح فرمایا۔ کہ ”فرنگیوں کی طرح ایک ہاتھ دھونا اور دوسرا چھوڑنا کتنا بُرا ہے۔ اب تو بڑے بڑے لوگ بھی اسی طرح کرنے لگ گئے اور سنت پر عمل نہیں کرتے کہ دونوں ہاتھ دھو کر کھانا کھایا جائے“ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی۔ اب دونوں

۱۔ بڑا سودا مالک کے منہ پر سے مارو۔ ۲۔ ادب کی اکائی اپنے پروردگار سے شروع ہوتی ہے جب یہاں ادب نہیں تو اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت کے آداب کیسے ملحوظ ہوں گے اور کس طرح عمل میں آئیں گے۔ ۳۔ اور اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز کو دیکھ رہا ہے۔ ۴۔ اور اللہ تعالیٰ اُن سب کے ارد گرد احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ۵۔ جب اللہ کے ناموں کو یا سے ندا دی جا رہی ہے تو اس کی حضوری کیوں خیال میں نہ ہو اور حضوری کے آداب کیوں ملحوظ نہ ہوں۔ ۶۔ مسجد میں اللہ کے لئے ہیں تم اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو نہ پکارو۔

ہاتھ دھونا ہوں اور ہمیشہ دھونے کے وقت حضور کا ارشاد یاد آجاتا ہے۔

۱۵ یہی وجہ ہے کہ عام مریدین نے ادب کو صرف پیرو مرشد کی حضوری کے لیے ضروری سمجھا ہوا ہے۔ خدائے علام الغیوب کے کسی امر میں یا نہی میں کسی قسم کے ادب کا خیال بھی نہیں کیا جاتا۔ لیکن حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان ادب مریدانہ پر یکدم قلم کھینچ دیا اور وہ آداب تعلیم کئے جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے ارشاد فرمائے تھے جسے اسوۂ محسنہ کہتے ہیں اور تمام شب و روز میں انھیں مد نظر رکھنا صوفی کا ایک اولین فرض ہے۔

۱۶ تقویٰ جس کے بارے میں ارشاد الہی ہے وَ لِبَاسِ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لِّبَاسٍ پیرہیزگاری سب سے عمدہ لباس ہے (اس لباس کی اب وہ تنگی اور بے مانگی ہے کہ سوائے طہارت بدن کے اب کسی صوفی پر یہ نظر نہیں آتا۔ تقویٰ کو لباس کہنے کے معنی یہ تھے کہ ہر گھڑی ہر آن ہر حال اور ہر موقعہ پر جس طرح لباس انسان سے جدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح تقویٰ بھی ایک مسلمان سے کسی حالت میں جدا نہیں ہو سکتا۔ تو پھر صوفی سے کس طرح امید ہو سکتی ہے کہ وہ اس سے جدا ہو جائے۔ اگر کسی وقت جدا ہو جاتا ہے تو ایک بھاری کمی ایک مسلمان میں ہے۔ فقیری تو الگ رہی۔ یہ تو ایک مسلمانی لباس ہے اُسے فقیری سے کیا واسطہ؟

۱۷ حضرت قبلہ مرحوم و مغفور فرمایا کرتے کہ لوگوں نے ذکر و اذکار فقر کا لازمہ خیال کیا ہے لیکن یہ نہیں جانتے کہ یہ تو مسلمانی کا لازمہ ہے اور تمام مسلمان اس کے مخاطب ہیں۔ ارشاد باری ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ذَكِّرُوْا نَفْسَكُمْ لِقَوْلِ رَبِّكُمْ كَمَا ذَكَرْتُمْ لِنَفْسِكُمْ اِذْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّا سَاءُ مُسْلِمُوْنَ لِنَاۤسٍ ۝۱۰۱

۱۸ تقویٰ کے معنی موجودہ زمانہ میں نہایت تنگ کر دیے گئے۔ اور طہارت بدنی سے بڑھ کر اگر نماز تک اس کا حلقہ وسیع کسی ہستی سے ہو جائے۔ تو بسا غنیمت خیال کیا جاتا ہے۔ باقی تمام حالات واقعات اور عادات کو اس سے نظر انداز کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر

بل اصل مقصد فقر و فقیری ایسی لطافت حاصل کرنا ہے جو علام الغیوب کی لطافتوں تک پہنچ سکے اور جسمانی آداب اور روحانی اتقا کا عمل ہی ان لطافتوں کو پیدا کر سکتا ہے اور اسوۂ حسنہ بھی یہی عمل جسم و روح ہے۔

۱۹ تقویٰ کسی ایسے عمل سے بچنا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا خطرہ ہو۔ صوفی کو تو تقویٰ کی روحانی منازل طے کرنا چاہئیں تقویٰ کی جسمانی عملی صورتیں تو عام مسلمانوں پر بھی فرض ہیں۔

۲۰ تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، کھڑے ہو کر، بیٹھ کر اور اپنے چہلوؤں پر (لیٹے ہوئے)۔

بے دین اس تقویٰ پر پھبتیاں اڑاتے ہیں اور علی الاعلان کہتے ہیں۔ کہ نماز یا وضو دیکھو تو فشتے معلوم ہوتے ہیں۔ معاملات اور اعمال دیکھو تو صاف شیطان۔ لیکن حضرت میاں صاحب نے اپنے متوسلین کی جماعت کو اس تقویٰ کے وسیع تر معانی سے زینت دی اور ہر شعبہ زندگی کا دار و مدار تقویٰ پر فرض کر دیا گیا کہ اگر تقویٰ نہیں تو سب کچھ اوراد۔ اذکار عبادت بیکار۔

۱۹ اتباع سنت کا جو ہر گرانمایہ مسلمانوں سے اب ایسا کم ہو گیا۔ کہ مسلم آبادی کے اگر ایک ملین پر نظر کی جائے۔ تو حقیقی متبع سنت کوئی نظر نہیں آتا۔ ہاں جزئیات میں بہت سی جماعتوں نے اپنے لیے چند سنن مقرر کر رکھی ہیں جن پر وہ نہایت زور سے پابند ہیں لیکن ان مقرر کردہ اور مجوزہ زیر عمل سنن کے علاوہ نہ تو توجہ ہے۔ نہ خیال ہے بلکہ فرقہ بندی کے لیے اور اپنا تعصب دکھانے کے لیے بعض اختلافی اتباع پر کلھاڑیاں اور چھڑے نکال لیے جاتے ہیں۔ لیکن منفقہ اتباع سنت پر توجہ تک نہیں۔ مثلاً داڑھی۔ لباس۔ نشست و برخاست۔ اکل و شرب اور باقی آداب میں کوئی اختلاف کسی فرقہ کو نہیں لیکن تمام فرقے اس اتباع سے غافل ہیں اور ذرہ بھر بھی توجہ نہیں رکھتے بعض جماعتوں میں کچھ زیادہ شوق اتباع کا دیکھا بھی جاتا ہے۔ لیکن اندر کھوکھلا ہے۔

۲۰ آج اتباع کے نام سے بھی مسلمان نا آشنا ہوتے جاتے ہیں اور تعلیم یافتہ اسی فرنگی تہذیب کے اندر جذب ہو کر اسلامی تہذیب (اتباع سنت) پر پھبتیاں اڑانے میں مصروف ہو گئے۔ اور دیہاتی اپنی جہالت میں گم ہو کر اتباع کے نام سے بھی نا آشنا ہو بیٹھے۔

۲۱ اتباع سنت پر چلنے کی ہدایت دینا ایسی پیڑھی کھیر ہو گیا۔ جیسے جوئے شیر لانا بلکہ دعوت دینے والے کا مضحکہ بعض وقت اڑایا جاتا ہے اور بعض وقت دعوت دینے والا مشکلات کو دیکھ کر حوصلہ مار بیٹھتا ہے۔ ایسے وقت میں کسی ایک کو بھی حقیقی اتباع سنت

۱۔ ھدی للمتقین: نور باطن متقی لوگوں کے لئے ہے صرفی کے اعمال و اشغال کی غرض و غائت نور باطن حاصل کرنا ہے۔ اور تقویٰ کے بغیر اس کا حصول ممکن نہیں تو پھر بغیر خوف خدا کے ذکر و اذکار وغیرہ کا کیا فائدہ ۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع فرض ہے۔ لیکن مسلمان اس فریضے سے نا آشنا ہیں اور اہل علم کی فرقہ پرستیوں نے اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھٹے بھٹے کر دئے ہیں بلکہ ایک فرقہ کی اتباع رسول دوسرا فرقہ ناپسند کرتا ہے اور اس اتباع کو بھی اتباع سمجھنے میں تامل کرتا ہے یا انکار کر دیتا ہے۔ مثلاً اگر نبی نے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور معاشرہ اسلامی کو ماننے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ مدینہ انگریز زدہ لوگوں نے سنت کا مضحکہ اڑا کر اپنا داسہ ایمان بھی برادریا۔

پر راسخ کر دینا درحقیقت معجزہ اور کرامت ہے۔

۲۲ حضرت اقدس کی ذات بابرکات جس بیانی اور جس لاپرواہی سے اس تلامذہ میں کو درخلق اللہ کو شاہراہ سنت پر نکلنے کی یہ آپ کا ہی حصہ تھا اور اتنی بڑی کامیابی ہوئی کہ دیکھنے والا حیران رہ جاتا ہے۔ آپ کی پہلی کوشش اور پہلی توجہ اتباع سنت پر تھی جب یہ اتباع مکمل ہو جاتا تو باطن پر توجہ ہوتی بلکہ درحقیقت ظاہری اتباع باطنی نور (ایمان) کا مُمد ہوتا تھا اور باطنی نور ایمان ظاہری اتباع کی جڑ ہوتی تھی۔

۲۳ اس صفت میں آپ کی جماعت موجودہ وقت میں سب سے ممتاز ہے جب آپ کے وصال کے بعد صوفی محمد ابراہیم صاحب نے بمشورہ صاحبزادہ صاحب والا جاہ مولانا مظہر قیوم صاحب سلمہ ربہ کلا ہائے اجازت حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے مجازوں کو حضرت صاحبزادہ صاحب سلمہ ربہ کے ہاتھ سے دلوائیں تو بعض احباب نے انکسار نہ عرض کیا کہ ہم اہل نہیں اور نہ ہم کچھ جانتے ہیں لیکن برادرِ سید نور الحسن صاحب نے کہا کہ تم لوگوں نے کیا کچھ سمجھا نا ہے جس کے تم اہل نہیں بلکہ تم نے صرف سنت نبوی علیہ السلام کی دعوت خلق اللہ کو دینی ہے اور بس۔ اس میں کسی دوسری چیز کی ضرورت نہیں۔

۲۴ سلف صالحین کی تمام آبیاری صرف اسی درخت کی بنیاد اور جڑوں کے مضبوط کرنے میں صرف ہوتی تھی اور یہی فقر کی انتہا خیال کی جاتی تھی۔ لیکن موجودہ زمانہ میں اس بنیادی پتھر کی طرف توجہ نہ رہی، جس کی وجہ سے اکثر غیر مقلدین حملے کرنے لگے۔ کہ یہ لوگ سنت نبوی علیہ التَّحیۃ سے بے بہرہ ہیں اور شرک و بدعت کے موجد اور ان کی تمام عمارت فقر کھوکھلی ہے مگر مرحوم و مغفور قبلہ مرثد م کی جماعت کو دیکھ کر یہ غیر مقلدین کی جماعت بھی عیش عیش کرنے لگی کہ اتباع سنت کے سچے حامی ایسے ہوتے ہیں اور اتباع سنت کے دلدادہ ایسے ع

سوا سنت دے پانی بھی نہ چکھن

ظاہری اتباع کے بغیر باطنی اتباع کے کچھ معنی نہیں۔ شریعت ظاہری اتباع کہہ رہے ہیں ظاہری اتباع کی کمی یہاں تک پہنچی کہ علم کے مرکز بھی اتباع چھوڑ بیٹھے ایسی صورت میں سنت مطلقہ کو زندہ کرنا بے حد مشکل تھا لیکن حضرت اعلیٰ کی برکت سے سلسلہ شریعتی میں ظاہر باطن میں سنت کی اتباع کا ایسا دور دورہ ہوا کہ دیکھنے والوں کی انگلیاں اٹھتی تھیں۔

یہ فقر حقیقی کا اظہار اس سے زیادہ ہو نہیں سکتا کہ ہم اہل نہیں اور نہ ہم کچھ جانتے ہیں یہ ہے وہ فنا جو حضرت قطب العالم شریعتی نے پیدا کی۔ سنت خیر الوریٰ میں اگر فقر کی جان آجائے تو یہی ہے جانشینی نبوت کا کارنامہ اور جسم کے بغیر جان کہاں ٹھہرے اس لئے حقیقی فقر سنت کا جسم رکھتا ہے اور اخلاص و محبت کی جان اور ایسے جسم جان سے حقیقی اسلام بنتا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۲۰۳ پر)

۲۵ جن آن مول جو اہر انسانی کا ذکر کیا گیا۔ آج اس لامذہبیت اور فلسفیت کے دور میں اصولی طور پر صرف گم ہی نہیں۔ بلکہ ان کا نام تک بھی دلوں سے اڑ گیا۔ ہر حالت میں خواہ دینی ہو یا دنیوی شطرنجی چال چلنا عقلمندی خیالی کیا جاتا ہے۔ ایسے نازک وقت میں اگر ایک

پاک ہستی خزانہ علام الغیوب سے یہ جو اہر خلقی دنیا بھر میں بکھیر دے۔ اور دنیا کو اس سے اپنے طریقے سے بھر دے۔ تو کیا کوئی ہوگا کہ سخاوت عامہ پر نظر رکھتے ہوئے یہ کہے کہ اس نے کسی کو کچھ دیا ہی نہیں۔ یا اس نے سچل سے کام لیا۔ نہیں ہرگز نہیں سچ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

جو کام آپ نے کیا۔ کسی دوسرے اہل اللہ کو اس کی طاقت کہاں؟ وہ کسی ایک کا گھر بھرنا نہیں چاہتے تھے بلکہ وہ تمام کائنات کو اچھے اخلاق میں، اچھے عادات میں، اچھے خیال میں، اچھے لباس میں اور اچھے اکل حلال میں دیکھنا چاہتے تھے۔

۲۶۔ آپ کے یہ مد نظر نہ تھا کہ فلاں یہ کہلائے یا وہ کہلائے۔ بلکہ یہ پیش نظر تھا۔ کہ مسلمان مسلمان نظر آئیں۔ اور دنیا رسولی رنگ میں رنگی نظر آئے۔ آپ کا خیال تھا کہ صبغۃ اللہ ساری دنیا پر پھر جائے۔ نہ یہ کہ زید و بکر بن کر دنیا میں مشہور ہو بیٹھیں اور اپنی تمام قوت روحانی کسی ایک یا دو درختوں کی آبیاری میں صرف کی جائے۔ ۲۷۔ آپ نے اپنے ایک ممتاز خلیفے کو جو آپ کی عمر میں صاحب برکت و مین تسلیم ہو چکے تھے۔ ایک خط لکھوایا کہ

”تم پیر ہو چکے لیکن انسان بننے کی کوشش کرو۔ پیری کے گھمنڈ میں انسانیت کے حصول سے غافل نہ ہو بیٹھو۔“ (ملفوظ)

۲۸۔ جس شخص نے حضرت قبلہ مرحوم و مغفور کے آبیاری کردہ کسی ایک درخت کو بھی دیکھا ہے۔ وہ میری تحریر کو عرف بحرف صحیح پائے گا درخت اپنے پھل پھول سے پہچانا جاتا

(بقیہ صفحہ ۲۰۲) مگر اخلاص و محبت کے عمل میں وہ تاثیر ہوتی ہے کہ مخالف بھی اعتراف کیے بغیر نہ نہیں سکتا۔ سنت اور ثریت کو چھوڑ کر فقر کا دعویٰ آج کی پیداوار نہیں غلط قوتوں نے اسے بڑی ریسے جاری کیا تھا ہے یہ دور تو اسلام کے انحطاط کا دور ہے اس میں ایسا ہونا تعجباً ہی نہیں ہے لیکن مخلص اور صاحب محبت کو اپنا راستہ متعین کرنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ ہر ایک کی فکر اس کی ہمت کے مطابق ہوتی ہے۔ ۲۹۔ جب کوئی شخص کسی بلند منصب پر پہنچا جاتا ہے اور خلق اللہ اس کی عزت کرتی ہے تو وہ فطرتاً بلندی محسوس کرتا ہے اور اپنی تکمیل۔ اگر نفی اور نفی کا سبق پوری طرح یاد نہ ہو یا اپنی کمتری کے اسباب موجود نہ ہوں تو ایسا شخص انہیں عزت کرنے والی کو کم نہ سمجھتا ہے۔ اور یہ نقص بشریت کا بنیادی نقص ہے۔

ہے) یا جس نے ایک دو دن حضرت قبلہ مرحوم و مغفور کے ایام زندگی میں شرفیور قیام کیا یا آپ کے ختم پر حاضر ہوا۔ اور اس نے اپنی آنکھوں سے مکرر سہ کر جماعت پر نظر دوڑائی۔ تو صاف بے اختیار کہہ دے گا۔ کہ جو کچھ لکھا گیا۔ تم لکھا گیا۔ اور جو کچھ وہ کر گئے یا دے گئے۔ اس کے لئے یہ کاغذی پلندے کافی نہیں۔

۲۹۔ کاغذی گلدستے میں نہ وہ اصلی رنگ ہے نہ اصلی بو ہے۔ مگر کیا کیا جائے۔ کہ اصل کی نقل اس کے بغیر اتر بھی تو نہیں سکتی۔ جس طرح حضرت قبلہ مرشد رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکات کی دید اور شبند میں بڑا فرق ہے۔ اتنا ہی اصلی گلشن آبپاری کردہ کی سیر اور میرے اس نقلی گلدستہ کے رنگ میں فرقِ عظیم ہے۔ بوئے خوش اور اطانت تو کجا۔ نام تک نہیں۔

۳۰۔ آپ نے اس لباس تقویٰ۔ اس اتباع سنت۔ اس نیاز اور اخلاص کے اندر ایک ایسی بجلی لگائی تھی۔ جو ہر گھڑی ہر آن ان اوصاف کو روشن کرتی رہتی۔ جس طرح روٹی کی بتی کو تیل اپنی مدد پہنچا کر اُسے گل نہیں ہونے دیتا۔ اسی طرح دل کے اندر ایک حوضِ محبت بھر دیا تھا۔ کہ ان اوصاف کو دمدم روشن تر کرتا رہے اور بجھنے نہ دے۔

وہ محبت کیا تھی؟ وہی محبتِ لم یزلیہ!

جسے مارِ محبت نے ڈسا ہو

وہی قلبِ سلیم اے جان ہے آہ

نہ چین اس کو ہو بیٹھے اور لیٹے

تڑپتے ہی محبت میں مرا ہو

وہ محبت سینہ میں رکھی تھی کہ ہاتھ اٹھتے تھے اور آنسو رخساروں پر سے نکل کر دامن تر

کر رہے ہوتے اور زبان پر ہوتا تھا

ظاہر و باطن ہو برائے خدا

چاہے خدا سے نہ سوائے خدا

دبیدہ بنیا ہو ہر اک موئے تن

محو تجھے رہے روح و بدن

۱۔ وارننگ خوب ہو۔ بلبل اور قفقے بیش قیمت ہوں لیکن کڑھ موجود نہ ہو تو سب بیکار شریعت کے لباس میں اگر طریقت کی روح نہ ہو اخلاص نہ ہو محبت نہ ہو تقویٰ نہ ہو اور انوارِ عالم کی عکس یزی نہ ہو تو جسم ہے جس میں روح نہیں۔ ایسے جسم میں تاثیریں کجا! قلبِ سلیم کی مختلف تعبیریں ہوں لیکن یہ نہایت عمدہ تعبیر ہے 'وہ قلب سلامت ہے جس کو محبت کا زہر چڑھ چکا ہو' جب اللہ کے نام کی مشق کی جائے اور قربانی دی جائے تو لازماً محبت الہیہ پیدا ہو جاتی ہے تو پھر محبوب کے سوا کوئی دوسری طلب بھی نہیں رہتی اور جب طلب بیدار و بیقرار ہو تو مطلوب کا قرب یقینی ہے اور قرب الہی کا کمال مشاہدہ کی آنکھ کھول دیتا ہے اور جب مجاہدہ کی لذت مل جائے تو جسم جان اس میں محو رہتے ہیں۔

گامے گامے رندانہ لب و لہجہ سے یہ نکل جاتا ہے
 دلم با من نمیکوید منم شاہب زلا ہوتی
 بہ سیر عالم قدسی پریدن آرزو دارم
 دریں وحشت سرائے من چہرہ باشم چہرہ باشم
 کہ من در گلشن وحدت چمیدن آرزو دارم

اور کبھی یہ محبت دوسرے انداز میں یوں بول اٹھتی ہے
 ہمہ انبیا در پناہ تو اند
 مقیم در بارگاہ تو اند
 تو مہر منیری ہمہ اختر اند
 تو سلطان ملکی ہمہ چاکر اند
 اور گامے محبت کی بانسری نغمہ زائے درد اس طرح بھتی ہے
 خدا کس کو کہتے ہیں کیا جانتے تھے
 تیرے منہ سے ذکر خدا ہے محمد ص
 جسے کہتے ہیں سب کلام الہی
 وہ تیری زباں سے سنا ہے محمد ص
 ترا وصل جنت ترا ہجر دوزخ
 تیری دید - دید خدا ہے محمد ص

۳۱۔ حضرت قبلہ مرشد رحمۃ اللہ علیہ کے چہلم پر جب حاضر ہوا تو مجھے نہایت شوق
 تھا کہ مجازوں کی زیارت کر کے اپنا ارمان نکالوں۔ بلکہ جناب حاجی صاحب سے میں نے
 یہ خواہش بھی کی کہ ان کے ناموں کی فہرست عنایت ہو لیکن حاصل نہ ہو سکی۔ پھر سینکڑوں
 نہیں بلکہ ہزاروں کے مجمع پر جب میری نظر اٹھتی تھی۔ تو تمام چہروں کو بوستی ہوئی پار نکل جاتی تھی
 اور کسی ایک پر نہ جھمتی تھی۔ کیونکہ تمام نورانی اور مبارک چہرے ایک جیسے تھے اور تمیز مشکل
 تھی۔ تاہم میں نے خیالی تصور سے بہت سے لوگوں پر نظر جمائی۔ کہ یہ مبارک چہرے ایسے ہیں۔
 کہ خلافت اور اجازت عامہ ان کو حاصل ہوگی۔ لیکن دوسرے دن جلسہ خاص میں مجاز
 حضرات اکٹھے ہوئے تو ان میں سے ایک بھی نہ تھا۔ جنہیں میں نے اپنے تصور اور خیال میں
 لے رکھا تھا۔

۱۔ میرادل مجھ سے کہتا ہے کہ میں شاہباز لاہوتی ہوں۔ اور عالم قدس میں اڑنے کی تمنا رکھتا ہوں
 اس وحشت کے گھر میں میں کیوں ٹھہروں۔ میں تو وحدت کے باغ میں چلنے پھرنے کی آرزو رکھتا ہوں
 ۲۔ تمام انبیاء علیہم السلام تیری پناہ میں ہیں اور تیری بارگاہ میں مقیم ہیں
 تو آفتاب ہے اور وہ تمام سیارے ہیں۔ تو ملک کا بادشاہ ہے اور وہ تیرے نوکر چاکر۔

۳۲ - اس سے بہ نہ سمجھا جائے کہ میرا قیاس غلط تھا

خاص کند بندہ مصلحت عام را

کا مسئلہ تھا۔ بلکہ بعض اصحاب تو اپنے صفاتِ خاصہ میں ایسے ممتاز تھے کہ مجاز حضرات ان سے مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔ لیکن جس طرح حکمتِ الہیہ گرفت سے پاک ہے۔ اسی طرح اس کے ویسا برکزیدہ کے اسرار اور حکمتیں گرفت سے بالاتر ہیں۔ اجازت اور خلافت کے لئے اوصافِ مذکورہ کے سوا کسی دوسری چیز کی ضرورت ہے۔ جسے میں عقلِ عامہ سے تعبیر کرتا ہوں تاکہ وہ اپنے متوسلین کی ہر طرح کی نگہداشت اور ہر طرح کی تربیت کر سکے اور راستہ بتلا سکے اور حضورِ رحمتہ اللہ علیہ کے خدام میں ایک ایسی جماعت دیکھنے میں آئی کہ اپنی استعداد و روحانی میں نہایت بالاتر اور جسے اپنے اور پرانے سے تعلق نہیں مگر چونکہ خود حضرت قبلہ مرتد م رحمتہ اللہ علیہ پر کمالاتِ نبوت کا غلبہ تھا۔ اور کمالات و ولایت مغلوب ہو چکے تھے۔ اس لئے نگاہِ انتخاب نے بھی انہیں پسند کیا جو کمالاتِ نبوت کا ظل ہو سکیں۔ خواہ کمالات و ولایت کی ان میں نمایاں کمی ہو۔

۳۳ - حضرت دالاجاہ مرتد م رحمتہ اللہ علیہ نے جب مرض الموت میں جمعہ کے دن مجھے رخصت فرمایا۔ تو میں نے فیض پور میں قاری اللہ بخش کے ہاں اقامت چند روزہ کا ارادہ کیا۔ تاکہ حضرت کی علالت کا یکسو نتیجہ دیکھے بغیر نہ جاؤں اور ہمیشہ کے لئے نہ روتا رہوں۔

۳۴ - رخصت لے کر جب باہر نکلا۔ تو آپ کے ایک خادم رحمت علی بھی ساتھ ہوئے۔ وہ بھی گھر سے حضرت کی بیماری سن کر آئے تھے۔ اور جمعہ پڑھ کر جانے کا ارادہ تھا۔ میں نے ان سے کہا۔ جمعہ اب کہاں؛ آپ تو بیمار ہیں۔ پھر یہاں جمعہ کی نماز تک رہنے کا کیا فائدہ؟ اس نے جواباً کہا۔ آخر کہیں جمعہ تو ادا کرنا ہے۔ اس پر جمعہ ادا کرنے کے لئے میرے ہمراہ ہو گئے اور چار پانچ روز ہم دونوں اکٹھے رہے لیکن حیران ہوں۔ جب دیکھو اپنے خیال میں غرق۔

۳۵ کسی ایک بندے کو عمومی بھلائی کے لئے خصوصیت عنایت کی جاتی ہے۔ کمالاتِ نبوت میں سرفہرست بقائے کامل انتظار حکم باری، پھر اظہارِ انوار اور تربیتِ مخلوق، عقل کل، اور دانش عامہ اور اس کا اظہار قبطل عن المخلوق، محویت۔ فی التجلیات
۳۶ یہ وہی رحمت علی صاحب ہیں جو حضرت اعلیٰ کی تربیت سے صاحبِ کمال ولی اللہ بنے اور موضع گنگ ضلع لاہور کو گنگ شریف بنایا۔ اور شرقی سلسلے میں جن کا ظہور نہایت شاندار ظہور ہے اور عوام و خواص آپ سے فیض نسبت حاصل کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی زندگی لمبی فرمائے۔ آمین۔

دوپہر ڈھلنے پر اٹھ کر با وضو قبلہ رخ جنگل میں بیٹھ جاتا اور برابر شام تک اپنی حالت میں
میں مسرت نظر آتا۔ اور پھر آدھی رات کو جاگ اٹھتا۔ عادات۔ اخلاق ایسے پاکیزہ کہ سبحان اللہ
کیا کہوں۔ ایک دن مجھ سے کہا۔ کچھ سناؤ۔

۳۵۔ میں نے کہا۔ کہ نیک آدمی کو دھوکے بہت لگ جاتے ہیں کیونکہ وہ اللہ اللہ کرنے
لگتا ہے تو اس کی شہرت ہو جاتی ہے جس پر لوگ دم۔ دعا۔ تعویذ۔ گنڈا کرانے کے لئے
اس کے پاس دوڑتے ہیں۔ اور بے چارے صوفی کو دھوکا لگتا شروع ہو جاتا ہے کہ اب تو
میں محبوبِ الہی ہوتا جاتا ہوں یہ دعا میری منظور ہو گئی اور وہ کام میری بددعا سے تباہ ہو
گیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

۳۶۔ اس پر ہمارا نوجوان صوفی کہنے لگا۔ کہ لوگ میرے پاس بھی تو آتے ہیں۔ اس کے بعد
پھر دم وغیرہ نہ کروں گا۔ اگلے دن ایک آدمی نے مشہور کر دیا کہ رحمت علی شرق پور شریف
کے دروازہ پر مجھے ملا تھا۔ لیکن جب گاؤں میں آیا تو یہ یہاں تھا۔ لوگوں سے پوچھا گیا۔ تو
لوگ کہتے ہیں۔ رحمت علی کہیں نہیں گیا۔ اس پر وہ میرا بڑا معتقد ہو گیا۔ اور لوگ بھی حیران
ہیں۔ مگر میں تو واقعی نہ گیا تھا۔ نہ وہ مجھے کہیں ملا بلکہ کسی پر میرا شبہ ہوا، ورنہ میں تو
یہاں تھا۔

۳۷۔ میں نے رحمت علی سے دریافت کیا کہ حضرت قبلہ مدظلہ بھی تم کو جانتے ہیں؟ کہنے لگا۔ کہ
ہاں! کبھی رحمت علی فرماتے ہیں۔ کبھی رحمت اللہ۔ میں نے پھر کہا کہ کتنی مدت سے آتے ہو؟
کہا۔ دس بارہ سال سے۔ میں نے کہا۔ پھر تمہیں خادم نہیں جانتے؟ کہنے لگا کہ نہیں۔ جب کبھی
حاضر ہوتا ہوں تو بہت ہی کم حضور کی خدمت میں حاضری کا موقعہ دیا جاتا ہے۔ ایک طرف
آپ نے کچھ فرمایا۔ دوسری طرف باہر جانے کا حکم ہو گیا۔ ازاں بعد دریافت کیا کہ شادی کی؟
کہنے لگا۔ میں نے شادی کرنا پسند نہیں کیا۔ ماں باپ نے بہت زور دیا تھا۔ لیکن میں نے

صوفی کو کیا دھوکے میں آتے ہیں

بلندی استعداد خود بخود سالک کو ملے لگتی ہے

علاجِ محبت اور ذکرِ شکر اور مجاہدات سے روحی نسبت جسم پر طلبہ پاجاتی ہے تو پھر ہی نسبت اپنا مستقل وجود رکھتی ہے اور عالم امر کی مخلوق (ملائکہ)
کی طرح بے ارادہ و با ارادہ مقام بہلتی ہے اور جذب سے متاثر ہو کر زمان و مکان کی قید سے بالاتر ہو جاتی ہے۔ اس کے سامنے وحدت و کثرت
کا عقیدہ بھی کوئی مشکل عقیدہ نہیں رہتا اور صاحب نسبت ولی اللہ کے اکثر کلمات اور بیشتر کلمات اس سے نکلنے ہیں لوگوں کے حسن ظن، اعتقاد اور محبت کا وسیلہ
یہی نسبت بنتی ہے لوگ اسی نسبت پر شہید ہوتے ہیں ع۔ تیری دوستی سے پہلے مجھے کون جانتا تھا۔

کہا۔ خواہش نہیں۔ جب ہوگی دیکھا جائے گا۔

۳۸۔ اب خود سوچو۔ کہاں وہ صوفی صافی جو مجسم شہوت ہوتے ہیں اور ہر گھڑی سنت نکاح میں سرگرم۔ بلکہ جہاں تک مجھے علم ہے بہت سے ایسے بزرگ ہیں کہ ظاہر اور پوشیدہ کسی کسی نکاح کر کے لذتِ نفس حاصل کرتے ہیں۔ بھلا جسے محبت الہیہ ہو۔ وہ اتنے اُن گنت نکاحوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور سچی محبت سنت نکاح کا بہانہ اُس کے لئے چھوڑتی ہے۔ سچ ہے۔ مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهِ ط اِخْتِذَا نَفْسِ اَدَمِيٍّ كَيْ سَيِّنُهُ مِنْ دُوْدٍ لِيْطِيْرَ اَنْ يَّهْبِيْ اَنْ يَّهْبِيْ كَيْ سَيِّنُهُ

سچا سا لکھ سوا کی محبت سے پاک ہوئے

یہ مدعیاں در طلبش بے خیر اند کاں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد

۳۹۔ مجھے اپنے جدا مجد رحمۃ اللہ علیہ کے خلفا پر نظر نہ جمتی تھی۔ اور کہتا تھا کہ حضرت صاحب نے کچھ بھی نہیں کیا۔ آپ کا جو بھی خلیفہ ہے۔ تعلیم و تعلم کے سوا کچھ جانتا نہیں۔ نہ حلقہ مریدیت زیادہ رکھتے ہیں۔ نہ وسعتِ رزق کا ڈھیر اُن کے سامنے دکھائی دیتا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے کچھ نظر بلند عنایت فرمائی اور اکثر خلفائے وقت مشہور اور غیر مشہور کا توازن کیا۔ تو اوصاف مذکورہ

صیغے اور مجاز کے اوصاف کیا سمجھتے ہیں

میں کوئی بھی ممتاز نہ پایا۔ بلکہ اکثر فیل۔ ہاں حضرت قبلہ جدا مجد علیہ الرحمۃ کے خلفاء کو جتنا پایا۔ کھوس پایا۔ بناوٹ ان میں نہیں۔ اور تقویٰ و دیانت سے بے بریہ اور پیر و مرشد کے ارشاد پر کار بند۔ اور اپنے حالات پر قانع اور شاکر۔ اب میں انہیں دیکھ کر خوش ہوتا ہوں کہ جیسے کامل تھے۔ ویسا ہی کام بھی کامل کیا۔

۴۰۔ حضرت قبلہ مرشد رحمۃ اللہ علیہ کے اکثر متوسلین (بلکہ کوئی اور شاذان کے سوا ہوگا) بلکہ جہاں نسبتِ باطنی سے مراد ہے۔ اگرچہ وہ صاحبِ اجازت نہیں اور جن لوگوں کو اجازت بخشی گئی وہ میری نظر سے گزرے۔

عارف کے متوسلین میں سے کوئی بھی نسبتِ عالی نہیں بنتا

۴۱۔ اصل میں وہ بموجب حکم آیت فَاَنْفَجَرْتُمْ مِنْهُ اَشْتَاتَ عَشْرَةَ عِيْنًا۔ بارہ تھے اور تیرھوں بارشادات اللہ و تَرْوِيْحِيَّتِ الْوُتْرُوْسِ۔ کیونکہ آپ ہمیشہ تمام امور میں وتر پسند فرماتے۔

ایک خلفا کی تعداد

۱۔ نفسی خواہشات عوام کو بند نہیں ہونے دیتیں لیکن جب فضل خداوندی سے کامل مرد کی تربیت شروع ہو جاتی ہے تو عالمِ بلا کی تاثیرت سے روح و جسم بچ جاتا ہے اور نفسی خواہشات کھانا۔ پینا لذاتِ نظارہ و نکاح مراتب دولت دنیوی تمام بجاتی ہیں اسی کو فنا کی تاثیرات کہتے ہیں لیکن جب فنا میں رہ کر تربیت مکمل ہو چکی ہے تو پھر یہی ضروریات بشری ہوش سنبھالتی ہیں اور ہوش میں رہ کر اپنا وظیفہ حیات پورا کرتی ہیں مگر جن بیچاروں نے کامل کی تربیت قبول نہ کی یا کامل نہ بلالین کے ظاہر حالات کو بدل گئے۔ لیکن نفسی کیفیات کا غلبہ جمل کا توں ہے۔ اب جتنا موقع خواہشات کے پورا کرنے کا ہے گا اتنی خواہشات نفسی پوری ہوں گی۔ کھانا۔ پینا۔ لذات۔ شہوت۔ دولت کے حصول اور اس کے استعمال اور بیکری اقسام سے جی کھول کر جھیلے گی۔ اعاذنا اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے کسی سینے میں دودل نہیں رکھے (یعنی بالبت ہوگی یا نفس پرستی) بلکہ دعویٰ کرنے والے اسکی ناشیں بے خبر ہیں جس کو خبر ہوگی (یعنی یاد رکھیے) پھر اس کی خبر آئی یعنی وہ نیستی اور لاعلمی کے میدان میں چلا گیا۔ یہ اس سے بارہ چشمے چھوٹ چکے۔ اللہ تعالیٰ فضل ہے اور قدر کو دوست رکھتا ہے۔

۴۲۔ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ط کی تعبیل بھی اپنی زبان سے فرما گئے۔ لیکن اُن میں سے چار کو اصالتہً جانتا ہوں۔ کیونکہ اُن حضوروں پر ابا رحمت نے ان چاروں سے تعارف کرایا۔

(۱) حضرت مولانا صاحبزادہ منظر قیوم صاحب

(۲) مکرمی حاجی عبدالرحمن صاحب

(۳) مشفق بنیاد سید اسماعیل شاہ صاحب

(۴) برادر م سید نور الحسن شاہ صاحب

۴۳۔ میری کیا طاقت کہ میں کسی کی حالت یا کسی کا درجہ دکھاؤں۔ لیکن تبصرہ لکھنے والا مجبور ہے کہ جو کچھ اُس کے ذہن میں آئے بلا کم و کاست احباب کے سامنے پیش کر دے۔ اس وجہ سے میں چند حرف لکھنے پر مجبور ہو گیا۔

۴۴۔ (۱) حضرت قبلہ منظر قیوم صاحب سجادہ نشین مکان شریف سے تعارف نہیں بلکہ نیاز (بمقام مکان شریف بوقعہ عرس شریف کرایا گیا۔ گو حضرت صاحبزادہ صاحب والا جاہ آپ کے اخلاص مندوں سے تھے لیکن حضرت رحمت ہمیشہ اُن کو مرشدزادہ اور سجادہ نشین کے درجہ میں دیکھتے تھے اور اس اخلاص سے پیش آتے تھے جس طرح ایک اخلاص مند مرید اپنے مرشدزادہ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ بلکہ حضرت صاحبزادہ صاحب کا اخلاص مند ہونا اور اُن حضرت قبلہ مرشد رحمۃ اللہ علیہ سے مجاز ہونا صحیح اُس وقت معلوم ہوا۔ جبکہ حضرت صاحبزادہ صاحب نے کلاہ اجازت بذات خود اپنے ہاتھ سے اپنے سر مبارک پر رکھی۔ مجھ سے بڑھ کر احباب اور اخلاص مند اُن کے حالات۔ اخلاق۔ عادات سے واقف ہیں بلکہ مجھے شرف نیاز بھی زیادہ حاصل نہیں ہوا۔ جو کچھ زیادہ غرض کروں اور کروں بھی تو گت تاجی ہے۔

۴۵۔ (۲) جناب حاجی عبدالرحمن صاحب کا تعارف محتاج بیان نہیں۔ جو بھی شرفیو شریف گیا۔ اور حضرت کے خادموں میں داخل ہوا۔ وہ حاجی صاحب کو جانتا ہے۔ عادات۔

۱۔ انسان نے اپنے گھاٹ کو پہچان لیا۔ حضرت قبلہ منظر قیوم صاحب مکان شریف کے سجادہ نشین تھے۔ نہایت بردور و بلدیت رکھتے تھے۔ قبر مبارک مکان شریف میں ہے۔ اب شرفیو کے سجادہ نشین مولانا صاحبزادہ صاحب ہیں۔ بطور ظاہر و باطنیہ کمال ہیں اور بلیغ میدان ضلع شیخوپورہ میں مقیم ہیں۔ حضرت قبلہ منظر قیوم صاحب کے خلفاء میں بہت بلند درجہ رکھتے تھے۔ انصوریہ میں مزار اُنوار ہے۔ سالانہ عرس تمام سے ہوتا ہے۔ قبر مبارک مرتجح عالمی ہے۔ حضرت قبلہ منظر قیوم صاحب کی ذات مبارک کو اللہ تعالیٰ نے بری قبولینہ عطا فرمائی تھی (وفات ۲۰ جنوری ۱۹۱۷ء) اور لاکھوں بندگان خدا نے آپ سے فیض پایا ہے۔ حضرت شاہ صاحب کے سوز و محبت نے غلبیوں کے سینوں میں ظلم پیدا کر دیا۔ ان کی صورت و شکل اور لباس سے نسبت نمایاں تھی۔

اخلاق۔ اتباع اور تقویٰ میں بے مثل ہیں لیکن درد اللہ تعالیٰ نے ان کی ذات میں اتنا بھرا ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ جب جمعرات کی سحری کو اذانیں کہتے اور درود شریف باواز بلند ماذنہ (بینا مسجد) پر کھڑے ہو کر پڑھتے۔ تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سینہ بے کینہ شوق ہو کر آواز آرہی ہے اور سونے جاگنے والے کے رونگٹے کھڑے ہوتے۔ حالانکہ عام مجلس اور صحبت میں وہ کا عوام بیدار نظر آتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ درد کو اتنا ضبط کر رکھا تھا کہ سوائے آواز کے کسی اور طرح ظاہر نہ ہونے دیتے۔ یہی درد تھا کہ جب حضرت قبلہ کے چہلم پر حاجی صاحب نے قرآن کریم پڑھا اور جب **لَوْ أَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ** کی آیت منہ سے نکالی تو دس بارہ ہزار کے مجمع میں سے کوئی ہو گا جس کے آنسو نہ پھوٹ آئے ہوں اس کے بعد **هُوَ الَّذِي كَلَّمَنَا** کہنا تھا کہ رونے کی آوازیں اٹھنے لگیں۔ اور پھر **يَوْمَ مَنُونٍ بِالْغَيْبِ** کا منہ سے نکلتا تھا کہ قیامت کی طرح گریہ وزاری کا شور اٹھا۔

۴۶۔ اب خود سوچو کہ پہلے تو مجلس میں عربی دان بہت کم تھے۔ پھر جن الفاظ پر قیامت برپا ہوئی وہ ایسے نہ تھے کہ ان کے معانی درد سے بے خبر ہوں۔ لیکن خود حاجی صاحب کا درد ایمانی تھا کہ **هَذَا الْقُرْآنَ** کی عظمت سے تھرا اٹھا۔ پھر **هُوَ الَّذِي كَلَّمَنَا** کی توجیہ نے آپ کے رگ و ریشہ میں جنبش پیدا کر دی جس نے سارے جلسہ کو ہلا دیا۔ پھر **يَوْمَ مَنُونٍ بِالْغَيْبِ** کی حقیقت ایمانی نے رہے سے صبر کو بھی چاک کر دیا۔ لیکن واہ رے ضبط! کہ حاجی صاحب کے ظاہری چہرے پر ایک ذرہ بھی تبدیلی نہ ہوئی نہ آنسو پھوٹے نہ طبیعت میں کچھ تغیر واقع ہوا۔ یہ وہ صفت ممتاز تھی جو حضرت قبلہ مرحوم سے بالخاصہ آپ کو عنایت ہوئی۔ حضرت قبلہ کا درد کہ آپ کی ذات بابرکات میں بھی ایسا درد بھرا تھا کہ جو بھی سامنے آیا۔ جس سے بھی کچھ فرمایا۔ وہی سر ڈالے آنسو گرا رہا ہے۔ لیکن خود حضور ہیں کہ پورے ضبط سے باتیں فرما رہے ہیں۔

۷۔ اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے (تو تو لے مخاطب) اس کو دیکھتا کہ وہ عاجزی میں گر جاتا اور اللہ کے خوف سے پھٹ جاتا۔ اور یہ مثالیں ہم نے لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے دیں تاکہ وہ فکیر کریں۔

۳۷۔ یہ یاد رہے کہ جب تک منکلم کے دل میں اثر نہ آئے دوسرے سے دل میں اثر ہرگز پیدا نہیں ہوتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ درد انگیز قصہ سنا کر شکستہ دل کا دامن صبر بھاڑ دیا جائے۔ لیکن ایک بے درد کو درد کے بغیر جنبش نہیں دی جاسکتی۔

۳۸۔ یہی ایک صفت تھی جس نے حاجی صاحب کو صدیقیت کے بلند درجے پر کامیاب کیا۔ اکثر جب کبھی کوئی شخص خدمت عالیہ میں حاضر ہوتا تو آپ فرماتے تھے کہ

”عبدالرحمن جو مسجد میں تھا۔ اس سے بات کر لیتے۔ جاؤ عبدالرحمن سے کچھ پوچھ لو۔“

عبدالرحمن تم کو سمجھا دے گا۔ (ملفوظ)

۳۹۔ جب سے میں حاضر ہوا۔ حضرت نے حاجی صاحب سے تعارف کرایا۔ جو کچھ آپ نے فرمانا ہوتا تھا۔ اکثر آپ کی زبانی فرمایا کرتے تھے۔ جو کچھ پوچھنا ہوتا تھا۔ اکثر ان کی معرفت دریافت کیا۔ حضرت قبلہ کی حُزُری فرماتے۔ ایک دفعہ حاجی صاحب سے حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا۔ کہ کچھ ان پر قرض تو نہیں۔ پھر دریافت کیا۔ ان کی کیا حالت ہے، حاجی صاحب نے عرض کیا کہ ”میرے ہر حالت کا“ کی کہ میں نے تو کچھ دریافت نہیں کیا۔ فرمایا ”واہ اتنا بھی نہ کیا کہ اپنا بزرگان رہنا ضروری ہے۔ آدمی آئے۔ اور اس سے ان کی خانگی اور باطنی حالت بھی نہ پوچھی جائے۔“ چنانچہ حاجی صاحب نے میرے ہمراہی میاں دوست محمد سے دریافت کر کے عرض کی۔

آپ بہت خوش ہوئے۔

۵۰۔ خاص ارادت مندوں کی تشبیح دروانگی کے لئے حاجی صاحب کی ذات بابرکات کو اتنی

تھا۔ بلکہ ایک طرح اپنے قائم مقام روانہ فرماتے۔

۵۱۔ ایک بار نقاری صاحب آئے اور رخصت لے کر روانہ ہوئے۔ میں خوف کے مارے بیٹھا رہا۔ کہ مبادا ان کے ہمراہ جانے میں گستاخی ہو۔ جیسا کہ موجودہ وقت میں بزرگوں کے موتے مصافحہ وغیرہ امور بے ادبی خیال کئے جاتے ہیں۔ لیکن ان کے دروانے سے نکلنے پر آپ نے تم

۱۔ صدیقیت: قلبی اور سچی دوستی؛ حضور سُرِدُّوَعَالَمِ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہایت گہری قلبی محبت تھی جس نے فداکاری کے درجے عطا کئے اور حضور سُرِدُّوَعَالَمِ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بے مشفقیت فرمائیں اور اس تعلق محبت و امانت نے خلافت کے پہلے درجے اور بلند ترین مسند پر بٹھایا۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی محبت اور جان نثاری کو شمال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

بھی مندرمایا۔ اور کہا "کہ ان کو آگے تک چھوڑ تو آؤ۔" (ملفوظات)

۵۲۔ قبلہ حضرت مرحوم مجتہد تھے۔ اور کورانہ تقلید کے سخت مخالف تھے بلکہ جو امر درست نظر آتا

وہی اختیار فرماتے اور کسی کی پیروی نہ فرماتے۔ ہاں اگر وہ استعجاب ہوتا۔ تو پھر سلف صالحین

۵۱۔ باساک کے نزدیک مستحب فرض کا درجہ رکھتا ہے | کے طریقہ پر اتنے راسخ تھے کہ فرضیت کا رتبہ نظر آتا۔

۵۳۔ اگر حضرت حاجی صاحب کو مرکزی خلافت گاہ میں نہ رکھا جاتا۔ تو آج ہزاروں کی تعداد

میں آپ کے خادم اور منوسل نظر آتے۔ لیکن آفتاب کے ہوتے ستاروں کی چمک کہاں بہ ستارے

کا وجود بھی نظر نہیں آتا بلکہ خود ستارہ اپنی ہستی سے شرمندہ۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت حاجی صاحب

کے وجود باوجود کو حضرت قبلہ کی حیات طیبہ میں فروغ نہ ہوا اور نہ آپ کی ذات میں کوئی کمی نہیں۔

۵۴۔ اب مجھے قوی امید بارگاہ الہی سے ہے کہ اگر کوئی خاص مانع اور حجاب پیش نہ آگیا تو

وہ دن دور نہیں کہ حاجی صاحب کی ذات بابرکات خواص اور عوام میں مغنمات سے خیال کی

جائے گی۔ اور مسدود دروازے روحانی آپ کے ایک اشارہ سے کھل کر شعاع لاہوتی سے

اکتاب فیض کریں گے۔

۵۵۔ (۳) جناب سید اسماعیل شاہ صاحب کی طبیعت نے حضرت قبلہ مرشد رحمۃ اللہ علیہ کی

ذات بابرکات سے مسکنت حاصل کی۔ اتباع تقویٰ، نیاز میں بے مثل نظر آتے ہیں اور نیاز آپ

کا خاصہ ہے۔ اس صفت میں درجہ امتیازی رکھتے ہیں۔ پیرو مرشد رحمۃ اللہ علیہ کی حیات

طیبہ میں سند خلافت کو اتنی رونق دی کہ کسی دوسرے کو یہ نصیب نہیں ہوئی۔ اور سب سے

خلیفہ وہی کامیاب ہوتا ہے جس کے مریدوں پر اس کے پیر کا اثر نظر آئے

نظر آتا ہے سب کے سب نہایت متادب۔ منکر المزاج سلسلہ بیعت میں اچھے اچھے

عالم بھی داخل ہو رہے ہیں۔

ایک اجتمارا اور تقلید

جناب سید اسماعیل شاہ صاحب

علا اجتماد : جن مسائل کا حل مشکل ہو ان میں ایک موزوں راستہ چلنا بعض اوقات علم میں اور فقر میں ایسے حالات پیش آجاتے ہیں کہ علم و فقر کے مقنا اپنی طبعی اتنا دیا کسی خیالی جھکاؤ سے ایک راہ چلتے ہیں اور ان کے پیرو اس راستے کو سب اعلیٰ جانتے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت ایسا نہیں ہوتا۔ اس صورت میں علم ہو یا فقر کوئی ایسا مرد مجتہد پیدا ہو جاتا ہے جو موزوں اور بے خطر راہ انتخاب کرتا ہے۔ فقیر میں حضرت اعلیٰ شرفیوری رحمۃ اللہ علیہ کی یہی تعریف تھی۔ (بقیہ صفحہ ۲۱۳ پر)

۵۶۔ میں ایک بار حضرت قبلہ مرشد م رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک خادم مولوی جو الحق دیوبندی فارغ التحصیل حسب الارشاد اپنے مرشد حاضر حضور ہوئے۔ حضرت قبلہ نے دریافت فرمایا تو عرض کیا۔ کہ شاہ صاحب اسماعیل شاہ صاحب سے تعلق ہے۔ آپ نے تین چار روز اپنے ہاں ان کو بٹھرایا۔ اور نہایت محبت سے رخصت فرمایا۔

۵۷۔ اکثر شاہ صاحب کے خادم آتے تو آپ مہربانی فرماتے۔ اور ان کو اپنے خادموں کی طرح جانتے شاہ عبدالغفور شاہ نوجوان لڑکے نے جب کلام اللہ شریف حفظ کر لیا۔ تو آپ نے شاہ صاحب کی خدمت میں روانہ کیا۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ حافظ مذکور کے چہرے بشرے سے وہ انوار چمکتے ہیں۔ جو ایک ہونہار طبیعت اپنے کامل پیر سے جذب کر سکتی ہے۔ ضلع فیروز پور اور گرو نواح شاہ صاحب کا اثر کے لوگ جب شرف پور شریف آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ تو حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے ”شاہ صاحب جو تھے۔ ان کے پاس چلا جانا تھا۔ ایک ہی بات ہے۔“ (ملفوظ)

۵۸۔ شاہ صاحب کی ذات با برکات نہایت خائف واقع ہوئی ہے۔ کیا مجال کہ حضرت قبلہ کی خدمت میں آنکھ بلند کر جائیں یا کوئی لفظ منہ سے نکال بیٹھیں۔ جب مرض الموت میں شاہ صاحب آئے تو دوسری صبح جب آپ دوائی پینے کے لئے اٹھے اور نظر پھیر کر جو دیکھا تو شاہ صاحب مغرب کی جانب آپ کے سر ہانے کی طرف بیٹھے تھے۔ آپ نے نہایت عجز سے توجہ فرمائی اور فرمایا۔ یہ تو ہمارے شاہ صاحب ہیں۔“ (ملفوظ)

۵۹۔ سبحان اللہ! کتنا محبوب لفظ ”ہمارے شاہ صاحب“ ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد

(بقیہ صفحہ ۲۱۲) مگر روحانیت لطافت کی بلند ترین قسم ہے۔ مادیت کی روکاؤں سے اس لطافت کی روکاؤں میں کہیں سخت ہیں موانع کی وجہ پر نظر نہیں پڑتی، لیکن بندہ صحت کا مالک اپنی توجہ سے قلبی مشکلات کو حل کر دیتا ہے۔ شعاع لاہوتی، ذات الہی کے انوار ان سینوں میں آنا شروع ہو جاتے ہیں جو سینے ابھی سخت ترین آلودگیوں سے آلودہ تھے۔

مگر فقر کی امتیازی خصوصیت یہی تین اوصاف ہیں۔ مسکنت۔ انبعاث اور تقویٰ کسی طبع میں جب یہ جو اہر موجود ہوں تو ایسا فقر شجر پر بہار ہے اور سلسلے کی رونق۔

رخصت فرمایا۔

۶۰۔ حاجی صاحب موٹر پر بٹھانے کے لئے ہمراہ گئے میں بھی ساتھ تھا۔ کہ سید نور الحسن شاہ صاحب اڈے والی مسجد میں پہنچے اور حبیبیے دو سو دس روپیہ جو شاہ صاحب نے نذرانہ پیش کیا۔ واپس دیا۔ اور کہا کہ حضرت فرماتے ہیں کہ سنا ہے کہ "شاہ صاحب نے مسجد بنوانی ہے سو یہ رقم مسجد پر خرچ کر دیں" (ملفوظ)

حضرت قبیلہ کا استغنائے کامل
والی بلے نیاز ہوتا ہے۔

۶۱۔ شاہ صاحب کا اخلاص یہ تھا کہ جو کچھ لنگر سے بچتا تھا حضور کے لنگر میں داخل کر دیتے تھے گا ہے اپنی حاضری پر اور گا ہے اپنے خواص کے ذریعے نوٹ لے کر ایک لفافہ میں بند کر دیتے اور دو تین سو سے زائد رقم پیش کرتے۔ اپنے لنگر میں پوری قناعت اختیار کر رکھی تھی۔ اور اخراجات نہایت ہی معمولی بنا رکھے تھے۔ آخری سفر مکان شریف کے مصارف آپ کے نذرانے ہی سے پورے ہوئے جو ایک مخلص کے ذریعے شاہ صاحب نے مبلغ تین سو روپیہ خدمتِ عالیہ میں پہنچایا۔

شاہ صاحب کا اخلاص

۶۲۔ ابھی ان کی ذات سے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔ فقر جوانی میں اس وقت آتا ہے جب فقیر اپنی عمر کے آخری مراحل میں ہو۔ ابھی انشاء اللہ بہت میدان وسیع ہے اور بہت کچھ امید ہے۔ وقت آئے گا کہ دنیا کے گی کہ یہ فلاں قبیلہ رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْهِ۔

فقیر پیری میں جوان ہوتا ہے

۶۳۔ جناب سید نور الحسن شاہ صاحب کی بابت کچھ لکھنا بے معنی ہے۔ اکثر دوست ان سے زیادہ تعارف رکھتے ہیں۔ اور مجھ سے زیادہ ان سے واقفیت حضرت شاہ صاحب کو ماہر الاقبیاز جو خاصہ حضرت سے عنایت ہوا۔ وہ "سوز" ہے آپ کی طبیعت عاشقانہ پیرمشد کے تعلقات بعض ہے۔ ان کے اور حضرت قبیلہ کے راز و نیاز محبوبانہ تھے۔ پیری مریدی مرید مراد ہوتے ہیں۔ کا تعلق نہ تھا۔ گاہ ان سے ناراض معلوم ہوتے اور گاہ ان پر فدا

جناب سید نور الحسن شاہ صاحب

مل لنگر: بزرگانِ دین کا جہان ناز جب اللہ کریم نور قدیم کے چشمے جاری فرماتے ہیں تو نور و زور یک سے مخلوق سیرانی کے لئے حاضر ہوتی ہے۔ اور بزرگ کی طبع کے مطابق ہر ایک کی ہمان نوازی ہوتی ہے اگرچہ لنگر کا نام دار و مدار اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر ہوتا ہے اور پریشید امداد الہی پر تاہم تحفہ تعارف نذر نیاز کا سلسلہ بھی جاری ہوتا ہے۔ خدمتِ شیخ فریاد مرشد سے نہیں، کامل مرشد ہی ہے جو نیاز ہوا و مستغنی لیکن خدمت کے بغیر مرید کی ادیت کو چوٹ نہیں لگتی اور جب تک ادیت نکستہ نہ ہو و حانیت کا داخلہ شکل ہوتا ہے۔ تو بجا بچا کے نہ رکھ اسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ ملے جب تک بکھی گئی حضرت شاہ صاحب قبلہ جان تھے۔ یہ ایک فقیر کی پیشگونی ہے کہ فقر بچا ہے میں جوان ہوتا ہے۔ کہ شکستہ ہونے سے زہر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

حضرت شاہ صاحب کی عمر اس وقت ۸۰ سال کے قریب ہے اور فیض سانی اتنی عام ہے کہ نثر و فیض کے طالب و دروازے اگر کبھی نہیں کھتے ہیں تاہم شادہ دل جو محبت کا امانت دار ہے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے زمانے میں جو محبت راستے کی شرط ہے۔ محبت سالک کے شاہ پر بن جاتی ہے۔

جتنا اخلاط حضرت شاہ صاحب سے آپ کو تھا۔ اتنا کسی اور سے نہ تھا۔ اس والہانہ طبیعت نے آپ کو ایسا بے اختیار کر رکھا تھا کہ بعض وقت خلایق ارشاد دامنِ محبت نہ چھوڑتے۔ کئی بار آپ نے شاہ صاحب کو اپنے گھر رہنے کا ارشاد فرمایا۔ کئی بار فرمایا کہ اپنی حیاتی میں تمہارا ثمر دیکھوں گا۔ گاہ شاہ صاحب کو محبت سے رخصت کیا۔ اور گاہ خضکی سے۔ مگر ہفتہ گزرنے نہ پاتا۔ کہ شاہ صاحب آدھکتے پہلے تو حضرت قبلہ روحی فداہ دیکھ کر ناراض ہوتے۔ لیکن بعد میں ان کی جبلی طبیعت پر نظر فرماتے ہوئے مرید و پیر شیر و شکر ہو بیٹھتے۔ شاہ صاحب کی طبیعت نہایت شاہ صاحب کی طبیعت | مستعد تھی اور بے دھڑک۔ باوجودیکہ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ پر فریفتہ تھے۔ لیکن پھر بھی بے خوف۔ بے دھڑک، آپ سے بات چیت کر لیتے تھے۔ اگرچہ سزا و ارشاد پر بھی کبھی پاؤں نہ جاتے تھے۔ تاہم علاقہ کے لوگ انہیں نہایت پسندیدہ حصال خیال کرتے تھے۔ اور گرد و نواح کے لوگ ان کے زیر اثر نظر آتے۔ کئی آدمی ان کے تعلق رکھنے والے دیکھے۔ شکر ہے کہ ان پر شاہ صاحب کا اثر نمایاں نظر آیا۔ اور ان لوگوں کو شاہ صاحب سے پوری عقیدت ہے جیسا کہ لکھا گیا۔ وقت آ گیا سوز کسی ساز پیدا کرے گا۔ اور ایک دن آئے گا کہ پیر و مرشد علیہ الرحمۃ کے یہ فرزند ارجمند سوت کھلائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو عمر دراز بخشنے اور ہمارے لئے ان کو باعثِ سعادت دارین فرمائے آمین ثم آمین »

۶۴۔ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کوئی ایسی طبیعت نہ رکھتے تھے کہ کسی کو بھی آپ کے متوسلین سے آپ کی نسبتِ خاصہ کا اہل سمجھا جائے۔ اور ایسی پاک رُو حیں دُنیا میں بہت کم ہوتی ہیں کہ جن کی ذات میں فطرتی استعداد نہایت بلند ہو۔ جسے عام لوگ مادرِ زاد ولی اللہ کہتے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہوتے ہیں کہ عالم طفولیت سے ان کے آثار اور حالات الگ ہوتے ہیں۔ اور بچپن سے طبیعت کی اُفتاد منازلِ عشق میں واقع ہوتی ہے اور پیر و مرشد کے تعلق سے پیشتر ہی یہ لوگ ذاتی و سہلہ باری مغماسمہ کے ساتھ رکھتے ہوتے ہیں۔ دیگر لوگ جو بعد سلوک اپنے میں پاتے ہیں۔ یہ لوگ اُس

عل وقت آیا اور سوز سے ساز پیدائے۔ شاہ صاحب قبلہ نے وہ مزید پایا جو حضرت میان صاحب کی خصوصی نسبت کے لائق تھا۔ صاحب جذبِ کامل صاحب سلوک اتم تھے اور تاثیرِ نسبتوں نے کرامات کے باب کھول رکھے تھے رحمۃ اللہ علیہ۔

علک دنیا میں نشا نہیں موجود ہے اور اخلاط بھی اور کی پیشی بھی اور یہی چیز اس جہان کا حسن ہے۔ اور حکمتِ الہی کا نمونہ اور ہر فن میں یہ فرق مراتب موجود ہے۔ سلوک الی اللہ جو مقصدِ اعلیٰ ہے انسانیت کا اس کے لئے بھی بعض لوگ فطرتاً تیار ہوتے ہیں اور ان کے احوال ان کی عظمت کا پتہ دیتے ہیں اور عبادت و اطاعت میں وہ اوائل عمر ہی سے کمر بستہ ہوتے ہیں۔ اخلاقی و عادات میں وہ تربیت یافتہ لوگوں کو نیچے چھوڑ جاتے ہیں۔

سے کئی گنا بڑھ کر سلوک سے پیشتر دیکھ چکے ہونے ہیں۔ بلکہ آتشِ عشق کو صرف پیر و مرشد ایک خاص ڈھنگ اور خاص طریقہ پر کم کرنے اور بڑھانے میں اپنی تربیت کو صرف کرتا ہے اور بس۔ خود تجلی۔ وارستگی اور تموج دینے کی پیر کو بالکل ضرورت نہیں ہوتی۔ بلکہ بعض وقت ایسی پاک طبیعتوں کی وارستگی کم کرتا ہے۔ ان کی آتشِ عشق پر آبِ محبت کے چھینٹے دیتا ہے اور اسے مدہم کرتا ہے۔ بخلاف عام طبائع کے کہ ان میں پیر و مرشد اپنی قدسی انفاس کی برکت سے آگ لگانا ہے۔ تاکہ منزل سلوک کے لئے طالب تیار ہو سکے اور مجاہدہ و ریاضت کی کھٹن اور مشکل گھاٹی پر آسانی چھڑھ سکے۔

۶۵۔ پورا اکتسابِ روحانی اسی وقت ہوگا جب دونوں طبیعتیں (پیر و مرشد) استعداد میں برابر ہوں۔ ورنہ مرید اپنی طبیعت کے مطابق فیضان جمع کرے گا اور بس۔ آئینہ خواہ کتنا بھی چوڑا اور صاف ہاتھ میں لے کر شعاعِ شمسی کا اکتساب کیا جائے لیکن معمولی انعکاس ہی حاصل ہوگا۔ انعکاس کامل آج تک کسی نے بھی آفتاب سے پیدا نہ کیا۔ کیوں؟ صرف اسی وجہ سے کہ اس میں بلحاظ مادہ بلحاظ قد و قامت اور بلحاظ صفائی اتنا فرق ہے کہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔

۶۶۔ سو جہاں تک مجھے خیال ہے۔ کوئی ایسی طبیعت آپ کے سامنے ہوئی ہی نہیں جو پورا اکتسابِ فیض پورے طور پر کر سکتی۔ ہاں اپنی اپنی طبیعتوں کے مطابق ہر ایک نے کچھ نہ کچھ حاصل کر لیا۔ اللہ تعالیٰ غراسمہ کا ارشاد ہے: **وَفِي الْأَرْضِ قِطْعٌ مِّنْجَاوِرَةٍ وَجَنَّاتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَزُرْعٌ مِّنْ تَخْيِيلٍ صِنَوَاتٍ وَغَيْرُ صِنَوَاتٍ يُسْقَىٰ بِمَاءٍ وَاحِدٍ وَنُفِضَلُ بَعْضُهَا عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الْأَكْمَالِ** سو حضرت بابرکت کی ذات بابرکات تو ایک تھی لیکن اپنی اپنی طبیعت نے اپنا رنگ و جود باوجود سے حاصل کیا کسی نے مسکنت حاصل کی۔ کسی نے درداور کسی نے جنون۔

قسمت کیا ہر شخص کو قسم ازل نے جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا بلبل کو دیا نالہ تو پروانے کو جلدنا

۱۔ کامل پیر کی ذات میں انوار الہی کا نور اور نسبت ذاتِ باری کا ذرا اور ذرا محبوب کی گرمی اور محبت کاملہ کی تڑپ موجود ہوتی ہے اور یہی تاثیرات مریدِ مخلص کا کام کرتی رہتی ہیں اور اسے منزلِ غم و پرلے جاتی ہیں۔
۲۔ زمین میں قریب قریب کئی ٹھوٹے ہوتے ہیں۔ اور انھوں کے باغ اور کھجور کے درخت دو شٹافے ہوتے ہیں۔ اور دو شٹافے نہیں بھی ہوتے۔ ان کو ایک ہی پانی ملتا ہے۔ لیکن ہم بعض پھلوں کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں۔

۶۷۔ ہمیشہ میری یہی عرض رہی کہ درد نصیب ہو۔ اور اکثر تمنا یہی رہی کہ کاش کبھی میرے ہونٹوں سے یہ آواز جنبش کھاتی ہوئی نکلتی ہے

کفر کا سر راوین ویندار را ذرہ دروے دل عطار را
لیکن قسمت میں کچھ اور لکھا تھا۔ تاہم شکر ہے کہ حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کی التجا کی جھلک کا اثر اس ذرہ بے مقدار پر ہو کر ہی رہا اور یہ سب کچھ حضرت قبلہ روحی فداہ کی عنایت خاصہ کی وجہ سے ہوا۔ ورنہ من آہم کہ من داہم۔

۶۸۔ اللہ اللہ! آپ فرمایا کرتے تھے کہ ”پہلے جنون ظاہر تھا۔ اب وہ جنون اندر چلا گیا“ (ملفوظ) یہ جنون کچھ کم درجہ کا نہیں۔ یہ وہ جنون ہے کہ حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ اس کے طالب بارگاہِ صمدیت سے بایں الفاظ ہوئے تھے

نخواہم ذوقِ رندی نے ہوائے پاکدانی مراد یوانہ خود کن بہ رنگے کہ می خواہی
۶۹۔ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا وجود ہزار ہا خوبوں کا مجموعہ تھا۔ اپنی اپنی طبیعت کے مطابق جو کچھ کسی نے فائدہ اٹھایا۔ وہی اس کے لئے باعثِ عزتِ دارین ہے۔ اور وہی باعثِ افتخار۔ ہر ایک صفت۔ ہر ایک عادت ایک ممتاز درجہ رکھتی تھی۔ انشاء اللہ تعالیٰ حصہ سوم میں اسے بیان کیا جائے گا۔ اور آپ دیکھ لیں گے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کیا تھے۔ اگر کسی کا شکر کو مناسب اور موزون زمین میسر نہ آئے۔ تو اس کا کیا قصور ہے

نصیب من چو خرابات کردہ است الہ ازین میا نہ بگوزاہد امر اچہ گناہ
۷۰۔ (الف) تاہم یہ کمالِ قابلیت ہے کہ اپنے زیرِ تصرف کسی قطعہ کو خالی نہ چھوڑے اور حسبِ طبیعت اور خواص کچھ نہ کچھ کاشت کر چھوڑے۔ اگرچہ وہ تمام مملوکہ میں پھول پھل نہ سجاسکے۔
۷۱۔ اس کے بعد ایک تفصیلی انقلاب دکھلاتا ہوں تاکہ اجمال میں جب تفصیل نہ آئے حقیقت چہرہ کشا نہیں ہوتی۔ اور چونکہ کسی دوسرے کی حقیقت دیکھنا اپنی نادانی ثابت کرنی ہوتی ہے

۷۱۔ حضرت نظام الدین محبوب الہی دہلوی حضرت بابا شیخ فرید رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔ آپ کا مزار مبارک دہلی میں ہے۔

۷۲۔ کفر، کافر کو چاہیے اور اسلام مسلمان کو چاہیے۔ لیکن عطار (شیخ فرید الدین عطار) کو دردِ دل (عشق) کا ایک ذرہ درکار ہے۔

۷۳۔ نہ ہی مجھے زند بننے کا ذوق ہے اور نہ ہی پارسائی کا شوق ہے۔ مجھے تو تو اپنا دیوانہ ہی بنا دے جس طریقے سے تو چاہے اے محبوب!

۷۴۔ جب اللہ تعالیٰ نے میرا نصیب ہی سے کہہ بنایا ہے تو اسے ذرا بہ تو بتا کہ اس میں میرا کیا قصور ہے۔

حضرت قبلہ کا وجود ہزار ہا خوبوں کا مجموعہ تھا

کمالِ قابلیت

تفصیلی انقلاب کا نقشہ

اس لئے اپنی حقیقت دکھانی عین حقیقت کہلائے گی۔ کیونکہ (لَیْسَ الْخَبْرُ كَالْمَعَانَةِ) شہیدہ کے بودمانہ دیدہ۔

۷۲۔ میری فطرت نہایت آزاد، انوکھی، بے چین، حسن پسند واقع ہوئی تھی۔ میرے دل میں ہر وقت خواہشات اور تمناؤں کا تلاطم رہتا تھا۔ اسی تلاطم نے مجھے گھر سے باہر بارہ سال بن باس دیا۔ گاہ مجھے لاہور، دہلی کی پروفیسری کا خیال ستاتا تھا اور گاہ مجھے آکسفورڈ یونیورسٹی کے شعبہ مشرقیہ کی طالب علمانہ جدوجہد تکلیف دہ ہوتی تھی جب کبھی خوبصورتی میری نگاہ میں آتی تھی۔ تو گھنٹوں اسی خیال میں محو تماشہ رہتا۔ اور جب کبھی تعلیم معاش میں آکر اس سے محروم رہتا۔ رات بھر آنکھ اس تجلی حسن کے لئے بیتاب رہتی۔ اس پر سکولوں اور کالجوں کی معاشرت اور تمدن نے اسے کئی گنا زیادہ تقویت دے دی۔ فلسفہ اور منطق نے ان خیالات کو اور بھٹوس کر دیا۔ ہر چیز پر فلسفی نظر تھی۔ صرف بیوی کی تلاش میں سات آٹھ سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا۔ کیونکہ حسن کا خیالی تصور مجھے کسی جگہ بیٹھنے نہ دیتا تھا۔ اور نامہ نام حسن کی شکایت ہمیشہ دل آنکھوں سے کرنا تھا۔ اور آنکھیں اپنی تلاش میں ہمیشہ ناصبور رہتی تھیں۔ حسن کو میرے دل سے ازلی مناسبت تھی۔ لباس خوبصورت۔ مکان خوبصورت۔ جانور خوبصورت۔ درخت خوبصورت۔ غرض خوبصورت اور انوکھی چیز پر ہمیشہ آنکھ جا بیٹھتی تھی۔ بازاروں سے گذرتے ہوئے نگاہ انتخاب اسی چیز پر جا جمتی تھی۔ جو اپنے حسن میں بے مثل ہوتی۔

انوکھی طبیعت ہی انوکھے انتخاب کرتی ہے

۷۳۔ اسی طبیعت حسن نواز کا نتیجہ تھا کہ سالوں مرشد طلبی کا داعیہ سینے میں دبائے پھرتا۔ لیکن آنکھ کسی پر نہ گرتی تھی۔ بزرگ ہزاروں تھے۔ اولیاء سینکڑوں تھے۔ لیکن چوٹی کے بزرگ اور اولیاء اللہ کے لئے دل بیتاب تھا اور کسی دوسرے کا دامن خیالی عقیدہ سے اختیار کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔

آزاد طبیعت عقیدہ و طور پر کسی کا دامن نہیں بیڑتی۔

- ۱۔ اطلاع میں اور مشاہدہ میں فرق ہوتا ہے۔
- ۲۔ یہاں مراد مسافرت کی زندگی ہے حضرت قبلہ عالم اپنی ابتدائے جوانی میں حصول تعلیم کے لئے دلی اور لاہور رہے۔ اور مشرقی علوم کے امتحانات پاس کئے اور انگریزی پڑھی۔
- ۳۔ حضور کا خیال تھا کہ مشرقی علوم کا کوئی حکومتی وظیفہ لے کر آکسفورڈ یونیورسٹی میں پی۔ ایچ ڈی کریں گے۔
- ۴۔ جتنی طبع بلند ہوگی اتنی ہمت بھی بلند ہوگی اور پھر انتخاب بھی اتنا ہی کامل و مکمل ہوگا۔

۴۴۔ جہاں میری اس طبیعت نے ہزاروں دکھ دیے۔ مجھے ہر گھڑی بے چین رکھا۔ وہاں اسی طبیعت کی عنایت کا میں شکر گزار ہوں کیونکہ اگر ایسی نہ ہوتی تو اس شاہِ مراو کے ہاتھ میں ہاتھ نہ آتا۔ اور اپنے دیگر دوستوں کی طرح میں بھی خیالی بُت تراستی کر کے اس میں اوصافی رنگ سنے سناے بھرنارہتا۔ جس کا حشر وہی ہوتا جو ایک بُت تراش اور بُت پرست کا ہوا کرتا ہے۔ لیکن شکر و شکر کہ جس قدر طبیعت بلند تھی۔ اسی قدر بلند رتبہ مُرشد عالی درجہ بھی ہاتھ آیا۔

۴۵۔ (الف) مردہ اور افسردہ طبیعت کو بآرام کرنا اور نام کرنا کوئی بڑی بات نہیں جو پہلے مردہ ہے اس کا کشتہ بنا کر کیا قیمت رکھتا ہے ماں جو ہر دار کے جوہر توڑنے کوئی معنے رکھتا ہے سو پہلے اور اراق ہذا کا نام اسی وجہ سے انقلاب الحقیقت رکھا کہ میری طبیعت جیسی اکھر طبیعت اپنے ذاتی اوصاف بدل کر بآرام ہو بیٹھی۔ نہ اب وہ تلامذہ تھا ہے۔ نہ وہ بے چینی دل۔ نہ وہ ناصبوں آنکھ رہی اور نہ وہ حسن جو طبیعت گھنٹوں نہیں پروں گذر جاتے ہیں۔ لیکن کسی سے واسطہ نہیں احباب کو شکایت ہے۔

تقدیر ہی عنایت کرتی ہے

انقلاب الحقیقت کا نام انقلاب کیوں رکھا گیا

۴۵۔ (ب) کہ بد اخلاق ہو گیا۔ لیکن بخدا میں جانتا ہوں کہ بد اخلاق نہیں ہوا بلکہ بے پرواہ ہو گیا اور لغویات سے دل سرد ہو گیا۔ بد اخلاق کی زبان چپ نہیں ہوا کرتی۔ دل اطمینان سے نہیں بیٹھتا۔ اگر یہی بد اخلاقی میرے احباب کو ناپسند ہے۔ تو الہ العالمین مجھے یہ بد اخلاقی اور زیادہ عنایت فرمائے۔ مجھے با اخلاق ہونے سے کیا واسطہ؟ بد اخلاق ہو کر اس کا جنون حاصل ہو جائے تو مجھے اور کیا چاہئے آہ

کامل کی صحبت اخلاق۔ عادات غرض سب کچھ تبدیل کر دیتی ہے

۴۶۔ کافر عظیم مسلمان مراد کار نیست
ہر رنگ من تار گشتہ حاجت ز تار نیست
میں تو ہاتھ اٹھا کر بارگاہِ ایزدی سے التجا کرتا ہوں
مراد پوانہ خود کن ہر رنگے کہ مے خواہی

۴۷۔ اس سے مراد حضرت اعلیٰ شرفیہؑ ہے۔ جب طبیعت کسی حادثہ کا شکار ہو جاتی ہے تو اسے باقی زندگی کی دلچسپیوں سے دلچسپی نہیں رہتی۔ اور وہ حادثہ طبیعت کو یکسو کر دیتا ہے۔ اگر کسی طبیعت میں ذاتی جوہر چمک اٹھیں اور اس کے مشاہدہ باطن کی آنکھ کھل جائے تو یہ یکسوئی ظاہری مادی یکسوئی سے کہیں زیادہ ہوگی۔ کیونکہ وہ عارضی اور یہ دائمی، وہ وقتی ہوگی اور یہ مستقل، وہ بے قصد ہوگی اور حسرت سے بھر پورا اور یہ مقصود کا دامن ہاتھ میں لئے ہوگی اور مستعد کار ہے۔ میں تو محبت کا کافر ہوں (جس مسلمان میں محبت نہ ہو) وہ مسلمان مجھے نہیں چاہیے۔ اگر کفر کو جنوں کی ضرورت ہے تو اس محبت کے کفر میں میری ہر رنگ چٹو کی تار بن گئی ہے اس لئے مجھے کسی تار کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے اپنا دیوانہ بنالے جس طرح تو چاہے۔

۶۶۔ اگرچہ تمام مزاجی اور فطرتی تدریجی تبدیلی بیان نہیں ہو سکتی اور نہ اس کی چنداں اس موقع پر ضرورت تھی۔ لیکن کتاب ہذا سے مقصود صرف پیر و مرشد علیہ الرحمۃ کے رشد و ارشاد کا دکھانا مقصود نہیں بلکہ اُس کے ذریعے طالب کی حالت کا نقشہ دکھانا بھی مد نظر ہے وہ اصل ہے اور یہ فرخ۔

۶۷۔ تصوف کی کتابوں سے مجھے وہی کتابیں پسند آئیں جو اس قسم کے مضامین سے لبریز ہیں۔ جن میں طالب اپنی زبانی اپنے منازل سلوک کے چشم دید کیفیات دکھائے اور سنائے تاکہ آئندہ نسلوں کے لئے وہ مشعل ہدایت اور چراغِ راہ ثابت ہوں۔ ایسی کتابوں سے میں نے خود بہت فائدہ اٹھایا۔ اپنی کیفیات اور وجدانیات کا دوسرے کی کیفیات اور وجدانیات سے موازنہ کرنے سے صحت و تنظیم کا پتہ چلتا رہتا ہے کہ آیا میری رفتار صحیح منزل مقصود کی طرف ہے یا راستہ میں کج رفتاری واقع ہو گئی۔

۶۸۔ سو میں اپنے دوستوں کو مشورۃً عرض کرتا ہوں کہ ایسی کتابوں کا مطالعہ از بس ضروری ہے۔ جس سے اپنی طبیعت کا موازنہ کیا جاسکے۔ اس عرض کے لئے چند صفحے مجبوراً میں بھی لکھتا ہوں۔ ورنہ ذاتی تعلق سے واسلہ نہیں۔ اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّهِ وَنَفْسِيْ رَايْتِيْ شَرِّ نَفْسَانِيْ مِنْ شَرِّ نَفْسَانِيْ (پناہ مانگتا ہوں)۔

۶۹ (الف) سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ نفس^ط انسانی میں اللہ تعالیٰ نے وہ خاصہ عنایت فرمایا۔ کہ کائنات کی کسی دوسری چیز کو یہ دولت نصیب نہیں ہوئی۔ اس کو جس چیز یا جس امر کے ساتھ پیوستہ کیا جائے۔ اُس کے خواص قبول کرنے لگتا ہے۔ جانوروں کے ساتھ اُسے جوت دو۔ تو پورا جانور ہو بیٹھتا ہے۔ اور تمام حرکات و سکنات مویشیانہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر مویشیوں کو چھوڑ کر پرندوں سے اسے پیوستہ کر دیا جائے۔ تو اس کی طیرانی عقل بھی پرندوں کی طرح ہونے لگتی ہے۔ اگر شیطان کے نزعہ میں آجائے

۱۔ میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں اپنے نفس کی شرارتوں سے۔

۲۔ انسان میں کائنات کی تمام قوتیں بھری ہیں۔ یہ اپنی متضاد کیفیات اور مختلف مواد کی وجہ سے تمام مخلوق سے ممتاز ہے۔ اور اسی جامعیت صفات نے اسے خلافت کے مقام پر بٹھایا۔ جس قوت کی تربیت ہو جائے گی وہی آگے بڑھے گی اور اس میں فطری کمال والوں سے بازی لے جائیگی۔

۱۔

۲۔

تو اس کا چہرہ اور وہی ہو ہو دیکھائی دیتا ہے۔ لیکن گاہے اگر فرشتوں کی صف میں جائے۔ تو
(۹) ب) فرشتوں سے اسے امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ بلکہ فرشتوں سے بڑھ کر چار قدم آگے مارتا
ہے۔ یہی صفت ممتاز اس کو اشرف المخلوقات کے درجہ پر لے گئی۔ ورنہ گوشت و پوست عقل و فراست
تمام زندہ ہستیوں میں برابر ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کسی ایک نوع کو کوئی ایک خاص عقل ہوتی ہے
دوسری نہیں۔ لیکن یہاں بھی تو انسانی افراد کا حال یہ ہے کہ بعض افراد کی کُلّی عقل بعض کے بالکل
مخالف ہوتی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کی عقل کو جس عقل سے مشابہ بنانا چاہیں۔ بنا سکتے ہیں بخلاف
دیگر ذی حیات کے۔ فرشتے گو فرشتے ہیں لیکن شیطانی مجلس میں بیٹھ کر بھی فرشتے ہی رہیں گے۔ اور
شیطانی اثر قبول کرنے سے آزاد۔

انسان کو اشرف المخلوقات کرنے والی صفت کیا ہے؟

۸۰۔ پھر جس صحبت میں انسانی نفس کو تربیت دی جائے۔ اس میں وہ کمال اُسے نظر آتے ہیں اور دوسرے
لوگوں کو دکھاتا ہے۔ جس سے وہ خود منکر تھا۔ اور جسے وہ بعید از عقل خیال کرتا تھا۔ ایک دیہاتی انسان
جب کسی دریا کے کنارے پل کو ایک نظر سے دیکھتا ہے۔ تو اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہے۔ اور
کیونکر تیار ہوا۔ لیکن جب اسے کسی انجینئرنگ فیکٹری (کارخانہ) میں چند سال لگا دیا جائے تو پھر
اُسے یہ کام نہایت آسان معلوم ہونے لگتا ہے اور پہلے یہ کام اُسے نہایت مشکل نظر آتے تھے۔ جن
میں وہ پہلے مشاق نہ تھا۔ مگر ایک مدت کے بعد وہ اُس آہنی پل سے گذرتے ہوئے سینکڑوں
غلطیاں پل کے کاریگر (انجینئر) کی پکڑتے ہوئے نکلتا ہے۔

کسی چیز کی حقیقت اس کے اندر داخل ہونے سے ملتی ہے۔

۸۱۔ بناءً علیہ جس انسان کو صوفیائے کرام کی صحبت حاصل نہیں ہوئی وہ ان کے تمام کارناموں کو
افسانہ جانتا ہے۔ اور تمام بزرگوں کو بڑی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اور دھوکہ باز جانتا ہے لیکن اگر وہی
شخص چند دن ان کی صحبت میں رہ کر پھر گلہ آغازی کرے تو اس کا یہ گلہ کچھ نہ کچھ حقیقت رکھے گا۔
لیکن آج تک میں نے جتنے دیکھے یا سنے وہی بزرگان تصوف پر پھبتیاں اڑاتے ہیں۔ جو خود کبھی اس
طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ اور نہ انہوں نے کبھی اس حقیقت کے سراغ لگانے کے لئے اپنی جدوجہد

فقر کے اندر اپنے پہلے اعتراض کو غلطی ہے

۱۔ ولایت نبرد کی صمیم جانشینی ہے۔ اوصاف ملتے جلتے ہیں۔ کمالات ملتے جلتے ہیں۔ تاثیرات میں کیسایت ہے اور
اس چیز کا ثبوت قرآن کے لفظ لفظ میں ہے۔ لیکن افسوس کہ بعض ظاہر پرست لوگوں نے اس حقیقت عظمیٰ کا انکار کر دیا
اور نہایت بار دوا میں کہیں۔ لیکن مگر یہ تصوف میں سے بعض ایسے بھی ہوئے کہ وہ اولیاء اللہ کے قریب آئے جب انہوں نے
انسانیت کی اس خرافت عظمیٰ کا قریب سے مطالعہ کیا تو نہ صرف قائل ہوئے بلکہ طریقہ اور سلسلے میں داخل ہو کر انوار ولایت
سے مشرف ہوئے۔ اگرچہ ولی نبی نہیں ہوا لیکن نبی کے بعد ولی کا درجہ ہے اور ولی اللہ ہی کا ایک درجہ ہے جو قرآنی مطلق میں متیقہ کہلاتا ہے

کی جتنی کہ دُور سے ایسے بزرگوں کو دیکھنا بھی حرام جانتے ہیں پھر حیرت ہے کہ ایسے لوگوں کے کہنے میں بعض ایسے نفوس بھی دھوکا کھا جاتے ہیں جو اپنے آپ کو فلاسفر، حقیقت شناس اور محقق کہلاتے ہیں۔ خود میں نے جب تک یہ راستہ نہ لیا تھا۔ کتب تصوف (مثلاً مفتوی مولانا کے روم علیہ الرحمہ) کا مطالعہ کرتے ہوئے گھبراتا تھا۔ کہ مولانا کیا فرماتے ہیں۔

۸۲۔ کلام الہی نے نفسی تعلقات کو نہایت اہم وقعت دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَأَصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ۔ اگر نفسی تعلقات کسی سے قائم نہ ہوں تو صحبت کا کوئی معتد بہ فائدہ نہیں ہوتا۔ طوطی اور کوسے کو ایک پھرے میں ڈالنے سے کوئی خاطر خواہ نتیجہ پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان دونوں کے نفسی تعلقات میں سخت تغاثر ہے۔ صحبت اسی وقت بار آور ہوگی جب نفسی تعلقات کا پیوند اندرونی قائم ہو۔ ورنہ بے فائدہ جس متعلم کے تعلقات نفسی معلم کے ساتھ پیوستہ نہ ہوں وہ کبھی بھی اپنی تعلیم میں کامیاب نہ ہوگا۔ اس نفسی تعلقات کی بابت مجدد طریفہ (حضرت شیخ احمد سرمندی رحمہ اللہ علیہ) نے فرمایا کہ محبت دریں راہ شرط است۔

۸۳۔ اس "تعلقات" کے بعد نفسی تغیرات کا پیدا ہونا ناممکن ہے۔ کبھی مرد بھی اپنے آپ کو عورت خیال کر سکتا ہے لیکن جب مجنوں کے تعلقات نفسی لیلے کے ساتھ نہایت مضبوط ہو گئے تو وہ اپنے آپ کو لیلے جاننے لگا۔ اگر اسی طرح ایک انسان بارگاہ ایزدی سے تعلق پختہ کر لے۔ اور وہ اس درجہ راسخ ہو جائے کہ اس کے بغیر کچھ نظر نہ آئے اور وہ اپنی ذات کو بھی سُبْحَانِي مَا اعْظَمُ شَانِي کا خطاب دے بیٹھے۔ تو کیوں برا منایا جائے۔ ہاں! اگر اس تعلق سے منقطع ہونے کے بعد بھی ایسا کہے گا۔ تو مرد و دہے شیطان ہے کیونکہ پہلی صورت میں اس کے جذباتی قوی بالکل بہ فنا ہو کر ہر امر ذات باری عز اسمہ سے متاثر ہو کر بعینہ وہی کچھ کہتے ہیں۔ جو منشا آل ذاتِ بابرکات کا ہے۔ بخلاف دوسری صورت کے کہ اس وقت وہ اپنی حالت میں بہت

عل آپان لوگوں کے ساتھ مل بیٹھیں جو صبح و شام اپنے پروردگار کو لپکارتے ہیں۔ علامت سچے لوگوں کے ساتھ ہوجاؤ۔ ملا محبت اس راستے میں شرط واہ ہے۔
 ملا سبْحَانِي مَا اعْظَمُ شَانِي (میں پاک ہوں اور میری کتنی بڑی شان ہے) بندگوں کے سر کی حالت کے بعض کلمات ایسے ہیں۔ دراصل انسانی نفس نہایت ہی بلند تار رکھتا ہے اور اس کا خیال اس کی روح جب اپنی حقیقت کی طرف متحرک کے ذکر کے انوار سے منور ہو جائے تو حقیقت الحقائق کا نور اس میں سما جاتا ہے اور پھر اس کا بولنا اس کا سننا اس کا دیکھنا وغیرہ اس کا نہیں ہوتا حقیقت کبریٰ کا ظہور ہوتا ہے۔

ہے۔ اور اُس کے قومی انسانی برابر قائم ہیں۔ ایسی صورت میں جو کچھ وہ بولے گا۔ اپنے قومی سے بولے گا۔

۸۴۔ تغیر نفسی کوئی معمولی تغیر نہیں بلکہ یہ تغیر نفسی، نفسی کائنات کا بنیاد اور اس کے ماحول کا تغیر کلیہ ہے۔ اور یہ قانون کلیہ ہے۔ ارشاد ہے۔ **إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ**۔ تغیر نفسی درحقیقت تمام کائنات کا تغیر ہے۔ گویا یہ تغیرات کا محور ہے اس کے بغیر کوئی تغیر دنیا و مافیہا میں نہیں ہو سکتا۔ آج تمام دنیا اصلاح اور ترقی کی رٹ لگا رہی ہے۔ لیکن اصلاح اور ترقی تو تبھی ممکن ہے جبکہ نفسی اصلاح اور نفسی ترقی کا پہلے تدارک کیا جائے۔ اصلاح رسوم سے پہلے اصلاح نفوس کے لئے جدوجہد چاہئے۔ لیکن آہ آج قوم اس حقیقت سے بالکل نا آشنا ہے۔ سو جو بھی قدم اٹھاتا ہے غلطیوں سے پڑاٹھتا ہے۔ بلکہ ایک دو قدم منزل مقصود کی طرف بھی نہیں اٹھتے کہ اٹھانے والا وھرام سے گر پڑتا ہے۔ کیونکہ اندرونی (نفسی) بنیاد کھوکھلی ہوتی ہے۔ ذرا سا بوجھ آنے سے تمام عمارت بیٹھ جاتی ہے۔

۸۵۔ نفس کو ذاتِ باری عز اسمہ کے ساتھ نہایت گہرا تعلق ہے۔ لیکن دنیا میں آکر اس تعلق کو بھول بیٹھا۔ اور بہت سے حجاب اس کے دیدہ روشن پر دنیاوی علائق سے پڑ گئے۔ جس کی وجہ سے یہ اصلی تعلق کو بھول بیٹھا اور اس تعلق کو بھولنا اپنا ذاتی (نفس کا) بھولنا ہے۔ کیونکہ اس کی رہبری اس کی ذاتِ باری عز اسمہ کے سوا ناممکن ہے۔ کوئی انسان آنکھوں کے بغیر حل نہیں سکتا اسی طرح ذاتِ باری عز اسمہ اس نفس کے لئے دیدہ روشن تر سے بھی زیادہ اہمیت رکھتی ہے اور اس کی رہبری کے سوا ایک قدم اٹھانا بھی ناممکن ہے۔ اس فلسفہ کو ذاتِ باری عز اسمہ نے اپنے بندوں کو ان آسان اور سہل الفاظ میں بیان فرما کر اس حقیقتِ حقہ کی طرف متوجہ فرمایا کہ **وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ** کہ ذاتِ باری عز اسمہ کا فراموش کرنا فی الحقیقت اپنے آپ کو فراموش کرنا ہے اور جو اپنے نفس کو فراموش کر بیٹھے۔ پھر وہ کس

تغیر عالم کا دار و مدار تغیر نفسی پر ہے۔ اور اصلاح

نفس کو ذاتِ باری عز اسمہ کے ساتھ کس وجہ کا تعلق ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم میں تغیر و انقلاب پیدا نہیں فرماتا جب تک وہ لوگ اپنے نفسوں میں تغیر پیدا نہ کر لیں۔

۲۔ ایسے لوگوں کی طرح نہ ہو جائیے جو اللہ تعالیٰ کو جھٹلا بیٹھے (جب وہ ایسے ہو گئے) تو اللہ تعالیٰ نے ان سے ان کے اپنے نفس بھلائے۔ یاد الہی کی تاثیر یہ ہے کہ حقیقتِ نفسِ انسانی اس یاد سے اپنی بندی دیکھ لیتی ہے اور اپنے اندر وہ بندی محسوس کرتی ہے کہ فرشتوں کو بھی اس بندی کا علم نہیں۔ اور جو یاد سے محروم رہا گو یادہ اپنے نفس کے بیش بہا فوائد سے غافل رہا۔!

قابل! نہ دین گانہ دنیا کا۔ بلکہ اپنے ہاتھوں سے خود ہلاک ہو کر ذلیل ہوتا ہے۔
 ۸۶۔ تم نہیں دیکھتے کہ جب کوئی حیوان لا یعلم اپنے مالک کے اشارے سمجھنے کے قابل نہیں رہتا۔
 یا اس کے حکم کو بھول جاتا ہے۔ تو وہ اپنی ذات پر ہلاکت کے سامان کر رہا ہے۔ گھوڑے کا
 سوار کے اشارے پر نہ چلنا اپنی قیمت گرانہ ہے۔ اس میں سوار کا کیا گھاٹا۔ مالک اسے اپنے
 اہل نہ سمجھ کر دفعیہ کا تدارک کرے گا۔ اور اس کی جگہ کسی دوسرے پر کرنے کا ارادہ کرے گا۔
 اسی کی طرف اشارہ ہے۔ فَبَسُوْطٍ يَّاتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّجِبُّهُمْ وَيُجِبُوْنَ

۸۷۔ تصوف، فقر یا سلوک اسی تغیر نفسی پیدا کرنے والے علم اور حال کا نام ہے کہ تعلقاتِ قدیم
 میں جو تغیرات دنیاوی اثرات سے نفس (روح) پر واقع ہو گئے ہیں۔ اُن کو پھر اصلی حالت پر
 لایا جائے۔ اور موجودہ دنیوی نفس میں ایک ایسا تغیر پیدا کیا جائے۔ جو بالکل یہ اصلی صورت پر
 اپنے قدیمی تعلقات (محبت الہیہ) پر لے آئے۔ اگر اس سلوک سے یہ بات حاصل نہ ہو تو پھر
 تمام جدوجہد بیکار ہے۔ اور اگر اس تغیر اور محنتِ شاقہ سے یہ دولت نصیب ہو جائے اور نفسانی
 تمام عیوب نکل جائیں اور محبت الہی قائم ہو جائے۔ تو اس سے بڑھ کر خوش نصیب کوئی انسان
 نہیں۔

۸۸۔ اس نوجوان سے بڑھ کر کون خوش نصیب ہو سکتا ہے۔ جو اپنے مرنے، اپنے مالک اور
 اپنے شاہنشاہ کے تعلقاتِ آباؤی و اجدادی کو اپنی لیاقت سے از سر نو تازہ کر کے خود سرکار
 والا جاہ بن کر اپنے اقران اور امثال سے ممتاز ہو بیٹھے اور تمام کائنات کے شاہنشاہ سے
 نہایت عمدہ اور گہرے تعلقات (محبت الہیہ) کی وجہ سے تمام کائنات کا مترجح کہلائے
 اور تمام کائنات کے افراد اس کے سامنے سر تسلیم خم کریں۔

۸۹۔ شاہنشاہ کی عنایت اپنی ہمت پر ہوتی ہے۔ تمام ملازمین ایک درجہ نہیں رکھتے۔ پیادہ
 (چپڑا سی) سے لے کر وائسرائے تک اس کی ملازمت کا فخر رکھتے ہیں۔ لیکن ان دونوں اسامیوں

۱۔ اللہ تعالیٰ ایک اور قوم لائے گا جن کو وہ دوست رکھے گا اور وہ اس ذاتِ باری کو دوست رکھینگے۔ انسان مسجور و ملائک ہے۔ اس کی بندی احسن تقویم
 میں پوشیدہ ہے اور پستی کے اسباب موجود ہیں جن کی نشان دہی اسفل سالفین سے ہو رہی ہے۔ آسمانی نور پر زمینی پرشے اور زمین کی گرد میں آہانی ہیں۔
 ۲۔ سعادت کے معنی ہی یہی ہیں کہ انسان اپنی مخفی قوتوں کو مجاہداتِ نفسی سے بیدار کر لے اور محبوبِ قدیم سے تعلقاتِ محبت استوار کر لے۔ اور شقاوت کے معنی
 بھی یہی ہیں کہ ان دائمی بندگیوں اور ابدی سعادتوں کی طرف نگاہ اٹھے اور زخمِ بڑھے۔ یعنی کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی عظمت و اطاعت کا اقرار کرے۔

کے مابین سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں مناصب اور مدارج ہیں اور اپنے اپنے درجہ کے حکمران۔ لیکن کوئی بھی کسی کو یہ طعنہ نہیں دے سکتا کہ تو سرکاری قلاوہ اور طوق غلامی نہیں رکھتا اور کہ تیرا نام فہرست ملازمین میں نہیں۔ اسی طرح صاحبِ فقر بھی اپنے اپنے مدارج پر ہوتے ہیں۔ ایک گوشہ نشین کس میرس کو ایک صاحبِ ارشاد و مسند نشین طعنہ نہیں دے سکتا کہ میرے جیسا نہ ہونے کی وجہ سے تو فہرستِ ملازمین درگاہ سے ہی خارج ہے۔

۹۰۔ اسی طرح ایک گوشہ نشین صحرا نورد ایک صاحبِ ارشاد کی منہسی نہیں اڑا سکتا۔ کہ دنیاوی رنگ، روپ میں اپنے مالک کو بھول بیٹھا۔ ایک بار خواجہ علاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ

کی خدمت میں ان کے مرید حضرت امیر بربان بن حضرت سید امیر کلال رحمۃ اللہ علیہم حاضر ہوئے۔ تو دل میں خیال کیا کہ حضرت کا ابتدائی وقت کتنی مشغولیت کا تھا۔ اور اپنے خلائق کے ہجوم سے وہ مشغولیت بحق سبحانہ کہاں۔ لیکن جو نہی حضرت امیر بربان مصافحہ کرنے لگے۔

تو حضرت نے گریبان پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ کہ کیا کہتے ہو۔ یہ اچھا حال ہے۔ یا وہ اچھا۔ خواجہ صاحب کا گریبان کو پکڑنا تھا کہ حضرت امیر بربان کی حالت بدل گئی۔ اور دیر تک حضرت ان کو ہاتھوں سے تھامے رہے۔ جب ہوش آئی تو بہ کی۔ قدموں پر گرے۔ معافی چاہی۔ سو یہ باتیں ایسی نہیں کہ اس پر ہم لوگ گرفت کریں۔ بلکہ وہ جاتے اور اس کے اولیا جانیں۔

۹۱۔ اس تمہید کے بعد یہ معلوم رہے کہ میری طبیعت راہِ سلوک کے لئے پوری استعداد نہیں رکھتی۔ ورنہ خواص کی طرح ادھر ادھر نہ بھٹکتا۔ طبیعت خود اپنی راہ پیدا کر لیتی۔ اور سوز و ساز سے اپنے وجود کی کثافت کو دور کر کے ایک تجلی کی منتظر رہتی۔ ایک طرف شعاعِ مرشد پڑتی۔ دوسری طرف خرمین صبر جل

اٹھتا۔ لیکن ایک دھیمی طبیعت قدرت سے پائی۔ جہاں تک دیکھا۔ نہ تو یہ نصیب میں لکھا ہے کہ یگانہ ہو سکوں اور نہ یہ مقدر ہوا کہ بیگانہ رہوں۔ بفضلہ تعالیٰ جس کام میں جس شغل میں طبیعت کو لگایا۔ اسی میں چلنے لگی۔ سعدیؒ نے خوب کہا ہے اشتر آہستہ مے رود شبت روز

علا ہندی سالکوں کو اور ان کو بھی جو سلوک و تعارف پر اعتراض کرتے ہیں ایک بھاری مغالطہ رہتا ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ سلوک کو لایت کوئی خاص مقام ہے۔ مدرسہ کی تعلیم کی انتہا کی طرح اور یہی مقام مقصد ہوتا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اس لئے پچھلے دور کیا وہ سالک بن گیا جتنا وہ قدم بٹھائے گا اتنی منانلے کر لگا اور اس بارگاہ کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ گویا دیکھ کافر ہے سلوک ہمیشہ سلوک ہی ہے گاہ مراد منزلِ جاناں ہے امن و عیش چوں ہر دم۔ جس فریادی وارد کہ بر بندید مملہا۔ اس امر میں غور کریں کہ اگر کوئی شمار نہیں ہے۔ اس لئے وقت اور ہے پہلے وقت کی مشغولیت ہی میں بھی نفس اپنی مدد فیات سے دست کش نہیں لیکن شاہیہ کی حالت میں جتنے شغل بھی کل مشغولیت کے ہم آہ ہے کہ دل سے تیرا خیال نہ جائے تو کیا کروں کے مصداق ہے۔

۹۲۔ حضرت قبلہ مرشد م رحمۃ اللہ علیہ کی حاضری سے پیشتر یاد الہی کا خیال دامن گیر تھا۔ اور گاہ اس کے اثر بھی خاصے نظر آتے تھے۔ ایک بار گجرات کے علاقہ میں اپنے اجداد رحمۃ اللہ علیہم کے متوسلین کے دورہ پر تھا چونکہ ہر وقت رجوع الی اللہ کی وہاں ضرورت ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ اعمال کی بھی پوری نگہداشت کرنی پڑتی تھی۔ اور تعلقات خانگی بھی جو پریشانی دل کا باعث ہوتے ہیں کم ہو گئے تھے۔ تو طبیعت کا رجحان ہر وقت ہر گھڑی اس کی ذاتِ بابرکات کی طرف بڑھنے لگا۔ یہاں تک کہ طبیعت اچھی خاصی ہو گئی اور اثر پذیری کے ساتھ اثر پذیری شروع ہو گئی جو اس کے اولیا کا خاصہ ہے۔

کامل توجہ باطنی سے خود بخود طبیعت بننے لگتی ہے۔

۹۳۔ اس سفر کی واپسی پر میری یہ حالت ہو گئی کہ دنیا بتمامہ ایک کھلونا نظر آنے لگی ایک اسٹیشن پر جب مجھے دو تین گھنٹے گاڑی کے انتظار میں اکیلا مسافر خانے میں بیٹھنا پڑا۔ تو سوائے حیرت کے میرے پاس کچھ نہ تھا۔ آنکھیں دیکھتی تھیں۔ کان سنتے تھے۔ لیکن اندر کچھ نہیں جاتا تھا۔ نہ خوشی نہ غم۔ نہ اپنی خبر نہ کسی کی خبر۔

مقام حیرت کا نظارہ

۹۴۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ایسی حالت میں دیوانگی آجاتی ہے اور صاحبِ حال کام کاج سے رہ جاتا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں برابر اپنے کاموں میں مشغولی رہتی ہے۔ لیکن دل میں بے مشغلی ہوتی ہے۔ ایسے آدمی کا چہرہ صاف پہچانا جاتا ہے۔ حیرت کے آثار واضح دکھائی دیتے ہیں۔ بلکہ اس کے افعال و حرکات میں ایک خاص اثر آجاتا ہے۔ گو کہ اسے خود معلوم کچھ نہیں ہوتا تاہم یہ نشہ دور نہیں ہولیتا۔ مگر تاڑنے والے حقیقت شناس اسے پہلی نظر میں تاڑ جاتے ہیں۔

حیرت کی حقیقت اور اس کے آثار

۹۵ (الف) اس مشغولی کی بنیاد ذکر اسم ذات اللہ اللہ تھا۔ جو اپنے خاندانِ نقشبندیہ کا معمول تھا۔ اور یہ اثر اسی کا تھا گو اس کے ساتھ کچھ اور عوارض مل گئے تھے۔ لیکن سب سے زیادہ امداد میری اسی توجہ باطنی کی تھی جو مجھے اپنے اسلافِ رحمۃ اللہ علیہم کی طرف روحانی

تمام سلوک کی بنیاد ذکر اللہ ہے

۱۔ بزرگوں کی نسبت کی مقبولیت کے بعض معنی اسباب ہوتے ہیں وہ برقی لہروں سے زیادہ لطیف ہوتی ہے۔ حضرت اعلیٰ بیر بلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولیت تحصیل پچالیہ ضلع گجرات میں بہت زیادہ تھی اور آج تک ہمارا کام کر رہے ہیں۔

۲۔ ظاہری جو اس اور قوی ہی اثر پیدا نہیں کرتے بلکہ باطن کے قوی نہایت خاموشی سے آفتاب کے نور کی طرح اور بارش کے پانی کی طرح منظر طبع پر اثر ریز ہوتے ہیں۔

۹۵ پ۔۔۔ بلکہ تصور شیخ کا مسئلہ مجھے اسی وقت حل ہوا تھا۔ بلا تصور۔ بلا تخیل۔ مجھے اکثر یہ معلوم بلکہ محسوس ہوتا تھا کہ ایک کندھے پومیرے جد امجد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اور دوسرے کندھے کی طرف حضرت والدہ مرحومہ و مغفورہ، یا پروردار بشیر کی والدہ۔ بلکہ یہ تصور تصور نہ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ صاف چہرے موجود ہیں۔ ایسی حالت کے بعد جو خیال آتا تھا۔ وہ نہایت صحیح ہوتا تھا۔ جو ارادہ پیدا ہوتا تھا۔ وہ ظہور پاتا تھا۔ خوابیں نہایت صاف اور پُر از صداقت۔ چنانچہ خواب آیا کہ حضرت قبلہ جد امجد رحمۃ اللہ علیہ کے حجر کے صحیحہ میں بیٹھا ہوں۔ اور حضرت قبلہ موصوف بجا لیت حیات اپنی نشستگاہ پر سنا آرائے ولایت ہیں۔ اور حضرت والدہ بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ اپنی نشستگاہ پر زیب ذہ مصطفیٰ عبادت ہیں۔ اور خلقت کا ہجوم ہے۔ اور میں تعویذ لکھ کر خیر یو ال تحصیل بچا لپیہ کے باشندوں کو دے رہا ہوں۔ آخر کاغذ ختم ہو گیا۔ تو والدہ مرحومہ سے تین تختے اور منگوائے۔ اس خواب کے تیسرے دن جمعہ تھا۔ اور میرا مقام موضع دھتی تھا۔ خیر یو ال کے تقریباً چالیس آدمی اکٹھے آگئے۔ اور ہندو دوکانداروں تک ان کے ہمراہ تھے۔ اور جمعہ کی وجہ سے خلقت کثیر جمع ہو گئی۔ تعویذات اسی طرح لکھے دے رہا تھا۔ جس طرح کہ خواب میں دیکھا اور یہ خواب میں نے اجاب کو پہلے دن ہی بتلا دیا تھا۔ اسی جمعہ سے پیشتر خواب آیا تھا، کہ بیربل میں حضرت قبلہ کی حیات میں جمعہ ادا ہو رہا ہے۔ اور خلقت کثیر ہے۔ آپ کے ایک خلیفہ قاضی صاحب شاہ پوری اعلان کرتے ہیں۔ کہ اگر کھانا کم ہو گیا تو کیا مضائقہ! یہ دعوت (روٹی) کوئی حضرت صاحب کی نہ تھی۔ لیکن ایسا ہی عملی ظہور ہوا۔ کہ ہم لوگ اپنا کھانا اور اپنا لنگر رکھتے تھے۔ جمعہ کے دن چودھری قمر الدین نے نہایت خواہش کی کہ رات کا کھانا میرا منظور کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے رات کو کھانا دیا۔ لیکن آخر کو کھانا کم ہو گیا۔

۱۔ روحانیت جب اپنا مقام حاصل کرتی ہے تو لطیف اشیا مجسم ہو کر سامنے آتی ہیں اور اج اپنے جہان میں لطیف اورانی جسم رکھتے ہیں لیکن جب صاحب نسبت کے سامنے آئیں گے تو مطلق نور نہیں بلکہ اپنی کسی نہ کسی شکل میں دکھائی دیں گے۔

۲۔ سچے خوابیں: پاکیزہ خیالات اور بیداری کے انکشافات واقعات شدنی کا اندکاس اور نسبت کے باقی محسوس اور غیر محسوس کمالات اپنے وقت پر بعض اوقات سلوک کی ابتداء میں بعض اوقات فقر کی کسی درجہ کی پختگی میں سالک کی طبع کے مطابق ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں

۹۵- ج - اس کے علاوہ اور بہت سی باتیں جو باعث طوالت ہیں۔ ورنہ اس روسانی تعلق کا پتہ بے انتہا ان سے چلتا ہے۔ مثلاً جب کسی کا ہاتھ بیعت کے لئے پکڑ کر اپنے سلف کی طرف توجہ بڑھتی۔ تو طالب پسینہ سے پانی پانی ہو جاتا اور کہ اس کے اندام لرزنے لگتے وغیرہ وغیرہ۔

۹۵- د - لیکن یہ قلبی حالت اتنے تک ہی رہی۔ جب تک گھر نہ پہنچا۔ گھر آتے ہی سب نشے کا فور ہو گئے۔ اور میں جیسا پہلے تھا ویسا ہی رہ گیا۔ لیکن یہ معلوم ہو گیا۔ کہ اپنے بزرگ توجہ باطنی اور روحانی سے غافل نہیں ہوتے۔ ہاں زندوں کی توجہ اپنے اسلاف پر نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ تصور شیخ کی بابت یہ راز کھل گیا۔ کہ توجہ روحانی کی وجہ سے

۹۵- ۵ - خود بخود "صورتِ پیر" سامنے آجاتی ہے نہ یہ کہ جیسا بعض لوگ اپنے اندر تصور پیدا کرتے ہیں۔ اور عمریں پیر کی صورت بنانے میں لگا دیتے ہیں۔ ایسے تصور سے نہ تو کچھ فائدہ ہے نہ یہ محمود۔ نہ صاحبِ شریعت بھی اسی تصور کے بارے احکام جاری کرتے رہتے ہیں۔ بخلاف اصلی تصور کے۔ کہ وہ اکتسابی نہیں اضطراری ہے، اور اس پر کسی کو کوئی حق نہیں کہ اسے مذموم کہے۔ اگر یہ اضطراری پیدا ہو جائے تو پھر کسی ذکر

۹۵- ۶ - اذکار کی خاص ضرورت نہیں رہتی۔ خود بخود کمالات پر اسی تصور کے ذریعہ طبیعت میں جمنے اور بیٹھنے شروع ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ فنا فی الشیخ ہو کر پیر کی ہو ہو صورت طالب ہو مٹھتا ہے۔

۹۶ الف - کچھ تو طبیعت ہی شوخ واقع ہوئی تھی۔ کچھ مہربانوں کی مہربانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بدنام ہونے لگے۔ ایسے وقت انسان کو وحدت زیادہ پسند آتی ہے اور خلوت میں رہنا پسند کرتا ہے۔ گاؤں میں پہلے بھی اپنے زیادہ تعلقات نہ تھے۔ اس آزمائش میں اور بھی کم ہو گئے۔ اکثر اکیلا کرے میں بند بیٹھا رہتا تھا اور جاڑے کی وجہ سے آگ انگلیٹھی

ملا ذکر جب پختہ ہو جائے تو اس کی تاثیرات فکر کو پختہ کرنا شروع کر دیتی ہیں تصور چونکہ فکر کا ایک حصہ ہے اس لئے اس کے کمالات لانا انتہا ہیں۔ مذکورہ اپنی نورانی تاثیرات کے ساتھ سامنے ہوتا ہے اور اس کے کمالات عکس ہیں۔

ملا فنا فی الشیخ: تصوف کی اصطلاح ہے جب سالک اپنے شیخ کی باطنی تاثیرات سے متاثر ہوتا ہے تو شیخ کے لواشیخ کے کمالات شیخ کے علوم و رموز اس کے باطن میں آہستہ آہستہ شروع ہو جاتے ہیں تاکہ کچھ وقت کے بعد اس کے اپنے احساس اپنے جذبات کی تاثیرات تہی دب جاتی ہیں کہ یہ خود گویا کچھ نہیں اگر محبت شیخ کی دولت بھی ہو تو اس فنا کے حصول میں بڑی مدد ملی ہے۔ یہ فی شکل ہے لیکن اس بعد باقی فنا فی رسول اور فنا فی اللہ مشکل نہیں رہتیں۔

تعلقات دنیاوی سے حالت گر جاتی ہے اعلیٰ تصور پیدا ہونے کا باعث اس کے محمود اور مذموم ہونے کا فیصلہ۔

اضطراری تصور پیدا ہو جانے کے بعد کسی ذکر اذکار کی ضرورت نہیں کامل کیسوی پیدا ہو جاتی ہے خلوت ذاتی پیدا ہو جانے سے

میں۔ روشن رکھنا تھا۔ دل میں اکثر ذکر کا خیال تھا۔ تھوڑے دنوں میں ہی ان امور نے وہ کیسوی پیدا کی کہ دنیا و مافیہا بیچ نظر آنے لگے۔ اور فنا ہر وقت تیغِ برائے کی طرح مہر پر دکھائی دینے لگی۔ ساٹھ سالہ عمر کا انجام بھی مجھے وہی نظر آتا تھا جو تیس سالہ کا تھا۔ قبر میری طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دکھتی تھی۔ تاہم ایک مخلص دوست آئے۔

۹۶ ب۔ اور مجھے اپنے ہمراہ علاقہ گجرات میں مجبوراً لے گئے۔ لیکن جوں جوں اختلاط کی ہوا لگتی گئی۔ حالت متغیر ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ وہی پہلا رنگ دنیاوی آگیا۔ اور سب کچھ بھول بیٹھا۔

کیسوی کو تباہ کرتے ہیں۔ تعلقات اور اختلاط

۹۷۔ حضور کی خدمت میں حاضر ہونے سے پیشتر مختلف اوراد اور اذکار شروع رکھے گئے۔ سبحان اللہ و حمدہ، وغیرہ تہلیل و تہمید۔ گاہے کلمہ تہجد۔ گاہے آیت الکرسی اور گاہے الحمد شریف۔ لیکن عجب تزییہ ہے کہ ہر ایک کا باطنی رنگ الگ پایا۔ سر سے لے کر قدم تک یہ اوراد و اذکار اپنا اپنا امتیازی رنگ اور خاصہ ایسا دکھاتے ہیں جیسا کہ ایک انسان دوسرے انسان کو بے شبہ دیکھتا ہے۔

تمام اوراد اور اذکار اپنا خصوصی رنگ اور امتیاز رکھتے ہیں۔

۹۸۔ آیت الکرسی میں مراقبات اپنے عروج پر پہنچتے دکھائی دیئے۔ اور تسبیح و تہلیل سے عظمت اور جلال الہیہ کے مرادفات سامنے آگئے۔ اور کلمہ تہجد سے اپنی فنا اور اس کی بقا کا پتہ چل گیا۔ سب سے لطیف تشہد نماز ہے کہ اس کے حضور میں دوزانو بیٹھے تحیات پیش کئے جا رہے ہیں۔ اور سید البشر کو لاک لہا خلقت الافلاک کے سر مبارک پر حضور ربی میں صلوات کے موتی نثار کئے جا رہے ہیں۔ اس موقع پر معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت محمدیہ کو کتنا تقرب بارگاہ الہی سے ہے۔

۹۹۔ کیا ہی لطف انگیز پیشکش التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ کے ہیں۔ اور کیا ہی طرب انگیز خطاب السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ

۱۔ اگر آپ نہ ہوتے تو آسمانوں کو پیدا نہ کرتا (حدیث قدسی)

۲۔ زبان کی تمام عبادتیں، بدن کی ساری بندگیاں اور پاک مال کی تمام قربانیاں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔

۳۔ آپ (کی ذات مقدس) پر سلام ہو لے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی رحمتیں اور اس کی برکتیں۔

ہے۔

۱۰۰۔ میری یہ حالت ہوتی۔ کہ کئی کئی بار ایک ایک لفظ ایک ایک کلمہ کی تکرار کرتا۔ اور مکرر سہ گزرا سی طرح دہرانا رہتا۔ یہاں تک کہ دعائے رَبِّ اجْعَلْنِي پُرْهِنِيَا۔ اور رَبِّ اغْفِرْ لِي۔ رَبِّ اغْفِرْ لِي۔ رَبِّ اغْفِرْ لِي پورے عجز سے کہتا۔ کہ قصور وار حضور میں کھڑا اپنے قصور کی معافی طلب کرتا ہے۔ سبحان اللہ یہ وہ باتیں ہیں کہ جو دیکھتا ہے وہی ان کی حلاوت کو جانتا ہے۔

کیفیات کا اندازہ خود صاحب کیفیت ہی کر سکتا ہے

۱۰۱۔ غرض یہ سب کچھ ہوتا تھا۔ سب کچھ دیکھتا تھا۔ لیکن طبیعت میں استقامت، بے تعلقی اور حضوری پیدا نہ ہوتی تھی۔ اور آنا فنا حالت بدلتی رہتی تھی۔ ایک حال آیا اور گیا۔ پھر وہی اپنی بھونڈی صورت۔

استقامت پیدا نہ ہونے کا حوالہ و کیفیات کی جذباتی کیفیت نہیں۔

۱۰۲۔ حضرت قبلہ مرشد م رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی شرف یابی پر ایک زمانہ غیبت رہی۔ لیکن عرصہ تک حاضر نہ ہونے کی وجہ سے غیبت کم ہوتی گئی۔ گو اپنی طرف سے بہتیری کوشش کرتا تھا کہ پھر پہلی حالت پیدا ہو۔ لیکن

مرشد کی صحبت کوئی نقصان نہیں ہوتا بلکہ صحبت اور حضوری کا نقصان کی تلافی کرتی ہے

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

آخر دل نے فیصلہ کیا کہ حاضری کے سوا چارہ نہیں۔ گو آپ ناراض ہوں گے لیکن اس کے سوا علاج بھی تو نہیں۔ حاضر ہوا بھی تو پہلے سے زیادہ پریشانی۔ ذکر و اذکار پر توجہ غائب۔ ۱۰۳۔ بلکہ ایک گھڑی یکسوئی مشکل ہو گئی۔ ذکر کرنے سے دردِ دل پیدا ہو جاتا۔ یہ حالت کوئی سال بھر برابر رہی۔ گاہ گاہ مایوس بھی ہو جاتا تھا۔ لیکن حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی شفقت و امن نہ چھوڑتی تھی، گھر میں بیٹھے بیٹھے خیال آ جاتا تھا کہ زیارت بھی غنیمت ہے۔ تصفیہ قلب نہ سہی۔ بلکہ جیسا کہ تحریر کیا گیا۔ خود حضرت مرشد م رحمۃ اللہ علیہ کے بسیاختہ الفاظ

ذکر جب تک پورا پورا اثر نہیں کرتا جو وہی غالب کہ ذکر سے تطہیر ہوتی ہے

۱۔ الہی مجھے بخش دے۔

۲۔ غیبت سے مراد حواس ظاہر کی تاثیرات کا فقدان یا کمی۔

۳۔ جسم اور نفس حیوانی کو روحانیت سے کوئی تعلق نہیں یہ بالکل اجنبی ہیں اور کبھی ذکر و اذکار سے ان کو موافقت نہیں ہو سکتی۔ بس مجاہدہ سے روح کو بیدار کرنا ضروری ہے اس سلسلے میں مرشد کی نظر اور صحبت اکیسرا حکم رکھتی ہے۔ پھر جب روحی تاثیرات جسمانیت پر غالب آتی ہیں تو ذکر و فکر اور انوار سے اس موافقت پیدا ہو جاتی ہے۔

میری مایوسی کا باعث زیادہ ہوئے۔ لیکن ساتھ ہی تسلی آمیز ملفوظات محنت و مجاہدہ کی طرف راغب بھی کرتے تھے۔

۱۰۴ الف۔ پہلے دو سال گوئٹھ و روز میرا خیال ہمہ حال و ہمہ وقت اپنے خیال کی تلاش میں تھا۔ لیکن سرگردان، بے اطمینانی نصیب رہی۔ کبھی دو چار دن اچھی حالت ہو جاتی تو پھر پہلے سے بدتر حالت ہو نکلتی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ

بلکہ ایک مدت چاہئے
ذکر جلدی جلدی نہیں ہوتا

نور قلب کی کیفیت و روشاں

۱۰۴ ب۔ اپنے جد امجد رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر میری یہ حالت ہو گئی۔ کہ اسم ذات اپنے پورے نور میں قلب کے اندر اتنا روشن ہو گیا جیسا کہ آفتاب، طبیعت پر از حد ذوق غالب یا دہی ایسی، کہ جہاں فراموشی کا گذر نہ ہو۔ اٹھتے بیٹھتے لیٹتے سوج کی طرح قلب پر از شمع۔ گاڑی میں سوار ہوا۔ تو وہی حالت۔ لاہور جا انرا تو وہی رنگ۔ بازار میں قدم رکھا۔ تو اپنا حال غائب ہو گیا۔ مٹب باشتی کے لئے دانا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک

بازار میں داخل ہونے کا نقصان۔ بازار سے بری جگہ ہے [۱۰۴ ج۔ پر گیا۔ مگر خیال ایک قدم نہیں

اٹھاتا۔ مزار کی طرف متوجہ ہوا تو بے فائدہ۔ بیگلی اتنی کہ اتنی تو بہ! کئی دفعہ فاتحہ کہا۔ کئی

طبیعت میں قبض پیدا ہو جائے تو پھر آسانی سے بسط پیدا نہیں ہوتا [۱۰۴ د۔ بار مراقب ہوا۔ لیکن ذرہ بھر

بھی حضور قائم نہ ہوا۔

۱۰۵۔ خیال تھا کہ شرفیو شریف پہنچ کر حالت بدل جائے گی۔ لیکن نہیں۔ بدستور پریشانی

آپ سے نیاز بھی حاصل کیا۔ مگر کچھ فرق نہیں۔ بلکہ مسجد میں آ کر جی نہ چاہے کہ کچھ کہوں۔ یا

حضرت قبلہ مرشد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ تین دن اسی طرح گذر گئے۔

چوتھے دن بعد نماز صبح اور اذیت بڑھنے کے بعد نہایت پریشانی میں مسجد کی چھت پر لیٹ

گیا۔ کچھ دیر کے بعد جو اٹھا تو حالت بدلی پائی۔ الحمد کہا۔ دل نے کہا۔ آج بھو تھا

دن ہو گیا۔ ابھی تک حاضر نہیں ہوا۔ حاضر ہونا چاہئے تھا۔ نیچے آیا۔ تو حاجی صاحب

قبض حال کا نقشہ

۱۔ اسم ذات (اللہ) جب قلب تک میں اپنی جگہ لیتا ہے اور ظہور فرماتا ہے تو نور ہی نور کا ظہور ہوتا ہے۔

۲۔ بازار میں خیال کی پراگندگی ہی پراگندگی کا دودھ کھردہ ہوتا ہے۔ اس لئے کیسوٹی جب گئی تو انوار و تجلیات بھی اپنا ظہور چھوڑ بیٹھے۔

۳۔ یہ اوراد حضرت علی ہمدانی کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ اور سلسلہ شرفیو میں بطور وظیفہ ان کو پڑھا جاتا ہے۔ کشمیر میں بعد نماز صبح نمازی بلند آواز سے پڑھتے ہیں۔ بڑا لطف آتا ہے۔ اور بے انتہا فائدہ ظاہری و باطنی ان مبارک اوراد کے اندر موجود ہیں۔

کی زبانی معلوم ہوا کہ آپ نے یاد فرمایا تھا۔

۱۰۶۔ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ پیرومرشد کی توجہ کی کیا ضرورت ہے انسان خود بہت کچھ کر سکتا ہے۔ لیکن میں نے تو دیکھا ہے کہ جس طرح تمام امور میں انسان ذات باری عز اسمہ کی نعمت کا دست نگر ہے۔ اسی طرح فیوضاتِ باطنی میں سالک اپنے پیرومرشد کی توجہ کا محتاج ہے۔ اس کے بغیر ایک قدم اٹھ نہیں سکتا۔ میں نے واقعہ مذکور میں تمام جتن کئے تھے۔ لیکن توجہ پیرومرشد کے بغیر سب بیکار ثابت ہوئے۔

سالک توجہ مرشد کے بغیر فیوضاتِ باطنی میں ایک قدم اٹھا نہیں سکتا۔

۱۰۷ الف۔ ابتدا میں مجھے خیال تھا کہ انسان مجاہدہ سے کامیاب ہوتا ہے۔ لیکن اخیر میں معلوم ہوا کہ جو کچھ ہے فضل ہی فضل ہے۔

توجہ اور مجاہدہ کا اخلاقی نتیجہ فضل الہی ہے۔

۱۰۸ ب۔ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَّشَاءُ۔ ہاں اپنی طرف سے مجاہدہ چاہئے تاکہ اس کے فضل کا منشا یہ ہو سکے۔

اپنی طرف سے کوشش چاہئے جو کچھ چاہئے یا نہ چاہئے۔

۱۰۸۔ گیند کالے جانا فضل الہی پر موقوف ہے۔ لیکن کھلاڑیوں کے سوا کوئی دوسرا یہ فضل حاصل نہیں کر سکتا۔ اکثر مجاہد با ریاضت پہلے قدم پر ہی لڑکھڑاتے دیکھے۔ اور بہت سے خوش نصیب میدان ریاضت میں اترنے بھی نہ پائے۔

میدان میں اترنے بغیر کامیابی ناممکن ہے۔

۱۰۹ الف۔ پہلے دو سال میں ذکر سے طبیعت ماندہ رہتی تھی۔ اور اکثر خیال آتا تھا کہ کیونکر ذکرِ قلب کی غذا ہو جاتا ہے بلکہ گھنٹہ دو گھنٹہ خیال کرنے سے تمام وجود کو تکلیف ہوتی اور دل کو خاص قسم کا درد ہوتا تھا۔ لیکن منواتر خیال سے آخر میں حالت بدلتی گئی اور ذکر نے دل کو گھیر لیا۔ بلکہ جب کبھی توجہ کی جاتی قلب اپنے کام میں برابر مشاغل نظر آتا۔ وہ تکلیف اور وہ درد جو

آزاد کونکر اللہ تبارک و تعالیٰ کی تشریح مثالی

۱۰۹ ب۔ پہلے ہوا کرتا تھا۔ اب وہ نہ رہا۔ بلکہ کسی وقت اگر توجہ قائم نہ ہوتی تو پریشانی پیدا ہو جاتی۔ بسا اوقات جب خیالات، معاملات سے تنگی اور پڑمردگی لاحق حال ہو جاتی، تو دل کی طرف توجہ کرنے سے تمام نکان اور پڑمردگی دور ہو جاتی۔ بلکہ طبیعت میں پیشانت آرام

قلب میں ذکر کے جاری ہونے کے بعد کیفیت

۱۰۹ الف۔ مرشد کے انوارِ باطن مرید کا لسنہ کھولنے کے لئے اسی اعظم ہیں ذاتی محبت سب سمجھے ہیں اور اس کے بغیر سالک کی کشائش قلبی بے مشکل۔ اس شریف ترین فن اور مقصود اعلیٰ حیات کے اسباب بھی ہیں اور مراحل و منازل بھی۔ اللہ کی معرفت کے اسباب میں کامل پیر کی توجہ سالک کی ریاضت کے لئے غر پر کی حیثیت رکھتی ہے۔

۱۰۹ ب۔ اور توجہ مرشد بھی ذات باری کی عنایت خاصہ کے نتیجہ میں ہوتی ہے ورنہ اسباب ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ مرشد کی توجہ خاص ہوتی ہی نہیں۔ اللہم اعنا علی ذلک
۱۰۹ ذکر کی ابتدا مجاہدہ ہے اور اس کی انتہا مشاہدہ۔ مجاہدہ نفس پر بھلائی ہے اور مجاہدہ جان کا مقصود اور روح کی راحت۔

اور سکون پیدا ہو جاتا تھا۔ اس پر معلوم ہوا کہ اَلَا بِيَدِ كَوْلِ اللَّهِ تَطْمِئِنُّ الْقُلُوبُ کا صحیح مفہوم یہی ہے جو اس وقت حاصل ہے۔ گو اس دو سال کے عرصہ میں بڑی تبدیلی ہوئی اور حالت اتنی بدلی۔ لیکن اس کے تحت میں کسی حالتیں اور کیفیتیں دیکھنے میں آئیں۔

۱۱۰ الف۔ اکثر خاموش ذکر کو قلبی ذکر خیال کیا جاتا ہے لیکن ایسا نہیں بلکہ پہلے پہلے حلق کے اندر دم کے آنے جانے میں ذکر گردش کرتا رہتا ہے اور اس درجہ کے بعد قلبی حرکت، قلبی ذکر تصور ہونے لگتا ہے مگر اس کے بعد قلبی ذکر کا آغاز ہوتا ہے۔

۱۱۰ ب۔ جو نقطہ سیاہ کے اندر ہی اندر محصور رہتا ہے جب اس درجہ میں قلبی ذکر کے شروع کے بعد کیفیات پیدا ہونی لازم ہیں ذکر آتا ہے تو پھر کیفیات بوقلموں وارد ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔

۱۱۰ ج۔ چنانچہ پہلے پہلے یہ کیفیت طاری ہو گئی کہ اسم ذات دل کی حقیقت ہے اور خود ذات باری عز اسمہ اسی قلب کے اندر اپنے اسم ذات میں جلوہ گرہ ہے اُس کی ذات بابرکات کوئی الگ چیز نہیں ہے جتنے دل کے حجاب دور کئے جائیں گے۔ اتنی ہی حقیقت جامعہ روشن نہ ہوتی جائے گی۔ یہ کیفیت کئی ماہ طاری رہی۔ اسم ذات کے خاکہ پر جب نظر پڑتی تھی، تو ۱۱۰ د۔ آنکھیں پر غم ہو کر برس پڑتی تھیں۔ قلب پر جب توجہ کی جاتی تو اسم ذات کا خاکہ روشن اور جلی صروف میں نظر آتا تھا۔ لیکن ایک وہ وقت تھا جب اس تصور اور خیال کرنے میں گھٹنے صرف ہو جاتے تھے مگر صبح خاکہ ایک آن بھی دل کے اندر دکھائی نہ دیتا تھا۔ اور اب یہ حالت تھی کہ

دل کے آئینہ میں ہے تصویر پار جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

۱۱۱ الف۔ اس کے بعد یہ تجلی مخصوص نہ رہی۔ بلکہ ہر چیز میں ذات باری عز اسمہ کا نور دکھائی دینے لگا۔ یہاں آ کر حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام کا سناے کو ہذا ربی کہنے کا راز کھل گیا۔ یہ ستارہ پرستی نہ تھی بلکہ یہ عین حقیقت پرستی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام

ع۔ خبردار! اللہ کے ذکر سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔

ع۔ ذکر کے درجات؛ پہلے حلق میں نہایت خفیف آواز کے ساتھ پھر قلب کی حرکت اس کے بعد دل کی یاد کا مرتبہ آتا ہے جو تمام درجات پر حاوی ہے اور عجائبات ظاہری و باطنی ذکر سے پیدا ہوتے ہیں۔

ع۔ دل کے عجائبات تزکیہ نفس سے اور ذکر کی کثرت سے جب دور ہو جائیں تو خود ذات الہی کا جلوہ اپنے آئینہ دل میں نظر آتا ہے۔

ع۔ تصور کے لئے محنت کا ایک نقشہ۔

کی نظر اُس چمک پر تھی۔ جو اُس ذاتِ بابرکات کے نور سے شعثان اور لرزان تھی۔ اور جب وہ روشنی آنکھوں سے دور ہو گئی۔ تو اُس سے منہ موڑ لیا۔ اور دوسری روشنی چاند پر جا لگی تو کہا ہذا ربتی۔ لیکن پھر جب سورج نظر آیا۔ تو اُسے حقیقت جامعہ خیال کر کے ہذا ربتی ہذا اکبر کہہ کر اپنا قبلہ مقصود خیال کیا۔ مگر جب وہ بھی غائب ہو گیا۔ تاہم یہ حقیقت ان ظاہری اشیاء سے بالکل الگ نظر آگئی۔ تو صاف کہہ دیا۔ اِنِّیْ بَرِّیٌّ مِمَّا لَشْرَکُوْنَ۔ مُشْرَکٌ اور ۱۱۱ ب۔ موحّد میں اتنا ہی فرق ہے کہ مُشْرَک اشیائے مادیہ کو ہی ذاتِ ربّی کا منظر جانتا ہے۔ بخلاف موحّد کے کہ وہ اُس کی ہستی کو ان تمام مادیات سے بالاتر دیکھتا ہے۔ گویہ مظاہر الہیہ اس کی آنکھوں میں موجود ہوتے ہیں اور اُن کو مظاہر الہیہ جانتا ہے۔ مگر مُشْرَک ذاتِ الہیہ کو مادیات سے پیوستہ دیکھ کر سز بسجود ہوتا ہے اور ایک کی بجائے دو کو سجدہ کرتا ہے اور مُشْرَک کہلاتا ہے بخلاف موحّد کے کہ وہ صرف ایک ہی حقیقت جامعہ کے سامنے سر خم کرتا ہے۔ جس میں کوئی آلائش مادی جتناک بچوئی و بیچگونی خالق کی | ۱۱۱ ج۔ نہیں ہوتی ورنہ نور الہی سے زمین اور آسمان معمور ہیں۔ ارشاد کیفیت پیدائہ ہو۔ موحّد نہیں ہوتا ہے۔ "اللّٰهُ نُورٌ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" اس نور کی کوئی پرستش کرے تو مُشْرَک کیونکر کہلائے۔

مُشْرَک اور موحّد میں فرق کیا ہے؟

۱۱۲۔ اس وقت طبیعت میں فراق کی پریشانی اور دصال کی تمنائے اتنا پریشان کیا کہ جب نظر اُٹھے۔ اُس کے دیدار کی تلاش میں اُٹھے۔ اکثر آسمان کی طرف بار بار نظر اُٹھتی تھی کہ شاید وہ حقیقتِ کبریٰ جلوہ عنایت فرمائے۔ لیکن مایوس ہو کر نظر آنسو لیے گر پڑتی تھی۔

تلاشِ یار میں پھرتا ہوں میں بزرگِ خیال
ادھر کو دیکھ ادھر کو نظر اُٹھاتا ہوں

محبتِ قلبی میں جب زیادہ جوش آجاتا تھا تو بے اختیار شمال مغرب کی طرف رخ پھر جاتا اور بار بار نظر آسمان کی طرف اُٹھتی تھی۔

اشتیاقِ دیدار کا نقشہ اور کیفیت

علا حضرت ابراہیم نے جب ستارہ کو ہذا ربتی کہا تو وہ نور مراد تھی جو نور قلب سے مشابہت رکھتا تھا۔ پھر چاند کا نور پھر سورج کا نور منظرِ عظیم نظر آیا۔ اس کے بعد ستارہ، چاند، سورج کے مظاہر کے اوچھل چھلنے سے جب کائنات کے ذرہ ذرہ میں ذاتِ الہی کی چمک نظر آئی تو مظاہر پرستوں کی ہدایت کے لئے اس حقیقتِ کبریٰ کا اعلان کر دیا جو موحّد کو ہمیشہ مقصود جان ہونی چاہیے اور سب مہدات اور بیانات اسی کے لئے ہوتے ہیں۔ مایا میں ان چیزوں سے بری ہوں جن کو تم شریک (حقیقتِ کبریٰ) جانتے ہو۔ اس کی ذاتِ آسمانوں کا نور ہے اور زمین کا نور ہے۔ ہو اللّٰہ احد (وہ اللّٰہ ایک ہے)۔ مگر یہ ایک عجیب حقیقت ہے۔ نسبتِ قلبی کے لئے تاثیر کی مقاطعیں غوث الثقلین شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی ذات ہے۔ جن کی نسبت ادھر مناسبت رکھتی ہے ان کی توجہ خود بخود ادھر مڑ جاتی ہے۔

۱۱۳ الف - حضرت قبلہ مرحوم و مغفور ہمیشہ حالت واردہ کی خبر بعد میں اشارۃً و کنایۃً فرمادیا کرتے تھے۔ اور یہ آپ کا وہ ذاتی کمال تھا۔ کہ موجودہ وقت کے مشائخ میں بہت ہی کم نظر آتا ہے۔ آپ ہمیشہ حالت گذشتہ اور حالت آئندہ کی بابت نہایت سادہ لفظوں میں ارشاد فرماتے تھے۔

آپ کا ذاتی کمال کہہ سکتے
حالت واردہ سے مطلع نہ کئے

کالی شیخ وہی ہے جو حالت واردہ سے باخبر رہ کر
۱۱۳ ب - اور سالک عاقل اپنے ماجری اور اپنے مستقبل
سائل کو منزل مقصود کی طرف رہبری کئے کے نشان قائم کر لیتا تھا۔ حضرت قبلہ علیہ الرحمۃ زبانی
بہت کم پوچھتے تھے بلکہ اپنی نسبت سے طالب کی نسبت کا پتہ لے کر رخ بدلتے تھے۔ کھڑا
کرتے اور چلاتے۔

۱۱۴ - گو اس منزل میں اپنی طرف سے پوری مشغولی رکھی جاتی تھی۔ لیکن دل میں وہی شوخی،
وہی آزادی وہی محبت ماسوا کا جذبہ تھا۔ اور اکثر خیالات پریشان اوقات مخصوصہ کو پریشان
کر دیتے تھے۔ بلکہ شرقپور شریف کی جامع مسجد میں بھی اطمینان نصیب نہ تھا۔ حضرت سے گو اب
محبت تھی۔ لیکن خوف بھی آپ سے آیا کرتا تھا۔

جب تک تمام طبعی انقلاب پیدا نہ ہو جائے
اس وقت تک اطمینان نصیب نہیں ہوتا

خواب اور اس کی تعبیر۔ رو یا اس منزل میں ۱۱۵ - آخر میں نے شرقپور شریف میں ہی خواب دیکھا تھا۔
سالک کی حالت کا صحیح معیار دکھاتی ہیں کہ ”جو میں سر سے نکال کر مار رہا ہوں“ بیدار ہوا۔ تو شکر
ادا کیا۔ کہ شاید افعال زمیمہ اب دور ہوں گے۔ چنانچہ اس کے بعد طبیعت بدلنی شروع ہو گئی
اور جمال ظاہری کی طرف سے دل نے سر دی دکھائی۔

۱۱۶ - یہاں پہنچ کر اللہ الصمد کی حقیقت نے چہرہ کشائی فرمائی کہ کس طرح اس کی طرف
ہر ایک چیز جا رہی ہے اور کس طرح ہو آخِذُ بِنَاصِيَتِهَا اور کیوں کر وہ ہادی اور مفضل
بیک وقت ہو سکتا ہے۔ یہ کوئی علمی موٹنگانی نہیں۔ جو میں اس کو احباب کے سامنے بیان
کروں بلکہ یہ ایک نفسی کیفیت ہے جو خود بخود سالک پر وارد ہو جاتی ہے اور یہ حقیقت خود
بخود روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔

جملی اللہ الصمد کی کیفیت

۱ ما جوئی : ماضی - (جو کچھ گزرا)

۲ بعض بے ہمت لوگ راستے کی دوری و درازی کا خیال نہیں کرتے اور وسوسوں سے گھبرا اٹھتے ہیں۔

حالانکہ سالک کے راستے میں ان رد و کاوٹوں کا آنا فریبی ہے۔ باہمت سالک وہی ہے جو پورے انقلاب

طبعی کی تمت اور انتظار میں رہے۔

۳ اللہ بے نیاز ہے۔ اس کی بے نیازی ایک کیفیت کی صورت بن کر آتی ہے۔

۱۱۷۔ مجھے ہمیشہ یہ وہم رہا کرتا تھا۔ کہ جب ہم پیدا کسی چیز سے ہوتے ہیں۔ اور تمام عالم کون و فساد اپنے اپنے مخارج سے نکلتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کیونکر بذاتہ قائم ہو سکتی ہے اس لیے ہزاروں فلسفیانہ دلائل پیش کیے جاتے تھے۔ لیکن دل کو تسلی نہ ہوتی تا اینکہ اپنی بے انتہا عنایت سے یہ راز کیفیت کی صورت میں مجھ پر وارد کیا گیا۔ اب میں حیران ہوں کہ وہ سوال کیونکر پیدا ہوتا تھا۔ اور کہ نور کی پیدائش کا خیال کسی دوسری چیز سے کیونکر کیا جائے۔ لاکھ فلسفے سوچو۔ لاکھ دلائل مطالعہ کرو۔ لیکن کَمُيَلِدُ وَاَلَمْ يُولَدْ کی حقیقت کا عین مشاہدہ سوائے کیفیت باطنی کے دیکھ نہیں سکتے۔

کَمُيَلِدُ وَاَلَمْ يُولَدْ کی حقیقت سوائے کیفیت کے کھل نہیں سکتی

۱۱۸۔ ایک طرف بیابانی وصال تھی۔ دوسری طرف اُس نور کی حقیقت دیکھ چکا تھا۔ اپنی ظلمت اور اُس کی نورانیت۔ اس پر وصال کی بے تابی نے میری زبان پر جاری کر دیا۔ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ۔ تیرا میرا وصال کیونکر ہو۔ تو پاک میں پلید۔ تو نور میں خاک سیاہ۔ تو کَمُيَلِدُ وَاَلَمْ يُولَدْ خدا میں ماں باپ جایا بندہ۔ ہاں تیسری رحمت ہو۔ تیسری عنایت ہو۔ ورنہ تو کہاں اور میں کہاں۔

کیفیت لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ (الایۃ) کا ظہور

۱۱۹۔ اس آیت کی تلاوت کا اسی کیفیت میں پتہ چلا کہ یونس علیہ السلام تے کیوں اس کا ورد کیا۔ میرے آنسو گرتے تھے اور دل و زبان پر یہی جاری تھا۔ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ۔

ساک جب ساوک کے منازل اور مراحل میں طیرانی کرنے | ۱۲۰۔ یہاں پہنچ کر مقام خوف مقام محبت لگ جاتا ہے اور طبیعت بلندی اختیار کرتی ہے۔ تو خوف سے بدل گیا۔ پیر و مرشد علیہ الرحمۃ کی کی جگہ محبت لیتی ہے راتحاد پیر کامل خوف اڑا دیتا ہے ذات بابرکات سے جو خوف اٹھتا تھا۔ وہ بالکل نہ رہا۔ بلکہ یہ حالت یہاں تک بدلی۔ کہ یہ معلوم بھی نہ ہو۔ کہ حضرت میں صفت جلالت بھی ہے۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ صوفی محمد ابراہیم صاحب کے ہمراہ تیرہ دن کی ملازمت باسعادت

۱۔ اُس نے کسی کو جنا نہیں اور وہ کسی سے جنا نہیں گیا۔

۲۔ سبحان اللہ کیفیت تو کیا ہوگی الفاظ میں بھی اطمینان بھرا ہے۔ کہ پیدائش کا سلسلہ تو مادیات میں ہوتا ہے۔ روح کی ایک مثالی شکل نور کا تصور ہے۔ اور نور میں مادیت کے تصورات سب ختم ہو جاتے ہیں۔

۳۔ مہبود تیرے ساوکٹی اور نہیں اور تیری ذات پاک ہے بیشک میں ظالموں میں سے ہوں۔

کے بعد جب رخصت ملی۔ تو ایک طرف آپ کی محبت میرے سر و چشم کو بوسے دے رہی تھی۔ اور دوسری طرف میری نیاز آپ کے قدموں پر دیدہ فرسائی کر رہی تھی۔ آنسو جاری تھے۔ گاہے آپ مصافحہ کر کے رخصت فرماتے اور گاہے آپ از سر نو مصافحہ کر کے محبت آمیز

پیر و میر کی محبت کا نقشہ

۱۲۰۔ ب۔ نصائح فرماتے۔ معلوم نہیں۔ کتنا وقت اسی کشاکش محبت میں گذر گیا۔ آنحضرت کی نگاہ التفات مجھ پر وار کر جاتی۔ اور میری نگاہ نیاز آپ کے قدموں کا سہارا جاڑھونڈتی۔ لیکن آنسو میں کہ برابر جاری۔ نہ اپنا خیال ہے نہ اپنے غیر کا خیال۔ حاجی صاحب ہمراہ ہوئے۔ تو درود پر پھر از سر نو سلام کیا۔ آنکھیں تشنہ تھیں اور دل ناصبور تھا۔ بازار سے گذر مسجد میں اور مسجد سے اڈے پر۔ اور اڈے سے لاہور آئے لیکن آنکھیں ہیں کہ برابر موسلا دھار بارش برسا رہی ہیں۔ عمر بھر میں یہ پہلا موقعہ تھا۔ نامعلوم وجہ سے اتنے آنسو گرے۔

۱۲۱۔ گھر میں آیا۔ تو بھی وہی حالت۔ دنیا و مافیہا سے حضور قبلہ کی ذات بابرکات بہتر نظر آئی۔ گھنٹوں نہیں بلکہ پھروں گذر جاتے۔ لیکن دل آپ کے خیال سے سیر نہ ہوتا تھا۔

۱۲۲۔ گو میں شاعر نہیں ہوں اور نہ طبیعت شاعرانہ پائی۔ لیکن جب ایک رات مجھ کو بخار ہوا۔ تو محبت و اشتیاق نے اتنا زور کیا کہ چند ناموزوں سے اشعار کہہ کر دل کی سوزش دور کی۔

شعرا و اشعار کو محبت کے خاص تعلق ہے

۱۲۳۔ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ آپ نے بھی کئی احباب سے بیربل کے راستہ کا پتہ لیا۔ کئی بار فرمایا۔ کہ دل چاہتا ہے کہ ایک بار حضرت صاحب کے مزار کی زیارت کر آؤں۔ کون کون سے راستے جاتے ہیں۔ کتنا وقت خرچ ہوتا ہے۔ کبھی کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ جہاں دل چاہے وہاں اللہ تعالیٰ پہنچا دیتا ہے۔ (ملفوظ) اس کا اثر یہ ہوا کہ تمام علاقہ میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ آپ فلاں تاریخ بیربل آنے والے ہیں علاقے کے لوگ جوق در جوق آنے لگے اور دریافت کرنے لگے۔ بلکہ میں نے سٹیشن پر آدمی اسی انواہ کی وجہ سے دو دن روانہ کیے۔

حضرت قبلہ احباب کی حالت سے بہت متاثر ہوتے تھے

۱۔ دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو۔ عجب چیز ہے لذت آشنائی (اقبال)

محبت اور عقیدت جب مل جاتے ہیں تو ایک عجیب نقشہ ہوتا ہے۔ محبت قرب کی ضامن ہے اور عقیدت روح میں بلندی پیدا کرتی ہے۔ اور سالک کی پرواز وہاں تک ہوتی ہے جہاں کوئی جا نہیں سکتا۔

۲۔ محبت کی مبارک تاثیریں دو طرفہ ہوتی ہیں۔ اگرچہ محبت کی محبت کی تاثیریں بے قرار ہوتی ہیں اور محبوب کی تاثیریں مطمئن۔ تاہم کسی کسی وقت بغیر تاثیریں ادھر بھی اٹھتی ہیں۔

۱۲۲۔ یہ ایک عجیب امر ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے اولیا جس طرح کا ارادہ کرتے ہیں۔ پہلے ہی اللہ تعالیٰ اپنے اولیا کے لیے اپنی مخلوقات کو تعظیم و تکریم کے لیے تیار کر دیتا ہے۔ اور خلق اللہ اس کثرت سے اُن کی طرف رجوع کرتی ہے کہ بادشاہوں تک اس نقشہ کو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔

دلی کا ارادہ کا ثبات کی بنیاد ہے

۱۲۵ الف۔ یہ مقام محبت تقریباً ایک سال رہا۔ اس کے بعد میری توجہ اُس نقطہ محبت شیخ سے ہٹ کر نقطہ محبت رسالت پر جا گری۔ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے حضور علیہ التحیۃ والسلام کی ذات بابرکات کی رحمت للعلمینی پر ہو گئی اور لَوْلَاکَ مَا خَلَقْتُ الْاَفْلَکَ کی حقیقت روشن۔ محبت رسول کی صحیح کیفیت ہوئی جو چیز نظر آتی۔ اس میں آپ کا نور نظر آتا ہے ہر گل میں ہر شجر میں محمد کا نور ہے

کامیاب ہونا لازمی ہے محبت شیخ سے محبت رسالت

تمام کائنات کی حسنت کے شجرہ کی جڑ آپ کی ذات بابرکات تھی۔ موسوی شاخ اور عیسوی شاخ بھی اسی گل سرسبز کی ابتدائی کلیاں تھیں۔ بے اختیار حالی درود دل سے اٹھتا اور آپ کی ذات اقدس پر پہنچتا۔ گاہے زبان بھی اُس کا ساتھ دیتی۔ لیکن یہ درود نہ عربی میں تھا نہ ہندی میں اور نہ کسی دوسری انسانی زبان میں۔ بلکہ یہ وہ زبان تھی کہ اللہ تعالیٰ ۱۲۵ ج۔ کے بغیر اس کے الفاظ کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ لیکن آہ یہ حالت چند دن ہی رہی اور پھر کسی دوسرے عالم میں چلا گیا۔

کیفیت کی زبان میں الفاظ نہیں

۱۲۶۔ حضرت مرشد رحمۃ اللہ علیہ اکثر (وقوف قلبی اور) دل کی طرف متوجہ ہونے کا احباب کو ارشاد فرماتے تھے۔ مجھے بھی اکثر اسی کا ارشاد ہوتا۔ لیکن طبیعت اکثر کہتی۔ کہ دل پر متوجہ ہو کر ذکر کرنے سے کیا فائدہ ہے۔ بلکہ لطیفہ نفس پر ذکر کرنا اولیٰ تر ہے۔ اور طبیعت بھی دل کی توجہ سے اکتا جاتی تھی۔ لیکن آگے چل کر معلوم ہوا کہ تمام سلوک کی بنیاد صرف وقوف قلبی ہی ہے اور بس۔ گو کہ طرق اور سلاسل الگ الگ ہیں۔ لیکن تمام سلاسل میں قلبی توجہ کا پایہ بہت

تمام سلوک کی بنیاد وقوف قلبی پر ہے

۱۔ سالک کامل استعداد رکھتا ہو تو وہ محبت اور معرفت دونوں میں ترقی کرے گا اور یہ مرشد کے آگے منزل رسالت ہے اور اس محبت پر پہنچنا ضروری، اس کے بعد ذات الہی کی محبت اپنی اصلی شکل میں نمودار ہونی لازم ہے۔

۲۔ اگر آپ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا (حدیث قدسی)

۳۔ دل سے درود شریف کی کیفیت اٹھتی۔

۴۔ طرق طریقہ کی جمع اور سلاسل سلسلہ کی جمع، تصوف کے کئی طریقہ اور کئی سلسلے ہیں ہمارے ہاں مشہور سلسلے ذیل ہیں: نقشبندی۔ قادری۔ چشتی۔ مہروردی۔

بلند ہے۔

۱۲۷۔ حالات بالا پر جب طبیعت پہنچی تو وقوف قلبی
 نے کسی رنگ دکھلائے جس کی تفصیل محال نہیں تو مشکل
 ضرور ہے۔ اصل یہ ہے کہ انسان یا نفس نامطقہ میں اللہ
 اور فنا اور فنا الفنا کی حقیقت
 تعالیٰ نے دو قوتیں ودیعت فرمائی ہیں ایک فعلیٰ اور دوسری انفعالی۔ یہ دونوں قوتیں اکثر
 مساوی نہیں ہوتیں بلکہ عموماً کم و بیش کا توازن دکھائی دیتا ہے۔

۱۲۸۔ بعض میں مادہ فعلی زیادہ ہوتا ہے اور بعض میں مادہ انفعالی۔ فعلی قوت زیادہ ہو۔ تو
 اثر پذیری کم ہونے کی وجہ سے انسانی تعلق ذات ربّی سے کم ہوتا ہے۔ اور انفعالی قوت زیادہ
 ہو تو مجذوب ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور خدائی کھلونے کے سوا اُسے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ جو کچھ
 اس میں عکس ریزی ہوتی ہے۔ اس کی وہ جلوہ نمائی کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ مجذوب لوگ اتنے
 متاثر ہوتے ہیں کہ قوت فعلیہ کے تمام احکام (شرعیہ) اُن سے اٹھ جاتے ہیں۔ اور قوت انفعالی
 کام کر رہا ہو کر حشرہ کرامات ہو بیٹھتے ہیں۔

۱۲۹ الف۔ کامل ترین انسان وہ ہوتا ہے کہ جس میں یہ دونوں قوتیں مساوی ہوں۔ ایک طرف
 سے تو اس کی قوت انفعالی جذب اثر کرے۔ اور دوسری طرف قوت فعلی سے اپنے اثر کو دوسروں
 پر پہنچاتے۔ اور یہ سلسلہ فیضان الہی ہر گھڑی آبِ رواں کی طرح چلتا نظر آئے۔ لیکن
 ابتدائی منازل میں قوت فعلی بالکلیہ بیکار کر دینی چاہیے۔ کیونکہ جب انسان پیدا ہوتا ہے تو اُسے
 قوت فعلی سے زیادہ واسطہ پڑتا ہے۔ اور یہ قوت زور پکڑتی جاتی ہے اور قوت انفعالی بہت
 کمزور رہ جاتی ہے اس لیے قوت فعلی فوراً روک دی جاتی ہے۔ اور اگر روکی نہ جائے تو ایسے
 طریقہ پر چلائی جائے جو قوت انفعالی کے لیے ممد ہو۔ کیونکہ یکدم قوت فعلی کا روکنا محال ہے۔
 اس لیے پہلے ذکر پر توجہ کی جاتی ہے۔ اس کے بعد وقوف قلبی کی طرف، تاکہ قوت فعلی میں یکسوئی

۱۔ روح انسانی۔

۲۔ فعل کام کرنا۔ افعال اثر قبول کرنا۔

۳۔ عوہ الہی دیکھا اور عکس اتنا قبول کیا کہ عکس ہو بیٹھا۔ اب ظہور و اظہار اس کا نہیں اصل کا ہے یہ بیمار تو عکس ہے۔

۴۔ قوت فعلیہ کے بیکار کر دینے کا نام ہی فنا ہے۔ کامل پیر کی نظر اُکسیر کے اثر سے، ذکر کی کثرت سے اور مراقبہ کی کثرت سے

قوت فعلی بیکار ہو جاتی ہے۔

پیدا ہو۔ جب یہ یک سوئی کامل ہو جاتی ہے۔ تو قوتِ فعلی ایک خاص نقطہ دل میں محصور اور محدود ہو جاتی ہے اور یہ یکسوئی قوتِ انفعالی کی بنیاد قرار دے کر قوتِ فعلی کو ۱۲۹ ب۔ بالکل روک دیا جاتا ہے اور قوتِ انفعالی کا آئینہ (قلب) قوتِ فعلی کے خطرات سے آئینہ وار صاف کر کے عکس پذیری کے لیے آفتابِ حقیقت (ذاتِ محبت) کے سامنے کیا جاتا ہے جس کو صوفیائے کرام کی اصطلاح میں مراقبہ کہتے ہیں۔

دوئی کا احتمال کس طرح اور کب اٹھتا ۱۳۰۔ مراقبہ میں قوتِ انفعالی طاقت پکڑنے لگتی ہے۔ اور ہے اور کہ تجلی کا آئینہ مراقبہ ہے قوتِ فعلی یعنی خطرات نابود ہونے لگتے ہیں۔ جوں جوں قوتِ انفعالی میں طاقت آتی جائے گی۔ اثر پذیری زیادہ ہوتی جائے گی۔ یہاں تک کہ کوئی گھڑی تجلی کے بغیر نہ گذرے گی۔ آخر کار قوتِ انفعالی اس درجہ پر اثر پذیر ہوگی کہ دوئی کا احتمال اٹھ جائے گا۔ بلکہ انفعالی نسبت کا وہیم بھی نہ رہے گا۔

فنا اور فنا الفناء کے کہتے ہیں ۱۳۱۔ پہلی قوتِ فعلی کے فنا ہونے کا نام فنا ہے۔ اور دوسری قوتِ انفعالی کے گم ہونے کا نام فنا الفناء ہے۔

۱۳۲۔ قلب کے اندر نہ فعل رہتا ہے نہ انفعال۔ بلکہ فعل اور انفعال بلا واسطہ آپس میں جکڑے جاتے ہیں۔ اور نفس ناطقہ کا واسطہ درمیان سے اٹھ جاتا ہے۔ صاحبِ مثنوی فرماتے ہیں۔
تو باش اصلا کمال این است و بس۔ یہ قوتِ فعلی کے گم ہونے کا بیان ہے۔

اور وہ رو و گو شو وصال این است و بس اور یہ قوتِ انفعالی کے معدوم ہونے کا بیان ہے۔

۱۳۳۔ جب یہ دونوں قوتیں احاطہ قلب سے باہر ہو جاتی ہیں۔ تو انسانی تکمیل ہو جاتی ہے۔ دنیا و مافیہا سے الگ۔ نہ خوشی۔ نہ غم۔ نہ قوتِ فعلی کی رکاوٹ سے پریشانی ہوتی ہے۔ نہ قوتِ انفعالی کی اثر پذیری کی وجہ سے غم۔ ارشادِ باری عزّ اسمہ اسی تکمیل کے بارے میں وارد ہے۔

۱۳۳ ب۔ خوشی غم کا پاک ہونا انسانی تکمیل کا بلند درجہ ہے۔
مَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ

عراقبہ: نگاہ بانی۔ یہاں دل کی نگاہ بانی سے مراد ہے کہ دل متوجہ اور منتظر ہو کہ خزن انوار سے کیا نازل ہوتا ہے۔ اور محبت کے جہان سے کیا ملتا ہے۔

۱ اثر پذیری میں اتنی قوت آجائے گی کہ سالک پر انوار چھا جائیں گے اور کسی طرح محسوس نہ ہوگا۔ کہ ع۔ تو اور ہے میں اور ہوں

۲ فنا اور فنا الفناء کی خوبصورت اور جامع تشریح ہے مگر تو خود بالکل نہ رہی کمال ہے۔ جا اور اُس (محبوب) میں گم ہو جا ہی وصال ہے۔

۳ جو مصیبت اور جو حادثہ زمین میں پہنچا یا خود تھا ہے اندر جو کیفیت آئی یہ سب ایک کتاب میں ہے پیدائش سے پہلے اور یہ اللہ کے سامنے آسان ہے۔

تاکہ تم اپنے نقصان پر فسوس نہ کرو اور جو چیز تمہیں حاصل ہوئی ہے اس سے خوش نہ ہو۔

انسانی تکمیل کی انتہا کا مقام یعنی سلوک کی انتہا کا مقام ہے

إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَا إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ لَّكِن لَّا تَأْسُوا عَلَىٰ مَا قَاتَكُم وَلَا تَفْرَحُوا بِهَا إِنَّا كُنْمُ

۱۲۴۔ مصائب صرف دو قسم کے ہیں۔ ایک آفاقی اور دوسرے نفسی۔ لیکن اللہ کے بندوں
 ولی اللہ دنیاوی خوشی و غم سے پاک ہوتے ہیں [کو ان دونوں مصائب سے تکلیف نہیں ہوتی۔ نہ کسی
 چیز کے گم ہونے پر غم کھاتے ہیں۔ اور نہ کسی چیز کے حاصل ہونے پر خوش ہوتے ہیں کیونکہ انہیں
 یقین کامل ہو چکا ہے کہ ذاتِ ربی نے پہلے ہی فیصلہ کر دیا ہے جس میں ہمارا کوئی دخل نہیں۔
 ۱۳۵۔ پیغمبر اور رسول اپنے قوائے مذکورہ میں نہایت طاقتور ہوتے ہیں۔ اور ان کا تعلق اور پسوند
 نہایت جامع اور مضبوط ہوتا ہے۔ اس لئے انہیں متاثر اور موثر بننے میں وقت نہیں ہوتی ہے
 گو یادوں قوتوں کا جوڑ نہایت مضبوط ہوتا ہے۔ متاثر ہونا ہی درحقیقت فعل تاثیر پیدا کرنا
 شروع کر دیتا ہے۔

۱۳۶۔ اس لئے حکم ہوتا ہے۔ "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ۔ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُُّوحَىٰ"۔
 یہ قوت ارادی کے ظہور کا حکم تھا کہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا بلکہ وحی الہی سے۔ اور فعلی ظہور
 پر ارشاد ہوتا ہے۔ "وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ" (ترجمہ) آپ نے نہیں پھینکا
 جبکہ تم نے پھینکا بلکہ خدا نے پھینکا۔

۱۳۷۔ اولیائے کاملین کا بھی اکثر یہی حال ہوتا ہے جیسا کہ حضرت قبلہ مرشد رحمۃ اللہ علیہ
 کے حالات میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ آپ کی ہر حرکت، ہر فعل اس اثر پذیری کا نتیجہ ہوتا تھا
 جو علماء اعلیٰ سے وارد ہوتا تھا۔ اور اس میں بہت کم خطائیں ہوتی تھیں۔ اُلئے سیدھے
 ہاتھ کار گر ہوتے چلے جاتے تھے۔

۱۳۸۔ ہاں قوتِ فعلی کو روک لیا جائے۔ تو پھر قوتِ انفعالی کی تہ میں اتنی قوتِ فعلی پیدا
 ہو جاتی ہے کہ سنبھالنی مشکل ہو جاتی ہے اور جب کبھی بضرورت یا بلا ضرورت ایک ذرا سا

۱۔ اور وہ (نبی کریم) اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔ وہ تو وحی ہی ہوتی ہے جو ان کو کی جاتی ہے۔

۲۔ اور جب آپ نے (کنگدیاں) پھینکیں تو وہ اللہ نے پھینکیں۔

۳۔ ملا اعلیٰ فرشتوں اور ارواح کا جہان۔

۴۔ جب قوتِ ارادی کو روک لیا جاتا ہے اور اپنے آپ کو قضاۃ الہی کو ماننے کا خوگر بنا جاتا ہے تو جب کبھی ارادہ کسی وجہ سے اٹھتا ہے قضاۃ
 الہی بن کر اٹھتا ہے اور ارادہ ذات کی طرح عمل کرتا ہے۔ یہی کرامت ہے یا تصرف اولیاء اللہ۔

سورخ پا جاتی ہے تو ایک گھڑی میں عالم کون و فساد میں تلاطم پیدا کر دیتی ہے یعنی سنت اللہ کے خلاف (خرق عادت) عمل پذیر ہو کر وہ قوت باعث کرامت ہو جاتی ہے۔

۱۳۹۔ اسی وجہ سے جو اولیائے کرام اپنی قوتِ فعلی و انفعالی کو سمیٹے ہوئے خلوت نشین رہتے ہیں۔ وہ اپنے میں وہ قوت پاتے ہیں کہ چاہیں تو اڑیں۔ چاہیں غوطہ کھا جائیں۔ چاہیں تو خشک پاؤں دریاؤں سے پار نکل جائیں۔

۱۴۰۔ بخلاف ان اولیاء کے کہ جلوت میں آکر اپنی قوتِ فعلی کو کسی خاص مصرفِ شرعی میں صرف کر کے خلق اللہ کے مادائے اکمل بنتے ہیں۔ اور شریعتِ غزّٰی کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اس صورت میں ان کی قوتِ فعلی کا نکاس اور صرف ہر گھڑی اور ہر آن ہوتا رہتا ہے اس لئے یہ گروہ زیادہ کرامات اور عجائبات کا چشمہ نہیں رہتا۔ اس لئے شیخ الطریقۃ حضرت مولانا و مرشدنا حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ”ہماری یہ کیا کم کرامت ہے کہ ایسے عالی مضامین قدس بہ ہمارے نوکِ قلم سے نکلتے ہیں۔ جو سراسر میزانِ سنت کے برابر ہو کر اترتے ہیں۔“

۱۴۱۔ ذکر کے تمام مراتب لسانی۔ قلبی۔ خفی۔ اخفی۔ سلطان الاذکار قوتِ فعلی کے اندر ہیں اور مراقبات کے تمام مدارج (مثلاً دوائر۔ کمالات اور حقائق) قوتِ انفعالی کے زیر سایہ ہیں۔ اس لئے جو لوگ مراقبات میں بھی قوتِ فعلی سے کام لیتے ہیں وہ غلط طریقے پر کار بند ہیں۔ بلکہ طبیعت کو اثر پذیر (اور متوجہ ہونے) کے لئے مطلق چھوڑ دیا جائے تاکہ طبیعت خود بخود اپنے موتر سے بدل کر اپنے کیفیات ظاہر کرے۔ نہ یہ کہ وہی خیالات سے ایک وہی تصویر سالک کے سامنے کر دی جائے اور اس کے مطابق وہ اپنے خیالات کو اور توہمات کو چلا کر ایک خیالی کیفیت پیدا کر لے۔ ایسی وہی اور خیالی کیفیت سے بجز زبانِ وقت اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

۱۔ دنیا سے لائق ہونے والے اولیاء اللہ میں کرامات کا ظہور کثرت سے ہوتا ہے۔

۲۔ شریعتِ غزّٰی کی پیروی اور اس مقصد کے لئے دعوت دینا چونکہ ایک عظیم حجتہ ہے کمالاتِ بشری کا، اسلئے جن کو یہ دولت ملتی

ہے ان کی قوتِ فعلی اور قوتِ انفعالی کو چونکہ اپنے صرف کے لئے ایک وسیع میدانِ عمل ہوتا ہے۔ اس لئے خرقِ عادت

کی گنجائش نہیں رہتی۔

۳۔ ذکر کے مراتب اور طریقوں کی تفصیل۔

۱۴۲۔ موجودہ وقت میں بہت سے صوفی ہیں بلکہ متصوف جو سلوک کے تمام منازل طے کر کے وہی رہتے ہیں۔ جو پہلے دن وہ سلوک کی الفت۔ بے کے شروع کرنے میں ہوتے ہیں۔ حالانکہ دستار خلافت کا بوجھ سر پر اٹھائے ہوئے خلق اللہ کی ہدایت کے دعویدار ہوتے ہیں لیکن طبیعت میں اتنی افتاد بھی نہیں ہوتی کہ اپنی نامرادی پر تاسف کرتے ہوئے اتنا بھی منہ سے نکال کر اپنی تسلی کر بیٹھیں۔

دورِ گردوں گردِ روزے بر مرادِ مانگشت
داما یکساں منازد دورِ گردوں غم مخور

۱۴۳۔ یہ بھی یاد رہے کہ جس طرح قوتِ انفعالی چشمہ کیفیات ہے۔ اسی طرح قوتِ فعلی منبع اور مخزن انوارِ الہیہ ہے۔ ذکر کے تمام مراتب قلب کے اندر اور بشرے (چہرے) پر وہ انوار پیدا کر دیتے ہیں کہ دیکھنے والا محو حیرت ہو جاتا ہے۔ جو لوگ ذکر میں زیادہ تو غل رکھتے ہیں اور اس میں اپنا پورا انہماک رکھتے ہیں اور کمال دکھاتے ہیں۔ ان کے چہرے کی شعاع اول قلب کی حرارت سے دنیا مشتعل ہو جاتی ہے۔ اور دیکھنے والا پہلی نظر میں ہی مسحور نگاہِ ناز ہو کر گر پڑتا ہے۔ بخلاف قوتِ انفعالی کے کہ وہ محویت اور حیرت میں ڈالتی ہے اور حرارت اندرونی کو اندر ہی اندر جذب کر کے نیبانِ ماسوا کا آئینہ بنتی ہے۔ ظاہر بن نہیں دیکھ سکتا کہ صاحب کیفیت کس کیفیت میں جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو مراقبات میں اپنے وجود کو درجہ استہلاک تک پہنچا دیتے ہیں۔ ان کے چہرے اور بشرے اتنے روشن پُر ازا انوار نہیں ہوتے۔ ہاں چہرے میں صفائی اتنی ہو جاتی ہے۔ کہ دوئی کا رنگ اٹھ جاتا ہے وَاِذَا زُوِّا ذَكَرَ اللّٰهَ (جب ان کو دیکھو تو اللہ یاد آ جاتا ہے) کا مصداق ہو جاتے ہیں۔

۱۴۴ الف۔ اس تفصیل کے بعد میں اپنے حالات اور کیفیات میں جانا ہوں کہ جب قوتِ انفعالی کا آغاز ہو گیا۔ تو محبت جو لازمہ انفعال ہے میرے حال پر وارد ہو گئی۔ اور جو حال اور کیفیت

۱۔ زمانے کی گردش اگر چند دن ہماری مراد پر نہ چلی تو کوئی غم نہیں ہے۔ زمانے کی گردش ہمیشہ یکساں نہ رہے گی۔

۲۔ نگاہِ ناز کا جادو دکھا جاتا ہے۔

۳۔ استہلاک۔ فنا کر دینا۔ (لفظی معنی ختم ہونے کی خواہش)

۴۔ جب ان کو دیکھا جاتا ہے اللہ کریم یاد آتا ہے (یادِ الہی شروع ہو جاتی ہے)

(بقیہ صفحہ ۲۳۴ پر)

۱۴۴ ب۔ پیر و مرشد علیہ الرحمۃ مجھ پر وار دکر نا چاہتے۔ وہ فوراً آپ کے خیال اور آپ کی توجہ سے وار د ہو جاتی تھی۔ اور ذرا سی جنبش بھی اس وقت دل کی ٹھوکر کا باعث بن جاتی تھی۔ کوئی معمولی ذکر بھی چھڑ جائے۔ آنکھیں پرمٹم ہونے لگتی تھیں۔ یہاں تک کہ گاہے پیر و مرشد کی صورت میری آنکھوں کے سامنے ہو جاتی تھی اور گاہے آپ کا سینہ مبارک میرے سینے کے مقابل دکھائی دیتا تھا۔ کبھی درود شریف کو پڑھتے ہوئے ذاتِ اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سینہ بے کینہ مقابل ہوتا۔ اور فیوضات اور انوار چشمہ آفتاب کی طرح میرے سینہ اور قلب پر گرتے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔

مرشد کا اثر اور توجہ جس وقت زیادہ آ رہی تھی۔

۱۴۵ الف۔ نماز ادا کرتے ہوئے قبلہ کعبہ (بیت اللہ شریف) کو اپنے سامنے ہوتا تھا اس کے انوار اور اس کی حقیقت جامعہ بلا حجاب نظر آتی۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہ خیال کرنا، کہ ایک خیالی تصویر کو ٹھے دیواروں کی آنکھوں کے سامنے آ جاتی تھی۔ نہیں ہرگز نہیں۔ نہ دیوار

۱۴۵ ب۔ ہے نہ چھٹ ہے۔ کچھ اور ہے جسے اللہ تعالیٰ نے کعبۃ اللہ فرمایا۔ گاہے گاہے سجدے میں گرتے ہوئے حقیقت جامعہ کلیہ (ذاتِ بخت) نظر آ جاتی تھی۔ یہ ظاہری آنکھیں بند تھیں۔ وہ دوسری آنکھ ہے جو اُسے دیکھتی ہے یہ وہ دیکھنا نہیں۔ جو دل دیکھنا ہے اس میں خیال کو گنجائش نہیں۔ وہم کو تعلق نہیں بلکہ یہ وہ ظہور ہے۔ جس کے بارے میں خود اس ذاتِ باری عز اسمہ کا ارشاد ہوتا ہے۔ حَتَّىٰ يَتَّبِعِنَ لَهْدَاتِہُ الْحَقُّ۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ حق عز اسمہ ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کیونکر یہ ظہور ہے غیبی ہے۔ قلبی ہے یا بصارتی ہے۔

حقیقت جامعہ کلیہ یعنی ذاتِ بخت کا ظہور

۱۴۶ الف۔ اگرچہ پہلے ذاتِ بابرکات کی بابت بہت سے شکوک پیدا ہونے لگے تھے۔ لیکن اس ظہور حق کے بعد شکوک نہیں رہا کرتے۔

تَبَّتْ بَيْنَ ظُہُورِہُ کے بعد کوئی شک نہیں رہا۔ جس طرح ایک انسان اپنے مشاہدات کے لئے کسی دلیل کو پیش کرنا نہیں چاہتا۔ اسی طرح اس تبَّت کے بعد کسی دلیل کسی حجت کی ضرورت اسے مولا کریم کی ذاتِ بابرکات کے لئے نہیں رہتی بلکہ اس کا ظہور اُس کے وجود بلکہ اُس کی

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۲۳۳)

۵۔ جب ذکر اذکار اپنا کام کر چکتے ہیں اور طبیعت یک سو ہو جاتی ہے تو روحانی اثرات اور کیفیات مجسم ہو کر سامنے آتے ہیں۔

۱۔ ذاتِ بخت۔ حقیقت جامعہ (ذاتِ الہی)

۲۔ یہاں تک کہ اُن پر یہ واضح ہو جائے کہ وہی حق ہے۔

حقیقت پر خود شاہد ہو جاتا ہے لیکن اس شغل میں میری قلبی توجہ ہر وقت ہر آن اس کی طرف رہا کرتی تھی۔ بلکہ یوں سمجھیں کہ میری نظر فکری ہر وقت ماہیت قلب پر تھی اور قلب کی آنکھ اس کے دیدار فیض آثار کی منتظر۔ اکثر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حقیقت قلب سے ایک رشتہ نکل کر اس کی ذات کی طرف جاتا ہے لیکن دوسرے سرے کا پیوند نظر نہیں آتا۔ بعد میں ایسا معلوم ہونے لگا۔ کہ حقیقت جامعہ انسانی (قلب) آئینہ وار ہر وقت اس کی شعاع پذیری کے لئے مقابل رکھا گیا ہے۔ اور ہر گھڑی فیوضات حاصل کرتا ہے۔ یہاں پہنچ کر الہام کی حقیقت روشن ہو گئی کہ خیال و ہم آہم ۱۴۶ ب۔ الہام میں کیا فرق ہے جس طرح خود ذات باری عز اسمہ کا ظہور دیکھنے کے بعد شک نہیں رہتا۔ اسی طرح اس تناجی (الہام) کا بالکل ٹھیک نہیں ہوتا۔ ہاں بعض احباب کو ضرور دھوکا لگ جاتا ہے کہ وہ الہام اور الہام میں فرق نہیں کر سکتے کیونکہ وہ توازن حقیقی کو بھول جاتے ہیں۔ اور اپنی خودی میں آجاتے ہیں۔ ان کے پاس نہ ظہورِ حق کی جلوہ نمائی ہوتی ہے نہ الہام کا اثر درست ہوتا ہے۔ دھوکا کھانے والے بہت ہیں! اور توازن کرنے والے کم ہیں۔ اس لئے مجددِ طریقہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جو الہام میزانِ شریعت میں پورا نہ اترے وہ مردود ہے۔

۱۴۷ الف۔ اسی موقعہ پر سیر نظری ہوئی کہ نہ وجود کا پتہ ہے نہ خیال کا پتہ ہے۔ نہ وہم کا گمان ہے بلکہ معلوم نہیں کہ کیا چیز ہے کہ اڑتی ہوئی تیز از نظر جا رہی ہے۔ یہاں نہ فوق ہے نہ تحت نہ جنوب نہ شمال۔ تاہم طیران برابر جا رہی ہے انتہا نہیں کہ کھٹ جائے۔ اس موقعہ پر یہ راز کھل جاتا ہے۔ کہ سرورِ کائنات مفرج موجودات جب شبِ معراج میں براق پر سوار ہو کر شمسِ جہت سے نکل گئے۔ تو کس سمت آپ کی سیر ہوئی۔ اور کہ ذاتِ بحت بلا مت ہے۔ پھر کیونکر سیر براقی ہوئی۔ ۱۴۸ ب۔ لیکن یہ نہیں جانتے کہ محدود کے اندر بلا جہت چلنا مشکل ہے لیکن جہاں حد نہیں جہت نہیں۔ وہاں سمت پر چلنا کیسا جیسا کہ ہمارے تصور میں کسی فضائے غیر محدود کا تصور مشکل ہے۔ اسی طرح غیر محدود فضا میں بلا جہت بلا سمت سیر محال معلوم ہوتی ہے۔ لیکن

خیال و ہم آہم اور الہام میں کیا فرق ہے اور کس طرح کا نہیں لگتا۔

معراج پر شمسِ جہت بلا سمت چلنے کی حقیقت

۱۔ حقیقت جامعہ انسانی۔ انسان کا قلب حقیقت ایک آئینہ ہے جو انوارِ الہی کا عکس قبول کرتا ہے۔ الہام آسمانی فیصلے دل پر منکس ہونا۔
 ۲۔ الہام اور وقت و اہم کی تخیل میں کافرانی کا فرق یہی ہے کہ الہام کی صحت کے لئے شریعت کا پیمانہ موجود ہے اور وہم کے لئے کوئی ترازو نہیں۔
 ۳۔ الہام بے خودی کا ایک اثر ہوتا ہے اور چونکہ بے خودی کی بات کا یقین مشکل ہے، اس لئے شریعت کی کسوٹی پر پرکھ کر اس کا کھرا پن دیکھ لینا چاہیے۔
 ۴۔ ہمارے عقل ہماری بصیرت لوازمات کی قید میں ہے خود الفاظ معانی کے لئے ایک قید ہیں غیر محدود کا خیال ہمارے وہم کی گرفت سے بالاتر ہے اس لئے یہی کہا جاسکتا ہے کہ کیفیات کے عالم میں الفاظ کی محسوریت ایک ایسی تنگی ہے جو معانی کو برداشت نہیں کر سکتی۔

دنیاوی انسان غیر دنیاوی کسی چیز پر کوئی صحیح رائے قائم نہیں کر سکتا | ۱۴۷ ج۔ لیکیں گئے لامکاں کا تصور میں لانا محالات سے ہے اسی طرح محدود کو غیر محدود پر کسی کلیہ کا قائم کرنا محالات سے ہے۔ اور قیاس مع الفارق ہونے کی وجہ سے یہ دنیاوی انسان غیر دنیاوی کسی چیز پر کوئی حکم صحیح یا غلط قائم نہیں کر سکتا۔

۱۴۸۔ ہاں یہ امور اس وقت کھلتے ہیں کہ جب سالک محدود چاہنچتا ہے تو ناممکن ممکن ہو جاتا، دنیا کے دائرہ سے نکل کر طیران کرتا ہے تو یہ تمام ناممکنات ممکنات کی صورت میں عیاں نظر آتے ہیں۔

۱۴۹۔ اس وقت طبیعت میں اتنی وسعت ہو گئی کہ اپنے رگ دریشہ میں بھی نظر دوڑتی پھرتی ہے سینہ کا تمام باطنی پہلو آنکھوں کے سامنے رکھا ہے سینہ اتنا صاف ہے کہ ذرا بھی شکن (خیال) نہیں جو چیز سامنے آجاتی ہے اس کی حقیقی تصویر سینہ کے اندر بلا تفکر داخل ہو جاتی ہے۔ نہ مراقبہ کی ضرورت ہے نہ آنکھیں بند کرنے کی۔ بلکہ بلا اختیار بالمقابل (شخص) چیز یا نفس کے اثرات تمام وجود پر طاری ہو کر اس کی حقیقت کا نمونہ خود اپنی ذات ہو بیٹھتی ہے۔ اپنے اندر کچھ نہیں محبت ہے تو عکس غیر عکس ہے تو اثر غیر کلمات فحش زبان پر آجاتے ہیں۔ تو بلا اختیار اور ذکر اختیار زبان سے نکلتا ہے تو بلا ارادہ۔

۱۵۰۔ اکثر دست گنتے ہیں کہ مجذوب لوگ گالیاں زیادہ دیتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں جانتے۔ کہ اس میں ان کا کیا دخل۔ جیسے لوگ ان کے سامنے جاویں گے۔ ویسا ہی وہ گھلیں گے۔ ایک منقہ یا ولی کے سامنے ان کی کیا مجال کہ ایک لفظ بھی غیر شرع منہ سے نکال جائیں۔ ۱۵۱۔ یہاں پر یہ بھی سمجھ میں آگیا ہوگا۔ کہ کشف کیا چیز ہے اور اس کی کیا حقیقت ہے اور کیونکر کشف حال یا صاحب کشف باطنی امور سے باتیں کرتا ہے۔ مجھے ایک زمانہ یہ معہہ گردش دیتا رہا۔ لیکن جب یہ حقیقت عیاں ہوئی تو ان مغیبات پر حکم لگانے والوں کو بھی اس ذات بخت

یعنی سالک ایک آئینہ بن جاتا ہے طبیعت کی وسعت اور اس کے نتائج

مجذوب کی گالیوں کی وجہ۔ فلسفہ کشف اور اس کی حقیقت

۱۔ جب سالک کی پرواز بلند ہوتی ہے تو سفلی عالم کی تمام قیود سے اس کی روح آزاد ہو جاتی ہے۔ اور اس کی ہر کیفیت عالم بالا کی کیفیت کا درجہ رکھتی ہے یہ حقیقت سمجھنے کے قابل ہے۔ سمجھانے کے قابل نہیں۔
۲۔ مجاذیب کا وجود ایک آئینہ بن جاتا ہے۔ جو چیزہ مقابل آئے اس کی تصویر اُتار لے۔ مجاذیب کے سامنے جیسے آدمی آئیں گے ان کا قلب ان ہی کی کیفیات قبول کرے گا۔

(بقیہ صفحہ ۲۳۷ پر)

عزاسمہ و برہانہ کے سامنے ایسا پایا۔ جیسا کہ دوسرے عوام کو۔ وہ ایک دُور بینی شیشہ ہے کہ جس پر دُور کے خاکے قریب تر ہو کر دکھائی دیتے ہیں۔ اور تصویر صاف ہو جاتی ہے۔ ورنہ دراصل چیز اس سے بھی اتنی ہی دُور ہے۔ جتنی اس کے پاس بیٹھنے والوں سے یا ایک آئینہ ہے کہ جس سمت کو مقابل کیا جاتا ہے۔ اس سمت کا عکس بعینہ اس میں آ جاتا ہے۔ اور دیکھنے والے کو بالکل ہر ایک چیز قریب نظر آتی ہے۔ لیکن حقیقت صاحب نظر کو حقیقی دیدہ نمائی اتنی ہی مشکل ہے جتنی کہ ایک دُور سے آئینہ میں نظر نہ ڈالنے والے کو۔

۱۵۲۔ اس حالت میں جو آدمی میرے ملنے کے لئے میرے پاس آتے تھے۔ میں ان کا رنگ قبول کر جاتا تھا۔ چنانچہ ایک بار میں لاہور حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جا رہا تھا کہ راستہ میں ایک میرے مکرّم مقرر صاحب کی ملاقات ہو گئی۔ لیکن ملنا ہی تھا کہ خاموش زبان چلنے لگی۔ اور ایسی بے لگئی کہ الامان! وہ غائب بھی ہو گئے لیکن یہ اثر لاہور تک جاری رہا۔ حالانکہ میں حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے آخری مرض کی عیادت کے لئے جا رہا تھا۔ جس کی وجہ سے مجھے غم لاحق حال تھا۔

۱۵۳۔ اس پر یہ سوال پیدا نہ ہو کہ گاڑی میں اور لوگ بھی تھے۔ ان کا اثر کیوں طبیعت نے قبول نہ کیا۔ کیونکہ جس کی طرف طبیعت متوجہ نہ ہو اس کا اثر بالکل خراب و خود بخود وارد حال نہیں ہوتا۔ بلکہ جس وقت طبیعت متوجہ ہوتی ہے اور متوجہ الیہ کا تمام عکس طبیعت پر منعکس اور منطبع ہو جاتا ہے اور بس۔

۱۵۴۔ ایک بار حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ضلع گجرات کے رہنے والے ایک دوست کا خیال تسنانے لگا۔ ہر چند ایسے خیالات وہاں بے ادبی تھی۔ میں اس کے دفعیہ کے لئے اپنی پوری کوشش کرتا تھا۔ لیکن متواتر تین دن وہ خیال مجھ سے دور نہ ہو سکا۔ آخر سوچنے کے بعد خیال آیا۔ کہ اس کے خیال کا عکس یہ خیال ہے۔ جب وہ خیال (یا دگیری) سے

(بقیہ ماضیہ صفحہ ۲۳۶)

۱۵۳۔ یہاں کس خوبی سے سخن اقرب الیہ من جبل الوریث کی لطیف تفسیر بیان ہو گئی ہے۔ کہ ذات بحت کا قرب بعد اپنے ہی اندر ہے۔ عوام کا احساس بیدار نہیں خواص اور مقربین کا احساس بیدار ہے۔ اسی احساس کی بیداری سے قرب محسوس ہوتا ہے ورنہ وہ ذات رحیم مطلق تو اپنی رعایتوں کے ساتھ ہر کہیں موجود ہے۔ اور اُس کے انوار ہر ذرہ سے قریب۔

نہ ہٹے گا۔ یہ خیال مجھ سے دور نہ ہوگا۔

۱۵۵۔ آخر دنیاوی گردشوں کی وجہ سے جب اُس کے خیال نے پلٹا کھایا۔ تو جب سے مجھے

بھی اس کے خیال نے آکر کبھی نہیں ستایا۔ سوائے اس کے کہ میں اس کی حقیقت عیاں کر دوں

۱۵۶۔ اگر مرشد کامل و مکمل ہو۔ تو اس حال پر پہنچ کر سالک نہایت جلدی اور زودی سے اپنے

منازل کے طے کرنے میں ترقی کرتا ہے۔ کیونکہ پیر و مرشد کے خیال سے ہی یہ سالک پہاڑ جیسی

بلند چوٹیوں پر جا چڑھتا ہے اور دریا جیسی گہرائیوں میں غوطے مارنے لگتا ہے۔ اور کھوڑے

دنوں میں گوہر مقصود کو حاصل کر لیتا ہے۔

۱۵۷۔ لیکن بد قسمتی سے اگر پیر و مرشد مکمل کے جہان سے نہیں۔ تو پھر سالک کا تمام کیا کرایا اکارت

جانا ہے۔ کبھی کشف قبور میں پڑ گئے۔ اور کبھی کشف عیانی میں۔ اور نہ اس بیچارے کو خود معلوم

ہوتا ہے کہ مجھے اب کیا کرنا ہے اور اب میں کیا ہوں۔ جو دوست پہلے گمراہی و ہمتیات سے

بچے تھے۔ اب اُن کا بچنا نہایت مشکل ہے۔ ہاں اس ورتہ منطقت سے نکل گئے تو پھر کامیابی

ہی کامیابی ہے۔

۱۵۸۔ اس حالت میں حالت شہود پیدا ہو گئی۔ ہر گھڑی ہر آن بلا تفکر بلا تخیل اسی ذات

حق کی جلوہ نمائی ہے۔ اور وہ راز کھل گیا۔ جو کہ ارشاد کی صورت میں حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ

نے بایں الفاظ فرمایا تھا۔ کہ ”حضرت صاحب بیرل والا نے تو کبھی نہاتے وقت بھی ٹوپی نہ

اتاری تھی“۔ (ملفوظ) یعنی کیفیت شہود اس درجہ پر تھی۔ کہ کوئی امر خلاف شہود سرزد نہ

ہوتا تھا۔ بلکہ جب آپ کی آنکھ نیند میں گم ہو جاتی تھی۔ تو بیداری پر اس خواب اضطرابی کو

گناہِ عظیم جان کر بایں الفاظ استغفار فرمایا کرتے تھے۔

اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي بِاسْمِكَ وَاسْمِ حَبِيبِكَ

یا اللہ اپنے نام کی طفیل اور اپنے حبیب کے نام کی طفیل میرے گناہ بخش دے۔

۱۔ طبع کی صفائی اور مرشد کامل یہی دو چیزیں ایسی ہیں جو معرفت کے کمال کی ضمانت ہیں ذہانت کامل اور استاد مکمل ہو تو پھر تعلیمی دشواریاں کتنی آسان ہو جاتی ہیں۔
۲۔ گناہ جمع کامل۔ اگر سالک محنت کرے بھی لیکن شیخ کا کمال اس کی طبع کی بندی کا ساتھ نہ دے تو پھر فریب بیچارہ کشف و عنسیہ کے کھلونوں میں پھنس جاتا ہے۔

۳۔ شہود۔ حضوری یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے ہونے کے تصور میں نچسکی آجانا۔

۴۔ الہی مجھے معاف فرمادے اپنے نام پاک کے صدقے اور اپنے حبیب پاک کے اسم کے صدقے۔

۱۵۹- حضرت قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شہود بھی اس درجہ تھا کہ ہمیشہ دوزانوہ
ہمیشہ خائف، ہمیشہ مودبانہ لباس میں کبھی بھی آپ کی چوٹی ٹنگی نہ ہوتی۔ یہی حالت آنحضرت
قدوة السالکین حضرت جد امجد علیہ الرحمۃ کی تھی۔

۱۶۰- اس حالت میں آکر میری اپنی ہی حالت ہو گئی جب کبھی غفلت وارد ہو جاتی تو زائل
ہونے پر فوراً قبلہ رخ دوزانوہ ہو جانا تھا میرے ننگا ہونا اتنا برا معلوم ہوتا جتنا سفر کے بغیر
ہونا۔ یہی وہ مقام ہے کہ ارشاد باری عز اسمہ ہے۔ اَلَمْ يَكُنْ بِرَبِّكَ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ شَهِيدًا +

۱۶۱- ”ظہور حق“ میں عام جلوہ نمائی تھی۔ اب خاص ہے۔ وہاں بعد تھا۔ یہاں قرب ہے
وہاں حقیقت حقاہیت کا ظہور ہے۔ یہاں حقیقت ربوبیت کا شہود ہے۔ ان دونوں مراتب
میں بہت بعیدہ مسافت ہے اور لاکھوں تفاوت۔

۱۶۲- یہ بھی یاد رہے کہ ہر سالک کا گذر اس مقام سے ہوتا ہے لیکن شہود بطور مقام کسی صاحب
قسمت کے حصہ میں آتا ہے۔ ہر ایک کو یہ درجہ نصیب کہاں؟ کہ ہمیشہ کا شہود اسے حاصل
ہو اور ہر وقت حضورِ ربی کے جلوے بر ملا دیکھے۔

۱۶۳- اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ یہ درجہ منازل عروج کا مقام ہے اور جب تک نزول بعد عروج
نہ ہو۔ سالک اپنے مقصود کو نہیں پہنچتا۔ لیکن نزول میں یہ درجہ نہیں ہوتا۔ مگر یہ غلط ہے۔
بلکہ شہود اگر دائمی ہو جائے تو یہ تمام منازل سے بلند مقام ہے اور یہ اس شہود سے الگ ہے
جو کہ منازل عروج کے اندر سالک کو پیش آیا تھا۔ اس لئے تفصیل کسی دوسرے مقام پر
کی جائے گی۔

۱۶۴- اس حالت میں جب حضرت میاں صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔
آپ نے ایک دو بار توجہ فرمائی۔ حالت نے فوراً اپنا قدم چوٹی پر جا رکھا۔ اب کیا ہے۔ نہ

۱- تجھے اپنے اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کے پاس یہ کافی نہیں کہ وہ ہر چیز پر حاضر ناظر ہے۔
۲- یہاں ظہور حق سے مراد حقیقتیں ہیں انہ الحق کے ظہور کا بیان ہے اور علیٰ کل شئی شہید کا مقابلہ ہے کہ وہ
ظہور حقاہیت کا ظہور تھا جو یقین کی جان ہے اور یہاں ربوبیت کا ظہور ہے کہ جسم جان ہر لمحہ ہر آن اُس کے فیض سے مستفیض
ہے اور اس عقیدے کے یقین اور اس عمل کے یقین میں فرق ہے۔ ربوبیت مطلقہ تو ذرے ذرے میں کارفرمانظر آتی ہے۔

جوش ہے۔ نہ کیفیت ہے نہ خیال ہے نہ وہم ہے نہ ذکر ہے نہ فکر۔ گھنٹہ نہیں دو گھنٹے نہیں۔
 پہروں بلکہ دنوں گذر جاتے ہیں۔ لیکن باوجود ہوش کے یہ معلوم نہیں کہ میں کس حال میں
 ہوں۔ کئی بار جھنجھلا کر ذکر و فکر کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ لیکن بے سوہ سے دوپہر سوجھتی
 ہے۔ اور دوپہر سے شام۔ لیکن یہ حالت بدستور قائم ہے۔ افعال کے سوا باطن بالکل کورا۔
 نہ فعل ہے نہ افعال۔ قلب ان تمام صفات سے معرا اور پاک ہے۔ اب یہ انجذاب اس درجہ
 پر پہنچ گیا ہے

تو دروگم شو وصال این است و بس

اس حال میں اگر شہودی کیفیت بھی گم ہو گئی۔ نہ ذکر ہے نہ ذکر۔ نہ مذکور کا علم بلکہ
 مذکور ہی مذکورہ گیا۔

۱۶۵۔ تاہم پریشانی تھی۔ کہ یہ کیا ہو گیا اور کیوں ہوا؟ آخری توجہ فرمائی گئی تو پھر سینہ
 کے اندر گھنٹک ہی گھنٹک دکھائی دیتی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پیر و مرشد علیہ الرحمۃ
 کا سینہ بے کینہ پاک و صاف میرے سینہ کا غلاف ہے اور میرا سینہ اٹھا لیا گیا۔

۱۶۶۔ پہلے تو مجھے خوف ہوتا تھا کہ ذکر کے سوا خیال نہ آئے۔ لیکن ہزاروں خیالات
 جسم غفیر کی شکل میں آتے جاتے تھے۔ اور حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ بھی حسب کیفیت اشارہ
 فرما کر ہدایت فرماتے تھے۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا۔ لیکن اب آپ عین کی طرح تمام سینہ صاف
 ہے۔ اور نام تک کو توجہ نہیں۔ آپ گھنٹوں مراقب رہے لیکن میری حالت میں کوئی تغیر
 نہیں۔ نہ جوش ہے نہ بے آرامی۔ بلکہ خیال کی جنبش تک نہیں۔ آپ نے سہراٹھایا تو خوش
 اور کچھ خلاف معمول نہ فرمایا۔

کیفیت وصال میں دوئی | ۱۶۷۔ یہ وہ حالت ہے کہ جس کے بارے ارشاد فرماتے ہیں کہ شہود کی
 کا خیال اٹھ جاتا ہے۔ | جلوہ نمائی سے جو شک پیدا ہو گیا کہ وصال ناممکن ہے۔ نہیں بلکہ

۱۷۰۔ تو اس ذات میں گم ہو جا بس یہی وصال ہے۔

۱۷۱۔ وصال کا اور کمال کا ایک نقشہ کہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ گھنٹوں متوجہ رہے

لیکن پہلی ہی حالت ہے کوئی توجہ جسم و خیال میں نہیں۔

الَا اِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ۔ اب ساک اس کی ذات میں محاط ہو گیا۔ اور اس کی ذات احاطہ کنندہ (محیط) یہاں آکر دوئی اٹھ گئی۔ شہود میں دوئی تھی۔ اب دوئی کا علم نہیں رہا۔ گو کہ درحقیقت دوئی ہے یا نہیں علیٰ خلافِ القَوْلِیْنِ۔

کیفیت وصل کا نقشہ
۱۶۸۔ غرض قوتِ انفعالیہ بھی کم ہو گئی۔ اور اسی کی ذات وحدہ لاشریک رہ گئی۔ اس حالت میں آکر گذشتہ کیفیات معدوم ہو گئیں۔ اب خیالات آتے ہیں تو آئندہ وقوع پذیر ہونے والے امور۔ بلاخیال۔ بلافکر۔ جو خیال بھی آتا ہے وہ ہو کر گذرتا ہے۔ اگر دعا اٹھتی ہے تو بلاسبب۔ اور بد دعا نکلتی ہے تو بلاوجہ۔ نہ سائل موجود ہے نہ مسئول۔ خود بخود خیال آتا ہے۔ یہ کام ہو جائے اور یہ نہ ہو وے۔ لیکن اس کے فائدہ مند اور غیر مفید ہونے سے تعلق نہیں۔ دنیا سے بے تعلق کمال درجہ پر ہو گئی۔ لیکن پھر تعلق بھی ہے کسی سے بات چیت کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ لیکن اندر ہی اندر تعلق خاشخ بھی ہے۔

وصل کے حال میں ساک کا خیال کائنات کا بیج ہوتا ہے ۱۶۹۔ اس وقت جس امر کے لئے اضطراب پیدا ہوا یعنی تغیر نفسی کے ساتھ تغیر عالم وابستہ ہو جاتا ہے وہ ہو کر رہا۔ اور جس امر کے لئے توجہ نہ اٹھی، وہ اُدھور اسی رہا۔ خواہے اپنے ہاتھ پاؤں کام میں مشغول بھی ہیں۔ اپنے نفع و نقصان سے کوئی واسطہ نہیں۔ اب چند مثالیں اس کیفیت کے ظاہر کرنے کے لئے لکھتا ہوں۔

۱۷۰۔ تقریباً چھ ماہ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے وصال سے پیشتر حضور کا خیال آئے اور دل چاہا کہ عرضیہ خدمتِ عالیہ میں لکھوں جس کا عنوان یہ ہے

تنت بنا ز طبیبیاں نیاز مند مباد
وجود نازکت آزرده گزند مباد
سلامت ہمہ آفاق در سلامت بست
بہ هیچ عارضہ شخص تو در د مند مباد

پھر کہوں کیسا باؤلہ ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہیں۔ اور تو یہ لکھنا چاہتا ہے۔ لیکن آخر وہی ہوا جو دل نہ چاہتا تھا۔ اور تمام دنیا کی سلامتی جاتی رہی۔ بیٹھے بیٹھے خیال آیا۔ کہ اس وقت

علاخبردار بیشک وہ ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔

علا مقام شہد میں شاہد اور مشہود میں لیکن مقام وصل میں مجرب حقیقی کی ذات کا جسم روح پر احاطہ ہے اور من تو شدم تو من شدی کا نقشہ۔

علا دوئی کے متعلق بزرگوں کے دو قول ہیں۔

علا تیرا جسم خدا کرے طبیوں کے ناز نہ اٹھائے۔ اور تیرے نازک وجود کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ تمام جہان کی سلامتی تیری سلامتی میں ہے۔ خدا کرے

تیرا وجود کسی عاصی سے بیمار نہ ہو۔

میاں کرم دین اور مہر نواب خان لنگر کی خدمت کرتے ہیں۔ ایک جانی اور دوسرا مالی۔ جب نہ ہوں تو گذران کیونکر ہوگی۔ ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ کے اندر مہر نواب خان مرحوم انتقال کر گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ گویا یہ خیال ایک آئندہ آنے والے واقعہ کی دھندلی تصویر تھی۔ مرحوم عابد کی وفات سے پیشتر اذیت کے بعد الموت کے مشکلات میرے سامنے اکثر آجاتے تھے۔ ہر چند اس خیال کو دور کرتا تھا۔ لیکن دل سے نہ جاتے تھے۔ آخر وہی ہوا جو لفظ آتا تھا۔

۱۶۱۔ حضرت قبلہ مرشد مروجی فداہ جب بیمار ہوئے صحت کا کبھی خیال نہ آیا۔ ہر چند احباب کو امید تھی۔ کہ آپ صحت یاب ہوں گے۔ لیکن میرے دل نے کبھی اطمینان ظاہر نہ کیا۔ بلکہ یہی خیال دامنگیر رہا۔ کہ مرکزِ خلافت کا کام کیونکر چلے گا۔ اور دل نے کبھی بھی اضطراب ظاہر نہ کیا۔ حالانکہ اس سے بڑھ کر میرے لئے کوئی مصیبت نہ تھی۔

صَبَّتْ عَلٰی مَصَابِئِ لَوْ اَنْتَہَا

صَبَّتْ عَلٰی الْاٰیَا مِ صِرِّوْنَ لِبَا لِبَا

۱۶۲۔ ہمارے حجام کا معصوم لڑکا جل گیا۔ جماعت نماز قائم ہونے کو تھی کہ اس سے کسی نے حالت پوچھی۔ دل میں خیال آیا۔ کہ اگر مرغ کا گوشت طلبہ کو کھلا دے تو اچھا ہو جائے گا۔ کیونکہ کیا بچہ کسی غریب مفلس کو ملے۔ تو خوش ہو کر دلی دعا دیتا ہے چنانچہ اسے کہا گیا۔ اُس نے ایسا ہی کیا۔ قدرتِ خدا۔ لڑکے کی حالت اچھی ہونی شروع ہو گئی۔ اور چند دن کے اندر صحت یاب ہو گیا۔

۱۶۳۔ ایک دوسرے جوان کی بیماری کسی اجنبی نے بیان کی۔ نماز پڑھتے وقت خیال آیا۔ کہ اچھا جوان تھا۔ اچھا ہو جاتا تو اچھا تھا۔ حالانکہ وہ حالتِ یاس پر پہنچ گیا تھا۔ لیکن خیال آتے ہی دل نے یہ بھی فیصلہ سنا دیا۔ کہ یہ اب مرتا نہیں۔ خیالِ صحت

۱۔ حضرت محمد عابد، قبلہ عالم (مصنف) دام ظلہ کے جان نثار بھائی۔

۲۔ مجھ پر ایسے مصائب آئے اگر وہ روزِ روشن پر آتے تو وہ

شب تار بن جاتا۔

اس کی صحت کی دلیل ہے۔ چنانچہ حالت بدلتی شروع ہو گئی اور چند دن میں بالکل شفا یاب ہو گیا۔

۱۶۴۔ ان واقعات سے احباب کو پتہ لگ گیا ہو گا۔ کہ اجابت کیا چیز ہے۔ کشف کیا چیز ہے اور ساک یا عارف کا تعلق ان امور پر کتنا ہے اور کہ ذاتِ ربی سے اُسے کیا نسبت اور کیا تعلق ہے۔
 ۱۶۵۔ ساک باوجودیکہ جانتا ہے کہ میرا ارادہ ازلی ہے۔ میرا خیال اُس کی ذات کا عکس ہے۔ میرا فعل اُس کا فعل ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی جانتا ہے کہ میں ہیچ ہوں۔ میرے اختیار اور قبضہ میں کچھ نہیں۔ میری بکسی عوم سے بڑھ کر مولائے کریم کے سامنے ہے۔ جو چڑیا اندر بول رہی ہے۔ وہ کچھ اور ہے۔ میرے کہنے اور سمجھنے کی بات نہیں بلکہ عوم سے بڑھ کر وہ اپنے وقت اور ذوالجلال سے ڈرتا ہے۔ جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ میرا کہنا دہنیں کیا جانا۔ وہاں اُسے یہ بھی یقین ہے کہ میری حقیقت اُس کے دربار میں ہیچ سے بھی کم ہے۔

فَتَدَبَّرْ فِي هَذِهِ الْأَسْرَارِ

۱۶۶۔ سو نسبت کا انتہائی اتصال اُس وقت ظاہر ہوا۔ جس وقت حضور قبلہ روحی فداہ کا وصال ہو گیا۔ تعجب یہ ہے کہ جب مرض الموت میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو طبیعت بہت گر گئی۔ بلکہ نماز کی حالت اتنی پست ہو گئی کہ عوم کا درجہ بھی اس سے زیادہ بلند ہو گا۔ لیکن جوں ہی آپ کا وصال ہوا تو نسبت اتنی بلند ہو گئی۔ کہ تمام مقامِ بلند بھی پست رہ گئے۔ اب نہ فکرِ امروزہ ہے نہ غمِ فردا۔ اسی دوست مہرِ نواب خاں کے جنازہ پر جا رہا ہوں لیکن ذرہ بھر بھی احساسِ طبیعت پر نہیں۔ کیونکہ ہستی و نسبتی کا تلازمِ دل کے اندر پیوستہ ہے بے تعلق ہے تو اتنی کہ بیگانے بھی بیگانے دکھائی دینے لگے۔ طبیعت بلند کہ دنیا زبرد نظر آئے جو کچھ زبان پر آتا ہے وہی ہوتا ہے۔ جو کچھ دل ناپسند کرتا ہے وہی نا تمام رہتا ہے۔ عزیز کے لئے ذلت۔ اور ذلیل کے لئے عزت دی جا رہی ہے۔ گاہے دشنام پر خلعت ہے۔

۱۔ کامل عارف کا عرفان متغنا کیفیات رکھتا ہے۔ کہ ارادہ ہے قدرت اور طاقت ہے۔ لیکن اس کے باوجود اپنا کچھ نہیں نہ اختیار نہ طاقت نہ اُس کا استعمال۔ جو کچھ ہے اُسی ذاتِ اقدس کے اختیار میں ہے۔

۲۔ ان اسرار و رموز میں غور کیجئے۔

۳۔ حدیث قدسی ہے۔ کہ بندہ جب مقامِ قرب میں پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ مجھ سے مُسْتَا ہے اور مجھ سے دیکھتا ہے۔

اور گاہے سلام پر بخش۔ سچ تو یہ ہے کہ ایک بادشاہ کی طاقت ایک گداگر کے اندر اس وقت
موجزن ہوتی ہے۔

گدا بادشاہ است و نامش گدا

کہنے کا پتہ اس وقت معلوم ہوا۔ دنیا کی کوئی مہیب سے مہیب چیز اسے ڈرا نہیں سکتی
اور کوئی خوفناک سے خوفناک شے اسے خون زدہ نہیں کر سکتی۔

۱۴۶۔ اس وقت فعل اور انفعال سالک کے تصرف سے نکل جاتا ہے۔ اور یہ دونوں
قوتیں حضرت رب العزت کے کامل تصرف میں آجاتی ہیں۔ جس میں کسی دوسرے
کی شرکت نہیں ہوتی۔ اس حال میں آکر حدیث قدسی پی ٹیسٹیم دبی بیصو
و بی بیطش کی حقیقت کھلتی ہے۔

سالک مردہ بدست زندہ کی طرح
یہ تصرف الہیہ ہوتا ہے۔

۱۴۸۔ پہلے درجہ اتصال میں گودونوں قوتیں قلب کی ماہیت سے الگ ہو گئی تھیں۔
اب سالک کی ذات سے بالکل معدوم اور ارادہ ازلی کے ساتھ وابستہ ہو گئیں۔

رشتہ درگرم و نم انگذہ دوست مے بردہر جا کہ خاطر خواہ اوست

۱۴۸۔ اب۔ اسی حالت کی غفلت گذشتہ حالت کی ہوشیاری سے ہزار گنا اچھی ہے
کسی نے خوب کہا ہے۔ جائے گہ یا دربار نیست فراموشی را چہ کار۔ یہاں غفلت کیسی
جب بیداری ہی نہیں۔ اور اس کیفیت کے گناہ اگلی کیفیت کی عبادات سے لاکھ گنا بہتر
کیونکہ اس وقت فعل کی نسبت ذات سالک سے تھی اور اب فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف
ہے۔ فعل اللہ پر کسی کو کیا اعتراض اور اس پر کسی کو کیا گنجائش۔

سنہی کی غفلت گنہگار کی ہوشیاری
سے ہزار گنا بہتر کا فلسفہ۔

۱۴۹۔ اس حالت میں جب کبھی جوش اور زور آجاتا ہے تو روح میں اتنی صفائی پیدا ہو
جاتی ہے۔ کہ مردہ بزرگوں کی رُو میں عالم بیداری میں سامنے آجاتی ہیں۔ سالک ایک قبر
پر کھڑا ہوتا ہے۔ تو روح اپنی دنیاوی صورت میں آکر کھڑی ہو جاتی ہے۔ سالک جانتا

صفائی دل کا آخری درجہ یعنی
عالم بیداری کی صورت میں

۱۔ ہونا اور نہ ہونا یہ دونوں ضروری ہیں۔ گداگر (دراصل) بادشاہ ہے اور اس کا نام گدا ہے۔

۲۔ مجھ سے سنتا ہے مجھ سے دیکھتا ہے اور مجھ سے پکڑتا ہے۔

۳۔ میری گردن میں یار کی رستی ہے، جدھر وہ چاہتا ہے مجھے لے جاتا ہے۔

۴۔ سنہی کی غفلت بتدی کی ہوشیاری سے اس لئے بہتر ہے کہ اب فعل کی نسبت بندے کی طرف نہیں ذات الہی کی طرف ہے، جس پر کوئی اعتراض نہیں۔

۵۔ جہاں یاد کو کوئی دخل نہیں ہے وہاں بھول جانے کا کیا کام ہے۔ یعنی یاد اور فراموشی دونوں بیکار ہیں۔

ہے کہ مردہ ہے۔ روح ہے۔ لیکن ایک ایک خط و خال دیکھ رہا ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ حالت مراقبہ اور آنکھیں بند ہونے کی صورت میں یہ سب کچھ دکھائی دیتا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ عین شہیاری میں بیداری میں اپنے اقربا کی صورت دیکھ کر اشک محبت آنکھوں میں بھر کر آجاتے ہیں۔ پہلے مقام میں تو کہا گیا تھا۔

چشم بند و گوش بند و لب و بند
گر نہ بینی سہ حق بر ما بخند

یہ وہ منزل نہیں بلکہ ان کے بند کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ درگاہ لم یزلی سے بند ہو چکے اور کثافتی حجاب دور ہو چکے۔ اب جو کچھ دکھائی دیتا ہے حقیقت ہے۔ اور جو کچھ زبان پر آتا ہے اصلیت ہے۔ ۱۸۰۔ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ۔ یہ مجاہدہ کا ثمرہ نہیں۔ یہ ریاضت کا پھل نہیں۔ یہ صرف عنایتِ قدسی ہے۔ یہ محض لطفِ ربی ہے۔ یہ اس عنایتِ سابقہ سے بڑھ کر ہے۔ جس کے ذریعے نیستی سے ہستی میں آئے۔ وہ نیستی و ہستی فانی تھی، یہ نیستی و ہستی باقی ہے۔ اس ہستی کو فنا نہیں بلکہ یوں کہنا چاہئے۔ فنا و بقا دونوں اس سے الگ

اور یہ الگ۔ یہاں پہنچ کر سائکے خود مستانہ وار یہ گانے لگتا ہے
چہ تدبیراے مسلماناں کہ من خود را نمیدانم
نہ ترسا و بہودی ام نہ گیرم نے مسلم نام

۱۸۰ ب۔ یہ تمام اوصاف اور قبود سائکے کی ذات سے الگ ہو جاتے ہیں اور ذاتِ بخت کے امواج میں تھپڑے کھا رہا ہوتا ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ فی الخارج بھی ایسا ہو بیٹھتا ہے۔ جب دنیاوی علائن کی طرف رخ کرتا ہے۔ تو پھر وہ تمام اوصاف از سر نو پہن لیتا ہے اور دوسرے لوگوں کی طرح پکا صوم و صلوة کا پابند ہوتا ہے۔ ذات میں وہ الگ ہے۔ اور صفات میں وہ تمام سے متحد۔

۱۸۱۔ عوام کا مفولہ ہے۔ ولی را ولی مے شناسد۔ اسی مقام پر یہ راز کھلتا ہے۔ کیونکہ ارشادِ نبوی

۱۔ آنکھیں بند کر لے کان بند کر لے اور زبان بھی بند کر لے۔ اس پر بھی تو اللہ کا مجید نہ پاسکے تو ہم پر نہیں دینا۔
۲۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہے عنایت فرمائے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل و کرم والا ہے۔
۳۔ مقصدِ پیشکشیات یہ ہے کہ انسان خلافتِ الہی کا مقام حاصل کرے اور اللہ تعالیٰ کا دھال حاصل کرے۔ دھال میں اپنی ہستی گم ہو گئی بیشک نیستی ہے لیکن جہر ذات کے ساتھ قائم ہے وہ باقی ہے اس لئے اس کی فنا بھی فی الحقیقت بقا ہے۔
۴۔ اے مسلمانو! کوئی تدبیر نہ تاراؤ میں تو اپنے آپ کو کھول گیا ہوں۔ نہ عیسائی ہوں اور نہ یہودی ہوں۔ نہ آتش پرست ہوں اور نہ ہی مسلمان ہوں۔

ہے۔ فَاتَّهَبْتُ نَارًا مِّنْ بَنُوْرِ اللّٰهِ۔ اگرچہ ابتدا میں یہ صحیح اندازہ نہیں کر سکتا کہ کس درجہ کا ولی ہے لیکن شناسائی ایسی تیز ہوتی ہے۔ جیسے کوئی اپنے باپ بھائی کو دیکھنے پر فوراً پہچان لیتا ہے۔ کسی تامل کی ضرورت نہیں۔

۱۸۲۔ میں نے اس مقام کو زیادہ واضح صرف اس غرض سے کیا کہ بہت سے لوگوں کو اس مقام کا دھوکا لگ جاتا ہے۔ اور کسی پہلے مقام پر پہنچ کر اپنے آپ کو منتهی خیال کر کے اپنی ریاضت چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ اور اس پھل سے بھی بدمزہ ہو کر خلق اللہ کی نفرت کا باعث ہوتے ہیں۔ جو نصف خام حالت میں اپنے مرتبی درخت سے الگ ہو کر بازار میں بکھنے جاتا ہے۔ اور بچوں کے سوا اس کا کوئی خریدار نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ بھی چکھنے کے بعد تھوک دیتے ہیں۔ یا اس خیال سے کہ خریدارے بدمزگی سے کھا لیتے ہیں۔ لیکن پیٹ میں جا کر پھر اپنا بد اثر شروع کر دیتا ہے۔ جس پر ایک زبردست مسہل کی ضرورت ہے۔

۱۸۲۔ حالانکہ جس مقام کے عوارض میں نے لکھے یہ کوئی بلند مقام نہیں بلکہ اولیاء اللہ کا پہلا قدم بھی نہیں۔ یہ صرف ایک استعداد ہے۔ جو اس منصب عالی کے حصول کے لئے ضروری تھی۔ کوئی آدمی تحصیلداری کے امتحان سے کامیاب امیدوار کو تحصیل دار نہیں کہتا۔ جب تک کہ وہ اپنی نیت سے اپنی کارگذاری سے، حکومت اور اس کے ارکان کو خوش کر کے منصب تحصیلداری حاصل نہیں کرتا، اس وقت تک وہ تحصیلدار نہیں کہلاتا۔

۱۸۳۔ سلوک مروجہ کے تمام ہونے پر کوئی ولی اللہ نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اس امیدوار کی طرح جو اپنے ایک منصب کی ذمہ داری کی قابلیت اور استعداد پیدا کر کے امیدوار کہلاتا ہے۔ اور پھر کبھی رفہ عام یا حکام وقت یا خدمت حکومت کے ذریعہ کسی منصب کے زمرہ امیدواران میں داخل ہوتا ہے۔ اسی طرح سلوک کے تمام کرنے کے بعد خلق اللہ کی خدمت۔ اولیاء اللہ کی مہربانی (پیروم رشد کی عنایت) یا اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کی عبادت بے ریاکی

کی کیفیت و وصل کو زیادہ واضح کرنے کا باعث صرف سائلین کو دھوکا کھانے سے بچانے کیلئے

کیفیات و مشاہدات سلوک کے حاصل ہونے سے کوئی ولی اللہ نہیں کہلاتا

کیفیات و مشاہدات سلوک کے حاصل ہونے سے کوئی ولی اللہ نہیں کہلاتا

۱۔ حدیث یہ ہے اَلْقَوْمِ مِنَ فِرَاسَةِ الْمُؤْمِنِ اِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ۔ مومن کی دانائی سے بچو وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔
۲۔ بعض لوگ ہمدوست کی مشقیں کر کے اور بعض سالک صحیح طریقہ پر چل کر مقام وصل میں عبادات فرض سے بھی الگ ہو بیٹھتے ہیں جس سے بشریت کے لباس میں بھیجے جانے کا تقاضا ختم ہو جاتا ہے اور منشاء الہی اور منشاء رسالت کے خلاف عمل ہوتا ہے اور یہ ہر امر نقصان ہے۔
۳۔ فنا و بقا کے بعد ولایت کو سمجھنا ہی مقصود اور اصل کام ہے اور منصب نبوت کی طرح منصب ولایت کو دنیا کے لئے رحمت بنانا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو کمال کا درجہ بھی نہیں پایا۔

بدولت ولی کا منصب عنایت ہوتا ہے۔ لیکن یہ یکب۔ اس وقت جبکہ قبولیت کی خلعت سے سرفرازی ہوگی۔ ورنہ اس امتحان پاس کردہ کی طرح بیکار رہیگا۔ جو اپنی ذاتی قابلیت کی وجہ سے اپنے گھمنڈ میں آکر نہ حکومت کو خوش کرنے کی تدبیر کرتا ہے۔ نہ افسران حکومت سے میل جول کرتا ہے۔ نہ عام رعایا کی خدمت سے حکومت کو اپنی طرف متوجہ کر سکتا ہے۔ تو یہ اپنا سٹیفکیٹ، اپنی استعداد اور اپنی قابلیت لئے پھرے۔ اسے کون جانتا ہے۔

۱۸۴۔ ولی اللہ کا درجہ ایک بلند درجہ ہے۔ اس کے نیچے کئی مدارج ہیں۔ سالک کو پہلے پہلے وہ مدارج طے کرنے پڑتے ہیں۔ جن کا تقرر بارگاہ الہی سے ہوتا ہے مثلاً اتقا، اتباع، التجا، خدمت علم، خدمت شریعت، محبت خلق، محبت خالق وغیرہ وغیرہ یہ اسباب منازل قرب کو طے کراتے ہوئے خلعت قبولیت سے سرفرازی دلاتے ہیں۔

۱۸۵۔ اگرچہ تحصیلداری کے امیدوار کی علمی جدوجہد عملی پیمائش۔ تمام کا تعلق عمل سے ہے۔ لیکن موجودہ منصب عمل پر آنے کے بعد پہلی تمام علمی و عملی جدوجہد کو علمی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس وقت ذمہ داری منصب نہیں۔ لیکن موجودہ منصب پر کامیاب ہونے پر تمام کارروائی عملی تصور ہوگی کیونکہ ذمہ داری لازم ہے اسی طرح سلوک تمامہ اگرچہ عملی پہلوئے ہوا تھا۔ لیکن منصب ولایت کی ذمہ داری نہ ہونے کی وجہ سے علمی کہلائے گا۔ اور منصب کے بعد جو سلوک کے منازل طے ہوں گے۔ یہ عملی اور تدریجی ترقی منصب کا باعث ہوں گے۔

منشائے کیفیات قبل الولایت و بعد الولایت گو کہ ۱۸۶۔ یہاں آکر یہ راز بھی کھل گیا ہوگا کہ پہلے سلوک کی مشاہدہ اور طے جلتے ہوں لیکن بعد شرفین کا فاصلہ رکھتے ہیں [اس عملی مشاہدہ میں کتنا فرق ہے۔ اکثر اجاب بڑے بڑے اولیا کو منازل سلوک کے طے کرتے وقت اپنے برابر جانتے ہیں حالانکہ یہ ایک صریح غلطی ہے۔ وہ شہود اور یہ شہود اور۔ وہ وصال اور یہ وصال اور۔ دونوں میں بعد المشرقین سے بھی زیادہ فاصلہ ہے۔ وہ علمی شہود تھا یہ عملی شہود۔ وہ علمی وصال تھا۔ یہ عملی وصال۔ وہ زائل اور یہ دائم۔

۱۔ ولایت کا مقام مجموعہ ہے ان نفسی اور عملی قوتوں کے اس اجتماع کا جس کو وحی اور الہام کے ذریعے انسانیت کی فلاح کے لئے نازل فرمایا گیا۔ مثلاً تقویٰ، اخلاص، اتباع، التجا (تضرع و زاری) خدمت علم، خدمت شریعت، محبت خلق، محبت خالق وغیرہ جب یہ مقامات الگ الگ حاصل ہوں تو ولایت کا نور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور پیر مرشد کی عنایت سے حاصل ہو جاتا ہے۔

۲۔ اولیاء اللہ جو سننا و سنا دینے اور مقبولیت کی چادر اوڑھی اور فیض عام کا سرچشمہ بنے ان کی ولایت کو دوام مل گیا۔ اگر کوئی سالک طالب کسی مجاہدہ یا مشاہدہ سے اپنے تئیں ان کے برابر سمجھنے لگے تو ایک سخت قسم کا نفسی مغالطہ ہوگا۔

۱۸۷۔ الغرض جس طرح سالک پہلے درجہ ساوک سے انتہائی سلوک کی طرف فضل ربی اور عنایت مجتہدہ سے ترقی کرنا نکلا تھا۔ اب اسی طرح اس منصبی (عملی) ترقی کے لئے عنایت لم یزلیہ تشرط ہے۔ ورنہ

سب کچھ بے سود ہے

۱۸۸۔ نقشبندی طریقہ اور سلسلہ میں زیادہ زور اور توجہ قوت انفعال (مراقبہ) پر ہے۔ اس لئے کوازات انفعال (کشف بے کیفی۔ بخودی) کو بہت ترقی ہو جاتی ہے۔ بخلاف حشمتی اور قادری سلاسل کے کہ ان میں قوت فعل (ذکر اذکار) پر زیادہ قوت صرف کی جاتی ہے جس کے اثرات جوش اور عشق ہیں۔ اور قلب میں حرارت پیدا ہو کر اپنے تمام ماحول کو سوز میں لے لیتی ہے۔

اور حشمتی طریقہ میں جوش عشق کی وجہ سے نقشبندی طریقہ میں کشف بے کیفی

رجوع خلقت کا سبب جوش عشق | ۱۸۹ الف۔ اکثر عوام نقش بند یہ صوفی کہتے سُننے گئے کہ حشمتی سلوک تو نہیں ہوتا ہے نہ کہ بے خودی و بے کیفی جانتے۔ البتہ ایسے اور اوپر پڑھتے ہیں کہ خلقت کا رجوع زیادہ ہوتا ہے ورنہ تصوف سے انہیں کوئی واسطہ نہیں مگر یہ غلط ہے جو بھی قوت کو جوش دیگا۔ اسی کا اثر سوز و ساز ہوگا اور جہاں سوز و ساز پیدا ہوگا۔ وہاں خلق خدا کی کیا کمی۔

۱۸۹ ب۔ حضرت قبلہ روحی فداہ کتنے بڑے پایہ کے نقش بند تھے کہ اُف یا آہ بھی کسی سے سُننا پسند نہ فرماتے چہ جائیکہ ذکر جہر پسند کرتے۔ بلکہ ہمیشہ فرماتے تھے۔ کہ وقوف قلبی (ذکر قلبی) تمام اذکار کا نعم البدل ہے۔ لیکن جوش۔ سوز ساز کننا رکھتے تھے۔ خلق اللہ کا رجوع کتنا تھا جو کسی حشمتی کو فی زمانہ حاصل نہ تھا۔ اس کی وجہ صرف قوت فعلی کا جذبہ اندرونی تھا اور ساتھ قوت انفعالی کی طاقت آپ کے مُنہ سے وہ کچھ کہلاتی۔ جو ایک بشر کی طاقت سے باہر ہوتا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ حشمتیہ خاندانوں میں قوت انفعالی پر وقت کم خرچ کیا جاتا ہے۔ اسی واسطے وہ قوت انفعالی کے اثرات (کشف بیستی بے کیفی) سے کم متاثر ہوتے ہیں۔

حضرت قبلہ بہت بڑا حشمتی مذاق رکھتے تھے

۱۹۰۔ سالک کے لئے ضروری ہے کہ اپنی ان قوتوں (فعل و انفعال) کو ہمیشہ برابر کی تربیت دے تاکہ کسی حصہ نہ ہوں۔ کامیابی و ولایت مشکل ہوتی ہے۔

۱۔ نقش بند یہ کشف بے خودی کی وجہ قوت انفعال کی بیداری ہے۔ اور حشمتی۔ وقادیر کے سوز و ساز اور محبت کی وجہ قوت فعل کی بیداری۔
۲۔ بعض نقش بند کا اعتراف حشمتیہ حضرات پر صمیم نہیں کہ وہ فقر نہیں جانتے۔ فقر جانتے ہیں لیکن سوز و ساز کی قوت پر زیادہ زور دینے کی وجہ سے خلقت کا رجوع ہوتا ہے نہ کسی اور عمل کی وجہ سے۔

۳۔ نقش بندیت کا یہ خلاصہ ہے کہ جو کچھ ہودل میں ہوا ظہار کسی صورت میں نہ ہو۔
۴۔ تربیت خواہ کسی ہونذاق طبیعت اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہتا۔ خلق اللہ کا رجوع حشمتی سوز و ساز کا نتیجہ ہے اور نقشبندی سلسلے میں سالک کی طبع یہ جوہر دکھلاتی ہے۔

میں کمی نہ آئے اور دورِ رخ ترقی ہو۔

۱۹۱۔ یہ بھی یاد رہے کہ اگر کوئی ایک قوت کم ہوگی تو کامیابی مشکل ہوتی ہے۔ اکثر صالحین کو دیکھا ہوگا کہ ذکر و اذکار عبادت و اطاعت میں کمی نہیں رکھتے لیکن دوسرا قدم نہیں اٹھا سکتے۔ اور برکت و ولایت سے محروم رہتے ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ جن کے اندر قوتِ فعل نہ ہو بلکہ سرسر انفعال ہو۔ وہ بھی ولایت کے درجہ سے محروم رہتے ہیں۔ اگرچہ کشفِ عیانی اور وجدانی قبوری اور صدوی کے خواص کیوں نہ ہوں۔

۱۹۲۔ اس تفصیل کے بعد پھر میں ذکر میں جاتا ہوں کہ جہاں سلوک کے منازل ظاہر میں ترقی پر ہوتے جاتے ہیں اسی طرح عالمِ رویا کی حالت بھی ساک کی بدلتی جاتی ہے جو خواب بھی ساک کو آئیں گے، بے معنی نہ ہوں گے بلکہ سلوک میں ترقی کے یہ خواب نشانات کہلائیں گے۔ ایک خواب کا ذکر آیا۔ دو ایک اور نمونہ کے طور پر لکھتا ہوں۔

۱۹۳۔ اکثر عالمِ رویا میں پیرومرشد کی زیارت وہی اثر پیدا کرتی ہے جو ظاہری زیارت کرتی ہے۔ عالمِ رویا میں دکھائی دیتے۔ ایک مدت تک لطائف پر بھاری اثر رہتا۔ گاہے گاہے ارشاد بھی کچھ فرماتے جس کا اثر طبیعت پر کافی ہوتا۔ یہ روحانی زیارت جسمانی زیارت سے کچھ ہی کم ہوتی تھی۔

۱۹۴۔ ایک بار دیکھا کہ کتے کے منہ میں پیشاب کر رہا ہوں۔ معلوم ہوا کہ نفس خواب میں گنا دیکھنا اپنے نفس کا دیکھنا ہے کی ذلت پر وال ہے۔

۱۹۵۔ کئی بار دیکھا کہ جو تے گم ہو گئے۔ پاؤں سے ننگا پھرتا ہوں۔ جس کی ابتدا میں تو کچھ اور تعبیر کیا کرتا تھا۔ لیکن آخر میں بے تعلقی اور طہارت کی تعبیر معلوم ہوئی۔ اور تمام جسم کا برہنہ دیکھنا کامل بے تعلقی ہے۔ ۱۹۵۔ ایک دوبارہ بھی دیکھا۔ تمام بدن برہنہ ہے۔ یہ پلٹی آخری

۱۔ ولایت کے حصول کے لئے ذکر و اذکار عبادت، مجاہدات اور اثر پذیری برابر کی ہو۔ ولایت کے منسوب پر دنیا تر ہو گئے جن کی قوتِ فعل (اذکار و اعمال) اور قوتِ انفعال (ملقات) برابر کے ہوں گے۔

۲۔ پیرومرشد کی زیارت خواہ ظاہر ہو خواہ باطن میں (رویاء میں) لطائف پر بہت ہی اثر رکھتی ہے۔

منزل کی خواب ہے اور پوری بے تعلقی کی دلیل ہے ۛ

جماعت میں سے امام کا گم پانا اپنے ۱۹۵ ج - حضرت قبلہ مرحوم و معذور کی بیماری سے پیشتر دیکھا کہ کسی جگہ پیشتر کے گم ہونے کا نشان ہے۔ ایک عمدہ مسجد ویرانہ میں ہے اور خلقت کثیر جمع ہے۔ لیکن امام نڈار

حضرت حاجی صاحب نے مجھے فرمایا کہ کسی کو کہو کہ اذان کہے۔ چنانچہ میں نے ایک پشتی مؤذن کو جو ہمارے ہاں اکثر آیا کرتا تھا۔ اذان کے لئے کہا۔ لیکن اس نے بلند آواز سے اذان نہ کہی۔ پھر نماز ادا ہوئی لیکن امام کا پتہ نہیں۔ یہ گویا آپ کی رحلت کا نشان تھا۔

ننگے سر دیکھنا اپنا سایہ عاطفت کھونا ہے ۱۹۵-۵ - میں نے وفات کے دن دیکھا کہ پگڑھی سر پر نہیں۔ اور ننگے سر بیٹھا ہوں۔ گویا آپ ہمارے سر کے سایہ تھے جو اٹھائے گئے۔

مرشد کو بیماری کی حالت میں دیکھنا ۱۹۵-۵ - آپ کے وصال کے بعد جب طبیعت مدہم پڑ گئی۔ تو اپنی نسبت کا کمزور نقشہ ہوتا ہے۔ آپ کو خواب میں دیکھا کہ بیسار نہیں۔ اور بیریل کی مسجد کے اندر

چار پائی پر بیٹے ہوئے ہیں۔ قیاس کیا کہ یہ نسبت کی کمزوری کی دلیل ہے۔ ایسے خواب کئی بار آئے۔ اور یہی تعبیر معلوم ہوئی ۛ

تمام شد، ذکر نتائج

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۲۵۹)

۳ خواب اور اس کی تعبیر فقر کا ایک حقتہ ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام سے ملنے

آگ خواب دریافت فرماتے :-

ساک کی صفائی قلب اور تعلق باللہ کی وجہ سے اس کی بیماری اور خواب دونوں میں

انکشافات ہوتے ہیں اور ساک کے خواب کی تعبیر خواب کے بالکل قریب ہوتی ہے۔

خلافت

۱۹۶- سلوک کا اجمالی ذکر تو ہو چکا ہے اور اس سے آگے قدم نکالنا ناجائز نہیں تو مناسب بھی نہیں تاہم اگر کچھ نہ لکھا جائے۔ تو کتاب کا یہ حصہ کمی سے خالی نہ ہوگا۔ اور ناظرین اس مقام پر پہنچ کر حیرت میں ہو جائیں گے۔ اس لئے مختصر کچھ عرض کرنا ضروری ہے۔

خلافت الہام اور مصلحت شیخ پر منحصر ہے | ۱۹۷- پہلے گزر چکا ہے کہ خلافت اور اجازت شیخ کی مصلحت اور القائے الہی کی وجہ سے نصیب ہوتی ہے۔ البتہ یہ ضرور ہوتا ہے کہ سالک کی نسبت پر شیخ پوری پوری نظر رکھتے ہوئے اسے مجاز گردانتا ہے۔ گو اس وقت دیگر سالکین بھی اسی درجہ کی نسبت الہیہ رکھتے ہوں۔ لیکن ع

خاص کند بندہ مصلحت عام را، کا معاملہ ہے۔

متقدمین سالک کو قبولیت کے درجہ پر خلافت عنایت فرماتے اور متاخرین صرف نسبت پر اکتفا کرتے ہیں | ۱۹۸- متقدمین بزرگ اور شیوخ اپنے سالکین کو اس وقت مجاز اور خلیفہ گردانتے تھے جبکہ وہ سلوک

انتہائی درجہ "نزول بعد العروج" کی حد تک پہنچا کر کسی سال اپنی نسبت خلوت و جلوت میں صفا اور بلند کرتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ خلعت قبولیت بارگاہ الہیہ سے ان کو نصیب ہو جاتی تھی بخلاف متاخرین کے کہ یہ بزرگ زمانے کی رفتار اور طبیعتوں کی زور پندی اور غمروں کی قلت پر نظر رکھتے ہوئے کوئی سالک اگر کیفیت اور نسبت میں بلند نظر آجاتا ہے۔ تو غنیمت جان کر اسے منصب خلافت پر سرفرازی بخشتے ہیں۔

متقدمین بزرگوں کے خلفا کا حال کم نہیں ہوا۔ | ۱۹۹- متقدمین بزرگوں میں سے بھی بعض نے صرف ذکر

علا اللہ تعالیٰ جل جلالہ کسی ایک خاص بندے کو عمومی مصلحت کے لئے خاص فرمادیتا ہے۔

علا فنا کے بعد بقا یعنی پہلے سالک اپنے آپ کو انفعالی قوتوں کے استعمال سے جلوہ ہائے الہی کے قبول کا اہل بنائے پھر مخلوق کے قریب ہو کر ان جلوہ ہائے الہی کی عکس بینی سے لوگوں کو مستفیض کرے۔

علا آخری زمانہ ہے سعادت مند یاں کم ہو رہی ہیں۔ بلند ہمت لوگوں کی کمی ہے۔ اگر کوئی سعادت مند روح اپنے مولا کے جلوے حاصل کرے تو وہ جتنی نورانیت بھی پھیلائے پھیلائے۔ یہی اس کی تکمیل ہے اور یہی قابلیت کی وہ حد ہے جو خلافت کا اسے مستحق بناتی ہے۔

کے جاری و ساری ہونے پر خلافتیں عنایت فرمائیں۔ لیکن کسی مجاز کا حال گم نہیں ہوا۔ اس کی وجہ زیادہ تر یہ ہے کہ ان کی نظر انہما کو دیکھ پاتی۔ اور اپنی نسبت بلند سے دیکھ پاتے کہ انجام بلند ہے اور کہ سالک کی استعداد بلند ہے اور کہ اپنی نسبت بلند ہے۔

کمی و زیادتی خلفا کا نتیجہ | ۲۰۰۔ جہاں متقدمین بزرگ مجاز بہت کم گروانتے تھے۔ متاخرین بہت گروانتے ہیں۔ جتنے کم تھے۔ اتنے بلند تھے۔ جتنے زیادہ ہوئے اتنے پست۔ مشہور ہے شیر کا ایک بچہ ہوتا ہے

۲۰۱۔ ہمارے حضرت قبلہ و عقبہ کوئی معمولی شیخ نہ تھے بلکہ کامل عارف تھے۔ اور وقت کے تمام اولیا آپ کا سکھان چکے بلکہ ساری دنیا نے ان کو شہ نشین عرفان تسلیم کیا۔ ایسی حالت میں جو کچھ وہ کر گئے یا فرما گئے وہ عین القماتے الہیہ کی ترجمانی ہے۔ اور اللہ جل شانہ کے فضل و کرم سے آپ کے خلفائے نامدار دیگر شیوخ کے خلفا سے بالکل ممتاز ہیں۔ اور اپنی مشغولی میں سرگرم رفتار ہیں۔ اور وہ وقت دور نہیں جبکہ وہ منصب ولایت و عرفان کی بلند مسند پر تشریف فرما ہوں۔

۲۰۲۔ حقیقی جانشین اور سب سے اعلیٰ مجاز اور صاحب خلافت وہ ہے۔ جو استعداد نسبتی بلند رکھتے ہوئے اپنے شیخ کے جذبات کا ملہ سے بھر پور ہو۔ اور ہو ہو اپنے شیخ کی نظیر ہو۔ کیا ظاہر اگیا باطناً۔ دوسرے درجہ پر پھر وہ بلند استعداد ہے کہ گویا ہری تشابہ تو کم ہو۔ لیکن باطنی مشابہت میں اپنے شیخ سے زیادہ مماثل ہو۔ اور تیسرے درجہ پر وہ بلند فطرت ہے کہ باطنی تشابہ تو بہت کم ہو۔ لیکن شیخ کی ظاہری متابعت میں ہر مو فرق نہ آئے دے۔ بلکہ ظاہراً اپنے شیخ سے یکساں نظر آئے۔ اور اپنے شیخ کی ہر حرکت اور ہر ادا اپنے لئے راہ ہدایت جانے۔

۲۰۳۔ اگر کوئی مجاز بد قسمت ان تینوں اقسام سے نکل جائے۔ تو وہ بد بخت نہ دین کا ہے نہ دنیا کا۔ نہ اس سے کسی کو فائدہ اور نہ کسی کو اس سے فیض، وہ اپنے اجازت نامہ کو پھاڑ کر اپنی قسمت کو روتار ہے اور بس +

۲۰۴۔ اپنا حال یہ ہے۔ کبھی تو خیال تھا کہ دنیا کو مسلمان کریں گے۔ اور اب خیال ہے کہ خود مسلمان ہو کر

۱۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا کہ مسلمان کو اپنی خلافت کے لئے چن لیں۔
۲۔ خلافت و اجازت کے حصول کے بعد مقبولیت عامہ نصیب ہوتی ہے۔ یہ ایک پیشگوئی ہے۔ جو حضرت قبلہ عالم مظلوم کے قلم و زبان سے نکلی اور دنیا نے دیکھا کہ شریعت پر نسبت نے کیا کیا چین ہائے فقر و عرفان لگائے۔
۳۔ مماثل۔ مشابہت رکھنے والا۔

کسی طرح خلاصی پائیں۔ نہ وہ ذوق نہ وہ شوق۔ نہ وہ کیفیات مجہول اور نہ وہ جذبات قوی۔ یار لوگ پارنگل گئے۔ اور ہم اسی کنارے بیٹھے رہے ہیں۔ کسی نے کہا خوب ہمارا نقشہ دکھایا ہے۔

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوان عشق

اوبہ صحرارفت، مادر کو چہ ہا رسوا شدیم

۲۰۵۔ اصل میں سالک اگر سلوک کے انتہائی نقطہ پر پہنچ کر نزولِ تدریجی کرے اور اپنے کیفیات اور نسبت کو بیٹے ہوئے آہستہ نیچے اترے تو پھر کامیاب ہے لیکن اگر تدریجی نزول کی بجائے رحبت قہقری (اٹے پاؤں پھرنا) ہو جائے اور یکدم نسبت کو گم کرنے والے موانعات پیش آجائیں تو پھر سالک کی ترقی تو کجا پستی سے بھی ایک قدم نیچے جاگرتا ہے۔ اور بعینہٴ تہہ رَدُّ نَاہَا اسْفَلَ سَا فَلَیْت۔ پھر ہم نے اُسے سب سے نیچے گرا دیا، کا نمونہ ہو جاتا ہے۔

قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کہاں کمند

روح پار ہاتھ جب کہ لبِ بام رہ گیا

یہ حالت بعینہٴ میری ہوئی۔ اب فضل کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اس پر بھی مزید شکر کا مقام ہے کہ اللہ جل شانہ نے صفت توازن سے ممتاز فرمایا اور ان لوگوں سے نہیں کیا، جو سب کچھ گم کرنے کے بعد بھی اپنی ہستی کو پہلے کی مانند کمالات سے بھر پور دیکھتے ہیں۔

۲۰۶۔ اللہ جل شانہ فرماتے ہیں فَالْهَمَّهَا فَجُورُهَا وَتَقْوَاهَا (پھر اس کی بدکاری اور پرہیزگاری دونوں باتیں) اس کو سمجھا دیں، یہ انسانی معیار ہر ایک آدمی کے اندر لگا دیا گیا ہے تاکہ نیک و بد اور حسن و قبح کی تمیز کر کے یہ اپنا راستہ بنائے۔ لیکن آج لاکھوں سے ایک انسان ایسا نہیں ملتا۔ جو ہر وقت اور ہر گھڑی اپنے معیار کو جانچتا رہے اور صفت توازن سے اپنے آپ کو موصوف رکھے۔

۲۰۷۔ سالکین راہ سلوک تو ایک قدم اس کے بغیر چل نہیں سکتے۔ ولی باوجود اپنی ولایت کے تمام اپنی نظر اسی معیار پر رکھتے ہیں۔ کہ کس حالت میں چل رہے ہیں اور کس حالت میں کمی بیشی ہو رہی ہے۔

ما ہم اور مجنوں عشق کی کتاب میں ہم سبق تھے وہ تو دیوانگی میں جنگل کو چل دیا اور ہم انہی گیلوں میں پھرتے رہے۔

ما بلند ہستی کی بھی کوئی حد ہے۔ سید العارفین قطب نامہ اور محبوب الہی ہدایت مجسم وہ جس کو دیکھ کر تھکر کلمہ پڑھیں اپنی کسر نفسی سے یہ کہہ لے ہیں (در اصل تصرف کا خاکہ بتلانا ہے کہ ایسا بھی ہوتا ہے)۔

لیکن عجب یہ ہے کہ موجودہ دور علمی اور عملی میں اس معیار کی طرف کسی ایک کی بھی نظر نہیں۔ نظریات اور عقلیات کے فلسفے نیک و بد اور حسن و قبح پر قائم کئے جاتے ہیں لیکن افسوس کہ الٰہی اور ذاتی معیار (یقینہ قلب) پر نظر نہیں کی جاتی۔

۲۰۸۔ نسبت کوئی مادی چیز نہیں کہ جب تک وہ کٹ کر الگ نہ ہو جائے باقی رہتی ہے بلکہ یہ تو صرف نور الٰہی کا پرتو اور عکس ہے جب تک رہے۔ اور جب یہ عکس اور پرتو نہ رہے نہ رہے دیا ہو کہ لمپ۔ گھر میں ہو کہ باہر۔ اس کو گل کرنے والے کتنے سامان ہیں۔ اور اس کو روشن رکھنے کے لئے کتنی حفاظت اور کتنی ضروریات ہوتی ہیں۔ تمام لمپ بمع تمام سامان کے موجود ہو اور تیل بھی ہو۔ اور صرف ایک بتی نہ ہو تو روشن ہو سکتا ہے؟ یا صرف تیل نہ ہو تو روشن ہو سکتا ہے؟ غرض ذرہ ذرہ چیز پر مدار ہے۔ اور کسی ایک کمی سے روشنی سے محروم رہ جاتا ہے۔ یہی قیاس ہے نسبت کا۔ اس کے گل کرنے کے لئے سینکڑوں اشیا اور سامان موجود۔ اور اس کے روشن کرنے کے لئے سینکڑوں ضروریات ضروری ہیں۔ تو ایسی حالت میں جب شیخ کسی کے لمپ کو روشن کرے اور اس کے حوالہ کرے تو کیا یہ ضروری ہے کہ اب یہ کبھی گل نہ ہوگا۔ جب تک کہ خود سالک اس کے ضروری سامان مہیا نہ رکھے اور جب تک کہ خود بارگاہ الٰہیہ کی عنایت اس کی مجدد نہ ہو۔

۲۰۹۔ لیکن آج صوفی اور مجاز ہیں کہ اس حقیقت کی ذرہ پرواہ نہیں کرتے۔ بلکہ اجازت ملنے پر جو حرام تھا وہ بھی حلال ہو گیا۔ حالانکہ سلوک کی منزل میں حلال کو بھی ترک کر بیٹھے تھے۔

بڑے ہیں تفاوتِ رہ از کجاست تا کجا

اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ۔ كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ (اور کچھ نہیں صرف ان کے اعمال دل پر چھا گئے ہیں جو کلمتے رہے قیامت کے دن بیشک وہ اپنے رب سے اوجھل رکھے جائیں گے)

اگلے بزرگ نسبت کی حفاظت کیونکر کرتے تھے | ۲۱۰۔ لکھا ہے کہ حضرت غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ علیہ

جب اپنے پیر و مرشد حضرت عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی ایک قیمت رکھی ہے۔ اور مرآن اس کی قیمت بڑھتی ہی سے اور گھٹتی بھی ہے۔ قیمت کا بڑھنا گھٹنا اسباب پر ہوتا ہے۔ بڑھنے کے اسباب ہوں ایک سالک کے لئے الٰہی معیار تو قرآن کریم اور شریعتِ حق ہے اور اپنے پیر مرشد کا طریق زندگی اور ذاتی معیار فطرتِ سلیم ہے کہ ہر آن ایک میزانِ عدل ہاتھ میں رکھتی ہے۔ مگر گناہ سے نسبتاً پرتو چلا جاتا ہے۔ گناہ خواہ جسمانی ہو خواہ روحانی اور نفسی۔ ہر رکشی کی ہوا اس شمع کو بجھانے کے لئے تیار۔ اللہم احفظنا من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا بجاہک و بجاہ حبیبک محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ (بقیہ صفحہ ۲۶۵ پر)

کی خدمت میں ارادت و بیعت کے لئے حاضر ہوئے تو حضرت عثمانؓ نے دیگر شیوخ کی طرف
توجہ دلائی۔ حضرت غریب نواز نے عرض کی کہ میری عقیدت آپ سے ہی ہے۔ اس پر آپ نے
بیعت فرمایا۔ اور آٹھ پہر کا شغل بھی ارشاد فرمایا۔ حضرت غریب نواز اپنے شغل میں لگ گئے۔
دن بھی گیا اور رات بھی گزری۔ پھر دن بھی ہوا۔ لیکن وہ اپنے شغل میں بدستور مشغول رہے
جب وقت معینہ ختم ہوا تو پیر و مرشد نے دریافت کیا۔ سب کچھ عرض کیا۔ پیر و مرشد نے فرمایا۔
بس ہمارے طریقہ میں ایک دن اور ایک رات ہی مشکل ہے۔ سو پوری ہو چکی۔ اس سے آگے
ہمارے ہاں کوئی مجاہدہ نہیں۔ اپنی انگلیوں کا حلقہ بنا کر آسمان کی طرف کیا۔ اور حضرت غریب
کو فرمایا۔ اس میں سے دیکھو۔ دیکھا تو نظر عرشِ معنیٰ تک پہنچ گئی۔ پھر فرمایا آنکھ بند کر دو۔ اور پھر
اپنی انگلیوں کا حلقہ نیچے زمین کی طرف دکھا کر فرمایا کہ کیا نظر آتا ہے؟ عرض کیا کہ تختِ الترشے
تک نظر دوڑ گئی۔ فرمایا۔ بس اتنا کافی ہے۔ اور کلاہِ خلافت عنایت کر کے فرمایا۔ خواہ گھر
چلے جاؤ۔ خواہ ہمارے ساتھ رہو۔ حضرت غریب نواز نے آپ کے ہمراہ رہنے کی اجازت پا کر
بصد شکر عرض کیا کہ آپ کے ہمراہ رہوں گا۔ چنانچہ بیس سال کا عرصہ آپ اپنے پیر و مرشد کے ہمراہ
سفر و حضر میں رہے اور اپنی نسبت کو بلند اور صاف فرماتے رہے۔ اس عرصے میں حضرت
قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ آپ کے مرید ہوئے اور مجاز بھی۔ لیکن لطف یہ ہے کہ تینوں پیر و مرشد
اسی خیال نسبت کے پختہ اور لطیف کرنے کے لئے اکٹھے سینکڑوں میلوں کا سفر کرتے رہے۔
اور کسی نے اپنی نسبت کے اتمام پر اطمینان نہ فرمایا۔ کیا آج اس کی کوئی مثال مل سکتی ہے کہ
اتنی بلند استعداد کے آدمی۔ اتنے مجاہدات اور سفرِ حصولِ نسبت کے بعد کر سکتے ہیں۔ غرض
انگلے لوگ ہی اس نعمت کی قدر کر جانتے تھے اور اپنی جان تک اس کی حفاظت کے لئے نثار
کر دیتے تھے۔ اور اس کے تیز روشن اور قوی کرنے میں اپنی تمام عمر صرف فرما دیتے تھے خواہ
رشد و ارشاد میں کچھ ہو سکے یا نہ ہو سکے۔ اپنی فکر اسی میں تھی اور اپنا مطمح نظر ہی رہتا۔

(حاشیہ رقم ۲۶۴) عا ساداتی کا ہر حق شیع نسبت کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ یعنی خواہ جسمانی ہو خواہ روحانی۔ اس شیع کے لئے جان۔ گویا نسبت کے قیام کے لئے
تمام نسبت اسباب کی فراہمی ضروری ہے ورنہ خطرہ ہی خطرہ ہے اور تمام منہ اسبابِ نفرت اور دوری از سر لازم۔ ورنہ یہ شیع قائم نہ رہے گی۔
تک دیکھو تو اس لئے کافر کی کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔

۱۔ حضرت خواجہ معین الدین امیری رحمۃ اللہ علیہ جیسی ذات بابرکات کو بھی اپنی نسبت بلند اور صاف کرنے کے لئے اپنے پیر و مرشد کی صحبت میں رہنے کی ضرورت
تھی تو ما دشما کیسے اس کی اہمیت سے الگ ہو سکتے ہیں۔

۲۱۱۔ نسبت قوی اور ضعیف کا اندازہ دیا کی نو سے ایک براق بجلی کے ایک ہزار بتی والے
 لمپ کی روشنی، صفائی اور تیزی سے کر سکتے ہیں۔ اسی طرح ایک دیا کی نو اور بجلی کی ایک
 باریک لیکن تیز روشنی سے بھی مقابلہ کر کے دیکھ سکتے ہیں۔ کہ کتنا فرق ضعف اور قوت میں
 پیدا ہو سکتا ہے۔ اور کیا دونوں روشنیاں ایک جیسی ہوتی ہیں۔ اور ان سے ایک جیسا فائدہ
 اٹھایا جاتا ہے کہاں ایک دیا جو اپنے گھر کے کونے بھی اندھیرے سے پاک نہیں کرتا۔ اور کہاں
 بجلی کا ایک ہزار بتی کا فانوس جو کوسوں تک دور اپنی روشنی نہایت صفائی سے پھیلاتا ہے۔

رشد و ارشاد کے لئے قوی نسبت کی ضرورت

بعینہ یہی انداز نسبت کا ہے۔ ایک ہے کہ اپنے گھر کے لئے بھی کافی نہیں اور ایک ہے کہ
 ہزاروں میل تک دنیا کے ظلماتی نفوس کو روشن کر رہی ہے۔ یہی آخری روشنی اور نسبت
 ہے جس سے رشد و ارشاد کا دم تازہ اور جس پر تمام رشد و ارشاد کا کارخانہ چلتا ہے۔

۲۱۲۔ رشد و ارشاد کا کو تمام مدار اور مرکز نسبت قویہ پر ہے لیکن تب تک صاحب ارشاد
 کے اندر ضبط و انضباط کامل نہ ہو۔ اُس وقت تک رشد و ارشاد میں پوری کامیابی نہیں
 ہوتی۔ بلکہ ایک گونہ کارخانہ رشد و ارشاد چلنا ہی نہیں۔ جو بزرگ مقام وصل میں بلند ہوتے
 اور مقام شہود میں سے کم حفظ پاتے ہیں۔ نہ وہ اپنے آپ کو کسی ضابطہ کے ماتحت چلا سکتے
 ہیں۔ اور نہ اپنے متوسلین کو کیونکہ مقام وصل ان کو بے چون و بے چگون کیفیت سے ہر
 وقت متلوں رکھتا ہے اور ایک رنگ کے بعد دوسرا رنگ پیدا ہوتا رہتا ہے بخلاف ان
 اولیاء کے جو مقام وصل کے بعد مقام شہود میں آجاتے ہیں۔ کیونکہ ان کی طبیعت ضبط و انضباط
 میں کامل ہوتی ہے اور آداب ظاہرہ و باطنیہ سے پورے آراستہ ہوتے ہیں اور مقام شہود
 کا تعلق ان کو دائرہ ضبط میں قائم رکھتی ہے۔ خود اور اپنے منسلکین کو ہمیشہ قواعد و انضباط
 کی مانتی رکھتے ہیں۔ اور ایک قدم بھی آداب شریعت اور آداب طریقت سے باہر کسی کو
 دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ اور اپنے ارادے مندوں کے اوقات مشاغل طریقت اور

رشد و ارشاد میں ضبط و انضباط کے سوا کامیابی ممکن نہیں

۱۔ نسبت وہ بھی ہے جس کو شے سے تشبیہ گئی اور نسبت وہ بھی ہے جس کو ہزار پادر کے بے تشبیہ گئی۔ خواہن گاہ اور بلند نذر حضرت اہل فیض عام کی نسبت کی قوت اور نسبت قدر ہوتا ہے۔
 ۲۔ مقام وصل وہ کیفیت جو مالک کو تجلیات میں گم کر دے اور اپنی ناپائیداری اور دُورنی کا خیال نہ رہے۔
 ۳۔ مقام شہود وہ مقام ہے جہاں حضوری کامل ہے اور احساس دُورنی بھی موجود ہے۔
 ۴۔ جب حضوری کا احساس بڑھ جائے تو جسم و جان پابند ہو جاتے ہیں اور حرکت و سکون میں آداب اور رضا کا خیال بیٹھ کر ایک اندرونی بیرونی ضابطہ قائم ہو جاتا ہے اور اس ضابطہ سے سلسلہ تصرف قائم ہو کر رشد و ہدایت پاتا ہے۔ متوسلین آداب شریعت و طریقت کے پابند ہوتے ہیں۔

ادبِ شریعت سے معمور رکھتے ہیں۔

۲۱۲ ب۔ ہمارے حضرت قبلہ میاں صاحب اسی مقامِ شہزاد کے شہسوار تھے۔ گو مقامِ وصل کی بوقلمونی بھی آپ کے اندر موجزن ہمیشہ رہا کرتی تھی۔ اور اسی اندر رونی کیفیت کی وجہ سے ع گفتہ اوگفتہ اللہ بود۔ کا نمونہ ہمیشہ قائم رہنا تھا۔ تاہم ضبط و انضباط کا درجہ وہ کچھ تھا جو اپنے وقت کے کسی ولی کو نصیب نہ ہوا۔ اور جس نے ایک بار بھی شرفِ نیاز حاصل کیا۔ وہ اس حقیقت سے نا آشنا نہیں اور نہ دیکھنے والے کسی طرح کا اندازہ صحیح نہیں کر سکتے۔

شہیدہ کے بودماند دیدہ

۲۱۳ الف۔ گو قبولیتِ عامہ کو کوئی تعلق رشد و ارشاد ہوتی ہے جس کے اندر نیاز و بے نیازی ہو

یہ ضرور ہے۔ گو فضلِ ربی کے سوا کوئی فطرتی مادہ اس کے لئے دکھایا نہیں جاسکتا۔ تاہم اس وجہ پر ان حضرات کو کامیابی ہے جن کو بارگاہِ الہیہ سے نیاز و بے نیازی کا فطرۃً خاصہ نصیب ہوا ہے۔ محبتِ الہیہ تام بے نیازی پیدا کرتی ہے۔ اور محبتِ خلق اللہ نیاز کا وصف دکھاتی ہے۔

۲۱۳ ب۔ یہ بشری خاصہ ہے اور وہ الہی خاصہ۔ جب یہ اور بے نیازی دونوں خاصے موجود تھے

دونوں خاصے ایک وجود میں قائم ہو جاتے ہیں تو وہ وجود اکسیر بن جاتا ہے۔ ہمارے قبلہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں یہ دونوں خاصے موجود تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جو مقبولیتِ عامہ آپ کو زمانہ حاضرہ میں ہوئی وہ کسی کو نصیب نہ ہوئی۔

۱۔ اس کا فرمانِ اللہ کا فرمان ہوتا ہے۔

۲۔ جب ذاتِ بے نیاز سے تعلق مجرب جائے تو لازم ہے کہ سالک کی طبع میں بے نیازی آجائے۔ وہی ہے بہتر

جو ہمد ہے وہ بہتر میں ہے جو ہور ہے گا۔ اور جب مخلوق کی نیاز مندیاں سامنے آئیں تو یہ پر تو قبول کرنا آئینہ

صافی کے لئے ضروری ہے۔ جب یہ دونوں صفات یک جا گھوسلا بنائیں تو قبولیتِ عامہ اور فیض کا دریا

ہوتا ہے۔!

منصبِ ولایت

۲۱۴۔ تمام کتاب ولایت اور جزئیات ولایت سے پڑھے اور اس کا ایک ایک حرف ولایت اور اس کی حقیقت دکھانے کے لئے لکھا گیا ہے۔ لیکن یہاں صرف دو امور کو دکھانا ہے۔ اور بس۔ اولاً تو جیسے پہلے گذرا کہ ”ولی را ولی نے شناسد“ (ولی کو ولی ہی جانتا ہے) یہ مقولہ بالکل صحیح ہے۔ ولی کے بغیر کوئی بھی ولی کی شناخت نہیں کر سکتا۔ البتہ جو ولی مسندِ قبولیت نام پر تشریف فرما ہے۔ اُس کو تو دنیا جان لیتی ہے۔ اس کے سوا کسی دوسرے ولی کی شناخت عوام کے لئے ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اور اسی ایک لایحل مسئلہ کے لئے آج تصوف بدنام ہو رہا ہے۔ کسی ایک کے عقیدہ میں جب کوئی آدمی اچھا بیٹھ گیا۔ تو وہی ولی ہونے لگا۔ لیکن جب کبھی اُس کی خامیاں ظاہر ہوتیں۔ غیر معتقدین تصوف اور مخالفین نے آوازے کسے۔ اور آج سب سے بڑا نقص یہی ہے کہ اصل اور نقل میں تمیز نہیں رہی۔ اگر قرون سابقہ کی طرح عوام بے تمیزی اختیار نہ کرتے اور خواص دعویٰ ولایت نہ کرتے تو پہلے کی طرح فقر کا دامن آج بھی پاک و صاف نظر آتا۔ اور کسی کی مجال نہ ہوتی کہ اس دور آزادی، دہریت اور فلسفیت میں ایک حرف بھی فقر کے برخلاف کہتا۔ کیونکہ یہ دور سادہ فطرت نہیں رکھتا۔ بلکہ فطرتیں نہایت تحقیق پسند افغ ہو گئیں۔ گو عمل میں انحراف کمال ہے۔ لیکن عقلی قوی میں کمی نہیں اور نہ علمی سامان میں کمی۔

صاحب ارشاد کس وقت | ۲۱۵۔ دوسرا امر جس کے واضح کرنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے۔ کہ کوئی درجہ ولایت کو پہنچتا ہے | مجازاً صاحب ارشاد کس وقت اپنے آپ کو مرتبہ ولایت کا اہل یا

ولی کو ولی ہی پہچان سکتا ہے

علی ولی اللہ ہوا نبی اللہ کے بعد انسانیت کا سب سے بلند مرتبہ ہے۔ لیکن اس دورِ آخر میں بعض صالحین نے درجہ کی کمی کے باوجود صدیقین کی مسند پر قدم جاکھایا اور پھر جب اس آخری درجے میں رہنے والے بلند دعویٰ داروں کی خامیاں نظر آئیں تو عوام نے نہ صرف ان کو بدنام کیا بلکہ ان کے دعوئے ولایت کی وجہ سے خود ولایت بدنام ہو گئی اور دعوئے دار اس بدنامی کا سبب بنے۔

(بقیہ صفحہ ۲۶۹ پر)

۲۱۸ - رہے لوازماتِ نبوتِ سوا اگر یہ لوازمات نہ ہوں۔ تو ادی دنیا کبھی بھی نبی کی نبوت کو تسلیم نہ کرے۔ اور جب تک نبی کے اندر کوئی ایسا وصف نہ دیکھ لے جو کہ بشری اوصاف سے بالاتر ہو۔ دنیا کبھی اس کے مقرب الہیہ ہونے کا اعتراف نہ کرے۔ معجزاتِ نبوت کی ضرورت کا یہی فلسفہ ہے۔ بھلا اپنے جیسے آدمی کے سامنے کون تسلیم خم کر سکتا ہے اور کون اسے مقرب بارگاہِ الہی کہہ سکتا ہے۔ لیکن موجودہ دور کے علمی صوفی اس حقیقتِ ضروریہ سے منکر ہیں۔ اور معجزات کی طرح مصدقاتِ شہادتِ ولایت کو ضروری نہیں گردانتے۔ لیکن ہم حیران ہیں کہ جب وہ خود دعویٰ کرتے ہیں کہ ولایت تکمیلِ نبوت کا ہی سامان پیدا کرتی ہے اور ہر دور کے لئے چونکہ الگ نبی اور رسول نہیں ہوتا۔ اس لئے ہر دور اور ہر زمانہ میں بلکہ ہر ایک حلقہٴ بشریت میں ایک ولی ہونا ضروری ہے تاکہ رسول کی رسالت کو موجودہ زمانے میں درجہ تکمیل تک پہنچا لیکن یہ نہیں سوچتے کہ مصدقاتِ شہادت یا لوازماتِ ولایت کے سوا یہ تکمیل کیونکر ممکن ہو سکتی ہے۔

۲۱۹ - کوئی پیغمبر اور نبی ایسا نہیں گذرا جس کو اللہ تعالیٰ نے وقت کے مطابق اس کی ذاتی شہادت کے لئے مصدقاتِ شہادت عنایت نہیں فرمائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ گلزار فرمائی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یدِ بریضیا اور عصائے ثعبان دے کر ان کی شہادت کے مصدقات ان کو عنایت فرمائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی شہادتِ نبوت کے لئے عاقبتی موتی کو زندہ کیا اور اندھوں کو بینا۔ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے شق القمر سے اپنی شہادت کی تصدیق دلائی۔ غرض کیا کیا گنا جائے۔ موتہٴ کچھ لکھ دیا گیا۔ لیکن نبوت کے ظل یعنی ولایت کے لئے اگر مصدقاتِ شہادت دعویٰ نہ ہوں تو کیونکر دعویٰ ولایت کو سچا گردان سکتے ہیں۔

۲۲۰ - ہاں یہ ضروری نہیں کہ سب ایک جیسے کرامات۔ تصرفات اور کشف لے کر آجائیں۔

علاء اللہ علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ علماء امتی کا نبیاً بھی اسوئیل (یہاں ایک علماء یعنی اولیاء بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح ہیں)۔ ہم نے اس حدیث سے یہ مفہوم سمجھا ہے کہ جو لوگ اپنے حال و حال اور کمال میں انبیاء بنی اسرائیل کی طرح ہیں وہی میری امت میں علماء ہیں۔
 ۱۔ سفید ہاتھ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ کہ ہاتھ نعل میں دیا۔ نکالنا تو اس کی شعاعیں آفتاب کی شعاعیں معلوم ہوئیں۔
 ۲۔ عصائے ثعبان: سونپی کا سانپ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا سانپ بن جانا۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے۔
 ۳۔ موتی: میت کی جمع۔ مرے ہوئے۔ چاند کو ٹکڑے کرنا۔

بلکہ اتنا کافی ہے کہ کسی طرح ان کی شہادت قلبی کی تصدیق ان کو ہو جائے اور دوسری دنیا بھی ان کے مصدقات و لایت (یا لوازمات) دیکھ کر خود بخود ان کی ولایت کی مقرر ہو جائے۔ کیا خوب کہا گیا: "ردے و آواز پھیر معجزہ اسدت" اسی طرح ولی کا چہرہ بسترہ اور آواز بھی کرامت ہوتی ہے لیکن خواص کے لئے۔ عوام کو اور عامۃ الناس کے لئے کسی کھلی کرامت کی ضرورت ہے۔

۲۲۱- کہا جاتا ہے کہ اتباع رسالت و نبوت اتباع شریعت بے شک نشان ولایت ہے لیکن اتباع کامل کے مصدقات یا لوازمات بھی ضروری ہیں۔ خود نشان ولایت ہے۔ بیشک ایسا ہی ہے۔ لیکن اتباع کامل حقیقی کے مصدقات بھی تو ضروری ہیں کہ جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ اتباع ظاہر و باطناً کامل اور حقیقی ہے۔ خود سوچئے کہ جب جوہر اتباع کامل پیدا ہو جائے۔ تو تابع کے اندر کیونکر متبوع کے اوصاف پیدا نہ ہو جائیں۔ ہاں یہ ضروری نہیں کہ تمام مصدقات یکدم پیدا ہو جائیں۔ یا سب کے سب مصدقات ایک صاحب ولایت کے اندر موجود ہوں بلکہ جنبا اتباع کامل ظاہر و باطناً پیدا ہوگا۔ اتنے ہی لوازمات اتباع بھی پیدا ہوں گے۔

۲۲۲- ظاہری اتباع کو مشکل ہے لیکن باطنی اتباع سوائے جذبات کاملہ کے نصیب نہیں ہوتا۔ اور جذبات کو کسبت سے تعلق نہیں بلکہ یہ وہی عنایت فطریہ ہے۔ ایسی حالت میں اتباع کامل اور حقیقی کا دعوائے کرنا نہایت اہم امر ہے اور ہماری سمجھ سے باہر ہے۔

۲۲۳- ہاں اپنی اپنی فطرت ہے اور فطرت بلند کا اتباع بھی بلند ہے اور اتباع بلند کے لوازمات و کیفیات بھی بلند۔ اور سبت فطرت کا اتباع بھی سبت اور لوازمات و مصدقات بھی سبت ہے۔

۲۲۴- حضرت مجدد علیہ الرحمۃ والاعتراف سے کسی نے عرض کیا کہ حضرت! اب لوگوں میں کرامات کم ہیں۔ فرمایا۔ یہ تھوڑی کرامت ہے کہ مردہ دلوں کو زندہ کر دکھاتے ہیں۔ واقعی دوسری کرامات اور عجوبات سے یہ زندہ کرنا بہت مشکل ہے۔ تاہم یہ زندگی تاثیر و تاثر کا نتیجہ ہی ہے

۱- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز مبارک خود ایک معجزہ ہے۔
 ۲- جذبات فطرت میں ودیعت ہوتے ہیں حسن کی طرح، کہ یہ کسی کوشش سے حاصل نہیں ہوتا۔ جذبات کا کمال یہ خاص بخشش الہی ہے۔
 ۳- آپ پر رحمت اور مغفرت الہی ہو۔
 ۴- سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ لوگ اپنے اندر انقلاب الحقیقت دیکھ لیں اور اسلام اور روحانیت سے برگشتہ قلوب ادھر اکل ہو جائیں۔

جسے ہم مصدقات و لایت کے اندر شمار کرتے ہیں۔ اسی طرح نصرت الہیہ (تا بیداری) یہ بھی بذات خود کرامت ہے۔ ہاں عوام کے نزدیک کرامت صرف وہی ہے۔ جو مادی چیز سے تعلق رکھتی ہو۔ مثلاً قلعی کا چاندی بنا نا۔ ہوا پر اڑنا یا پانی پر چلنا۔

۲۲۵۔ حضرت قبلہ مرشد رحمۃ اللہ علیہ کو جس نے دیکھا وہ اندازہ کر سکتا ہے۔ کہ حضرت موصوف حضرت قبلہ میاں صاحب اربع سنت میں چونکہ کامل تھے اس لیے بوزاریت اتباع و مصدقات و لایت بھی آپ کے کامل تھے۔

۲۲۵۔ حضرت قبلہ مرشد رحمۃ اللہ علیہ کس قدر متبع سنت تھے اور کس قدر اتباع سنت کے عاشق۔ کہ ایک حرکت بھی اتباع سنت کے سوا اپنی تو کجا کسی دوسرے مسلمان کی دیکھنا بھی پسند نہ فرماتے تھے۔ اپنے منوسلین سے ہی نہیں۔ بلکہ عامۃ المسلمین کو اسی رسولی رنگ میں دیکھنا اپنا دین و ایمان جانتے تھے۔ لیکن جہاں یہ اتباع حقیقی تھی۔ وہاں مصدقات اتباع بھی کامل ششگانہ یا پنجگانہ موجود تھے۔ تاثر و تاثر کا یہ حال تھا کہ تمام حاضرین متاثر نظر آتے تھے۔ اور ہر ایک کا چہرہ و بشرہ کیفیت تاثر سے پر نظر آتا تھا۔ اور آج بھی آپ کے دیکھنے والے اس صفت میں ممتاز نظر آتے ہیں جسے اوراق کتاب ہذا میں بیان ہو چکا کشف و کرامت کا یہ اندازہ کہ ہر آنے جانے والا مقرر ہے اور ہر ایک کو بالذات و بالاصالت اس کی تصدیق ہو گئی۔ نصرت و نصرت کا یہ حال تھا کہ مشرق سے مغرب تک آپ کے فیوضات کی دھوم مچ گئی۔ اور ملک کے اطراف میں اتباع سنت کے عاشق پیدا ہو گئے۔ یہ تھی اتباع کامل جس کے لوازمات بھی کامل پیدا ہو گئے تھے۔ اور جس کی حقیقت کے نشانات ہر کہ و مہ۔ ادنیٰ و اعلیٰ۔ جاہل و فاضل نے اپنی آنکھوں دیکھ لئے

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ يُخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ

۲۲۴۔ افعال و حرکات جذبات کے تابع ہیں۔ اور جب افعال جذبات کے سوا کچھ اثر نہیں رکھتے اور کہ تکمیل فقر جذبات قویہ کے سوا ناممکن ہے کوئی فعل یا حرکت جذبہ قوی یا ضعیف سے پر نہیں ہوتی اور وہ فعل یا حرکت بے جان رہ جاتی ہے۔ اور اس کے اندر جذباتی اثر نہیں ہوتا بلکہ ایک

۱۔ مصدقات ششگانہ : تاثر۔ تاثر۔ کشف۔ کرامت۔ نصرت۔ نصرت۔

۲۔ بالاصالت : بلا واسطہ۔ ذاتی طور پر

۳۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے جس کو چاہے عنایت فرماے اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مخصوص فرمائے جس کو چاہے وہ وسعت والا اور علم والا ہے۔

۴۔ جذبہ کوئی ہو، غم ہو خوشی ہو، محبت ہو نفرت ہو جب تک کامل نہ ہو گا تاثر سے محروم۔ اتباع رسالت کا جذبہ محبت سے ابھرتا ہے۔

جب محبت نہ ہو اتباع کیسے اور اتباع نہ ہو تو صرف باتوں سے تاثرات کہاں سے آئیں گی۔

طرح کی بے رونقی یا بے تاثیر اُس کے اندر پیدا ہو جاتی ہے۔ اور دیکھنے والے پر اس فعل و حرکت کا کوئی نیک یا بد اثر نہیں بیٹھتا۔ یہی وجہ ہے کہ آج باوجودیکہ لاکھوں علمائے ظاہر و فقہائے ظاہر موجود ہیں اور ہر ایک دعویٰ اتباع میں اپنا سارا زور لگا رہا ہے۔ اور اپنے افعال و حرکات کو شاہراہ سنت کے مطابق دکھا رہا ہے۔ اس پر اپنی شیریں کلامی سے اتباع سنت کی دعوت عامہ (وعظ) پر اپنا تمام زور خرچ کرتا ہے لیکن نتیجہ کیا ہوتا ہے کہ کسی ایک کو بھی اثر نہیں ہوتا کوئی ایک اپنے آپ کو اُن کے حوالے اتباع کے لئے نہیں کرتا۔ بسا اوقات ان کا وعظ صرف خوشی طبع اور نکاتِ علمیہ کے لئے سنا جاتا ہے۔ اور ان کے حرکات اور افعال پر ہنس مٹائی جاتی ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ اس اتباع میں صحیح جذبہ قوی موجود نہیں۔ اور یہ اتباع اندر سے کھوکھلی ہے۔ صحیح اتباع تمام نقصانات کی تلافی کی ذمہ دار ہے۔ بلکہ نقصان تو کجا صحیح معنوں میں تمام اوصاف کی یکدم پیدا کرنے والی ہے۔ غرض فقر کی تکمیل جذباتِ قویہ (محبت الہیہ) کے سوا ناممکن ہے۔

۲۲۴۔ آخری بات اس باب میں یہ جتنا دینا ضروری ہے کہ نبوت کو اصالتہً مقامِ شہود سے تعلق ہے۔ اور ولایت کا تعلق اصالتہً مقامِ وصل سے ہے۔ وصل میں ترک دعویٰ ہے۔ اور شہود میں دعویٰ لازم، کیونکہ شہود میں روٹی ہے اور وصل میں یگانگت۔ دعوتِ نبوت کا منکرہ کافر ہے۔ ولایت کا مدعی خود جھوٹا ہے۔ یہ الہامی درجہ رکھتا ہے جس کی شہادت اپنے لئے کافی ہے مگر غیر کے لئے کافی نہیں۔ اور نبوت وحی کی صداقت سے معمور ہوتی ہے اس لئے غیر کے لئے اس کی شہادت ضروری ہے۔ اور نہ ماننے والا کافر ہے۔

صاحبِ شہود کبھی تجلی وصل میں آجاتا ہے | ۲۲۸۔ مقامِ وصل پر جو ولی رہ جائے۔ وہ مجذوب ہوتا ہے۔ جو اس سے ترقی کر کے مقامِ شہود پر پہنچے۔ وہ سالک بعض وقت مجذوب تجلی شہودی میں آجاتے ہیں۔ تو استغفار بڑھنے لگتے ہیں۔ اور بعض وقت

یعنی نبی اللہ تعالیٰ کی حاضری میں ہوتا ہے اور اپنی ذات کے الگ ہونے کا تصور موجود ہوتا ہے۔

لیکن ولی اللہ وصل کے مقام میں ہوتا ہے اور وصل میں یگانگت غالب ہوتی ہے اور روٹی

کا خیال و تصور اٹھ جاتا ہے۔

سا لک مقام وصل کی تجلی میں گرفتار ہو جاتا ہے تو سُبْحَانِی مَا اَعْظَمَ شَانِی اور اَنَا الْحَقُّ
کے دعوے کرنے لگتا ہے۔ لیکن جب واپس اپنے مقام میں آتا ہے تو بار بار کہتا ہے۔ سُبْحَانَ
رَبِّیَ الرَّعْلٰی۔ سُبْحَانَ رَبِّیَ الرَّعْلٰی۔ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ ط

۲۲۹۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہ مقام شہود وہ مقام نہیں جو سالک کو سلوک کے اندر پیش آیا تھا۔

وہ مقام وصل سے پہلے تھا اور یہ مقام وصل کے بعد۔ وہ مقام ولایت کی ابتدا تھی۔ اور یہ

مقام نبوت کی ابتدا۔ کسی کو یہ دھوکا نہ ہو کہ ہم بھی مقام شہود پر ہیں کیونکہ ہم میں بھی دوئی ہے۔

یہ دوئی نہیں بلکہ صرف خودی ہے۔ خودی خود خودی ہے۔ اس کے اندر دوئی کا کیا واسطہ۔

خودی اٹھے گی تو وحدت پیدا ہوگی۔ لیکن جب وحدت اور خودی اکٹھی ہوگی۔ تو دوئی پیدا

ہوگی۔ یہ دوئی مقام نبوت کی ابتدا ہے۔ نبی باوجودیکہ تجلی وصل میں آجائے۔ لیکن پھر بھی اپنے

مقام شہود سے باہر نہیں نکلتا۔ جب نبی کریم معراج پر تشریف لے گئے اور عرش معلیٰ پر مقام وصل

کی آخری سرحد پر تشریف فرما ہوئے تو دیکھئے وہاں بھی مقام شہود سے ایک قدم باہر نہ اٹھایا۔

اور عبودیت و معبودیت گو قَابِ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْفِیْ اِنَّا کُنتُمْ سِیْخَ کَیْسِیْنِ۔ لیکن ایک حرف بھی

تجلی وصل کا اپنے منہ سے نہ نکلا۔ یہ تھا کمال جو صرف آپ کی ذات کو ازل سے عنایت ہوا

کہ باوجود اتنے تقرب کے اپنی عبودیت کے معترف رہے۔ اَللّٰهُ اَکْبَرُ۔ زیادہ اس باب

میں کچھ دیکھنا ہو تو میرا مضمون ”حال و قال“ ”خزینہ معرفت“ کے مقدمہ میں دیکھ لینا چاہئے

مقام شہود وہ نہیں ایک سلوک کی ابتدا اور دوسرا نبوت کی ابتدا

- ۱۔ میں پاک ہوں اور میری شان کتنی بلند ہے۔
- ۲۔ میں حق ہوں۔
- ۳۔ پاک ہے میرا رب جو اعلیٰ ہے۔
- ۴۔ پاک ہے میرا رب جو عظمت والا ہے۔
- ۵۔ وصل میں دوئی نہیں لیکن یہ مقام ولایت ہے۔ نبی تجلی وصل میں بھی اپنے مقام شہود سے نہیں نکلتا۔
- ۶۔ پس (دونوں میں) دو کمان کا فاصلہ رہ گیا یا اس سے بھی کم۔

نشینی سجادہ نشینی

۲۳۰۔ عرف عام میں سجادہ نشین صاحب ولایت کے جانشین کو کہتے ہیں بعض وقت اس درجہ پر صاحب خلافت اور صاحب ارشاد بلکہ تمام یاران طریقت کے مترشح کو اس منصب پر خود صاحب ولایت اپنی جانشینی کے لئے تجویز کرتا ہے اور بعض وقت اپنے خلفا میں سے کسی ایک کو کسی خاص مصلحت کی وجہ سے سرفرازی بخشی جاتی ہے۔ گو نسبت میں برابر ہوں یا درجہ میں کم ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن بعض وقت ایسے آدمی کا انتخاب کیا جاتا ہے کہ گو باطنی رشتہ تو کامل نہیں لیکن ظاہری رشتہ میں اتنی محبت ہوتی ہے کہ باطنی رشتہ پر غالب آجاتی ہے اور شیخ اپنے کامل تصرف سے اس پر اپنی نسبت القایہ اس درجہ ڈالتا ہے کہ یکدم اس کے حالات بدل جاتے ہیں اور کچھ دنوں کے بعد وہ ہو ہوا اپنے شیخ کی تصویر ہو بیٹھتا ہے۔ حضرت قبلہ اللہ بخش تونسوی رحمۃ اللہ علیہ اسی درجہ کے سجادہ نشین تھے چنانچہ خلفا کے اصرار پر جب حضرت قبلہ عالم محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے آپ پیش کئے گئے تو آپ نے گلے لگا کر فرمایا تَفَخُّتُ مِنْ رُوحِي فَيَاكَ ایک طرف آپ نے انتقال فرمایا۔ دوسری طرف حضرت صاحبزادہ صاحب نے عیش و عشرت چھوڑ کر یکدم باس فقر کو زینت ہی۔ یہاں تک کہ دنیا آپ سے فیضیاب ہوئی۔ ایک طرف وہ صاحبزادہ صاحب تھے اور دوسری طرف شیخ کامل۔

۲۳۱۔ بعض وقت تو یکدم حالت نہیں بدلتی۔ لیکن نسبت تدریجاً اپنا اثر ظاہر کرتی ہے میرے قبلہ میاں غلام اللہ صاحب مدظلہ العالی اسی طرح کے سجادہ نشین حضرت قبلہ عالم میاں صاحب رحمۃ اللہ کے ہیں۔ سنا گیا ہے کہ مرض الموت میں جب آں قبلہ ارباب عشق و ذوق کے آخری ایام وصال آگئے۔ تو آپ نے میاں صاحب کو بلا کر فرمایا کہ جمعہ پڑھاؤ۔ مسجد کا انتظام رکھنا اور کوئی آجائے تو اس کا اہتمام لازم رکھنا۔ غرض اس قسم کے الفاظ فرمائے جس سے خانقاہ معتلے

سجادہ نشینوں کے مقام

حضرت میاں غلام اللہ صاحب کی سجادہ نشینی اور حضرت نند میاں صاحب کی نسبت کا مہلور

علا نسبت القایہ: وہ نسبت جو ولی اللہ کسی خاص وقت میں اپنے خاص تصرف سے کسی خوش قسمت اور سعادتمند دل میں ڈال دے اس نسبت سے فوری توجہ عمل میں آجاتی ہے۔ اگر نسبت مہل کرنے والا صاحب استقامت اور کامل ہو تو ولایت کا کمال اسی ایک الفاظ سے حاصل ہو جاتا ہے۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ علامہ حضرت عربی نواز خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے پوتے تھے۔ ابتدا میں شاہ زنگی تھی۔ حضرت نے وصال کے وقت نسبت القایہ سے نوازا اور دلی کامل بنا دیا اور اس گدی کو حضور نے وہ رونق دی جو خود خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کے وقت تھی۔ ع میں نے اپنی روح تجھ میں پھونک دی۔ علامہ حضرت میاں غلام اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت اعلیٰ غوث لدی میاں صاحب شریقی کے چھوٹے بھائی اور حضور کے سجادہ نشین تھے۔

کی تولیت مقصود تھی۔ گو بعض اجباب اس وقت حیران تھے لیکن جیسے مشہور ہے **فِعْلٌ**
الْحَكِيمِ لَا يَخْلُو مَعَهُ الْحِكْمَةُ۔ عارف کا کوئی لفظ ضائع نہیں جاتا۔ جب ایک طرف
آپ نے انتقال فرمایا۔ اور دوسری طرف میاں صاحب نے خانقاہ معتمدی کا انتظام ہاتھ
میں لیا۔ تو یہ خیال کسی کے دل میں بھی نہیں سماتا تھا کہ آپ اس بھاری ذمہ داری کے اہل ہیں
یا کسی وقت اسے بھی سنبھال لیں گے۔ لیکن آج جا کر کوئی دیکھے کہ کس طرح آپ نے اپنی ذمہ داری
اٹھائی اور کس طرح نسبت کا ظہور ہو رہا ہے۔ آپ کے تمام حالات، تمام اخلاق، تمام عادات
اگر بالکل بدل نہیں گئے تو بہت کچھ بدل چکے ہیں اور بارگاہ الہیہ سے قوی امید ہے کہ آپ اپنے
شیخ کامل رحمۃ اللہ علیہ کے کامل ظل ثابت ہوں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

۲۳۲۔ بعض ارباب علم کو شاید یہ خیال پیدا ہو کہ صاحب ولایت پر کیونکر رشتہ باطنی پر
رشتہ ظاہری غالب آسکتا ہے لیکن جن لوگوں کو فطرت انسانی کے مطالعہ کا موقع ملا ہے
وہ جانتے ہیں کہ انسان کو رشتہ ظاہری کے ساتھ کس درجہ محبت دی گئی ہے بلکہ تمام کارخانہ
دنیا کا نظام اسی پر منحصر ہے۔ تمام مصائب و تکالیف اسی کے لئے اٹھاتے ہیں اور تمام سرور
اور خوشی اسی کے اندر مضمخ خیال کی جاتی ہے۔ سنت اللہ اسی طرح جاری ہے سلسلہ ابراہیمی
کو بلا خطر کیجئے۔ یہ اسی رشتہ ظاہریہ کا ایک عکس ہے۔ بھلا جس نے عہد نبوت میں **حَسَنِينَ**
کو جھوٹے دیکھا یا سنا۔ کیا وہ فطرتی میدان سے انکار کر سکتا ہے؟ آخر ارباب ولایت
دربار رسالت سے زیادہ تو قدم نہیں رکھتے بلکہ کسی قدم پیچھے چلنا بھی ان کو نصیب ہو جائے
تو یہ بھی فخر ہے۔

سجادہ نشین ہیں بعض دفعہ رشتہ ظاہری رشتہ باطنی پر کیوں غالب جاتا ہے

۲۳۳۔ بسا اوقات صاحب ولایت خود تو کسی کے حق
سجادہ نشین کے تصرفات درحقیقت
صاحب ولایت کے تصرفات ہوتے ہیں
میں اشارہ و کنایہ کچھ فیصلہ نہیں دیتا لیکن یا ان طریقیت
کسی ایک کو اپنی جماعت کے لئے چن لیتے ہیں۔ اور بعض اوقات بلا انتخاب کوئی تمام پر

۱۔ حکیم کا کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

۲۔ حسنین، حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کا مخفف ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیرونوں نو اسے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں پر سوار ہو جاتے تھے۔ سبحان اللہ کیا شان ہے۔

غالب آکر تولیتِ خانقاہ اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ ایسے وقت میں نسبتِ خاصہ ولایت بہت کم نمایاں ہوتی ہے تاہم صاحبِ ولایت سے لطیفہ کی طرف ایسے ایسے تصرفات ظاہر ہوتے ہیں کہ خانقاہ کے متوسلین اپنے سجادہ نشین کو عقیدت کی نگاہ سے دیکھنے لگتے ہیں۔ حالانکہ سجادہ نشین کی ذات کو ایسے تصرفات میں کچھ دخل نہیں ہوتا۔

۲۳۴۔ عموماً ایسے تصرفات خواب یعنی رویا کے واسطے سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ مثلاً خواب۔
سجادہ نشین کے ذریعے کسی آئندہ امر کے وقوع کی خبر یا کسی مقدمہ کی فتح یا بیماری کی آمد کی خبر یا سجادہ نشین کے خواب میں آنے سے صحت یا سجادہ نشین کے آنے سے پہلے خود شیخ کا گھر میں خواب میں آنا وغیرہ وغیرہ یہ ایسے امور ہیں جن کا تعلق سجادہ نشین کی ذات کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ شیخ کامل کے تصرفات ہوتے ہیں۔ حقیقی تصرفات صرف متوسلین تک محدود نہیں رہتے بلکہ متوسلین سے بڑھ کر غیروں کے لئے تصرفات کا ظہور ہونے لگتا ہے۔

۲۳۵۔ خواہ کسی درجہ کا بھی سجادہ نشین ہو۔ صاحبِ ولایت کی روح پاک کو اس سے خاص تعلق ہوتا ہے اور جن کو ذوقِ سلیم عنایت ہو اور جن پر کشفی حالات کی عنایت ہے ان سے یہ امر پوشیدہ نہیں۔ ہمارے قبلہ مرشد مہتمم صاحب رحمتہ اللہ علیہ جب حضرت ایشاں کے مزار مبارک پر حاضر ہوئے اور مراقب ہو بیٹھے۔ تو فرمایا گیا۔ پہلے سجادہ نشین کے پاس جاؤ۔ پھر یہاں آؤ۔ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب سجادہ نشین سے مل کر پھر آئے تو فیوضات کی وہ بارش ہوئی کہ بیان نہیں کی جاسکتی۔

۲۳۶۔ شاید بعض حضرات میری تحریر کو پیر پستی پر محمول کریں لیکن یہ حقیقت پرستی ہے۔ بلکہ جو بات متواترات تک پہنچ جائے اور جس کا مشاہدہ انسان خود بھی کر بیٹھے۔ اس سے کیونکر انکار کیا جاسکتا ہے۔
شاید تین چار بار موجودہ سجادہ نشین صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت قبلہ مہتمم صاحب رحمتہ اللہ علیہ

۱۔ یعنی سالکین و متوسلین خانقاہ کو باطنی فائدہ سجادہ نشین سے نہ بھی ہو۔ تاہم متوسلین

صاحبِ سجادہ کی عزت کرتے ہیں۔ اور یہ صاحبِ ولایت کا تصرف ہوتا ہے۔

۲۔ حضرت ایشاںؒ۔ اپنے وقت کے کامل ولی اللہ ہوئے ہیں۔ روضہ مبارکِ باغیانہ کے مغرب میں ہے۔ اور آپ کا مزار مبارک بڑا تاثیر اور مرجعِ خلائق ہے۔

بیرجل تشریف لائے۔ گزشتہ سال پہلی تشریف آوردیوں کے برخلاف میں نے ہر طرح کے آداب مرشدانہ کی نگہداشت رکھی۔ نہ اس وجہ سے کہ وہ میرے مرشد ہیں بلکہ حضرت قبلہ رح کے بھائی اور ان کے سجادہ نشین ہیں۔ لیکن ان کی خوشنودی مزاج سے ظاہری فوائد مثلاً صحت۔ فتوح وغیرہ میں تو بہت کچھ ترقی ہو گئی اور باطنی کیفیت میں کسی قدر اضافہ طمانیت قلبی ہو گیا۔ تاہم میں اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ اگر حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوردی ہوتی تو ظاہری فوائد تو ہوتے یا نہ ہوتے۔ لیکن باطنی کیفیت کسی ہزار درجہ ترقی کر جاتی۔ بے شک سجادہ نشین کا تصرف ظاہر پر ہوتا ہے اور شیخ کا تصرف باطن پر زیادہ۔

تہت بالخیر

محمد عفی عنہ

۱۔ سجادہ نشین صاحب ولایت کے فیض یافتگان کا مرشد تو نہیں ہوتا۔

لیکن چونکہ خالقہ سے ظاہری نسبت سب سے بلند رکھتا ہے۔ اس لئے

اس کے تمام آداب مرشدانہ کئے جاتے ہیں۔

بارگاہِ ربوبیت میں

دمیدم تیرا تصور ہی رہے اور جستجو
 کر محبت ذات اقدس کی مجھے یارب عطا
 نیک و بد اختیار کی اٹھ جائے بھی مجھ سے تمیز
 یا الہی میں تیری حمد و ثنا کرتا رہوں
 آنکھ میری بند ہو اور قلب ہو میرا کھلا
 موت سے پہلے ہی مرنا مجھ کو ہو جائے نصیب
 خوف تیرے سے ہمیشہ چشم میری تر رہے
 ساتھ ہی دعوتِ محبت کا ہے باغِ زندان
 مطلع الانوار سینہ میرا ہو جائے تمام
 قل هو اللہ احد کی ہو جھانک پر تو فگن
 وصل تیرا ہو میرے بکیت و بے قیاس
 سنت خیر الوری کی بھی ملے مجھ کو لوا
 آنکھ میری دیکھ لے پھر نور اس محبوب کے
 یہ حقیقت دیکھ کر پھر ہو حقیقت کل عیال

ذکر تیرے سے رہے معمور میری گفتگو
 تاکہ میں سب بھول جاؤں جو کہ ہے تیرے سوا
 اور تیرے ماسوا ہرگز نہ ہو مجھ کو غسبیز
 شکر تیری نعمتوں کا میں ادا کرتا رہوں
 پھر تجلی طور کی قائم رہے اس پر صدا
 تافنائے قلب سے لذت اٹھاؤں اک عجیب
 جسم پر لڑ رہے وردل میں تیرا ڈر رہے
 بے نیازی تیری کا کھٹکا ہے اے بے نیاز
 میں مٹوں سارے کا سارا اور مٹ جائے بیہام
 کچھ نہ ہو کھٹکا کہ میرا کوئی ہے فرزند وزن
 لیک ظاہر میں رہے تیری شریعت کا لباس
 ہر نفس پر میں کہوں یا مصطفیٰ یا مجتبیٰ
 اور حجاب اٹھ جائے سارا چہرہ مطلوب سے
 جس کے کہنے سے لڑ جائے زبان ناتواں

موت گرا جائے آسانی سے ہو میرا گذر
 جیسے کوئی پل سے گذرے یا کہ راہِ بے خطر
 ہاں مسلمان ہو کے جاؤں اس جہاں سے اے خدا
 بندگانِ خاص میں پھر رکھیو مجھ کو اے شہا

عصمت و عفت تری کی بھی ملے مجھ کو بردا
 نفسِ امارہ پہ تابو دے تو اے فتاد کریم
 اک گھڑی یا اس سے کم بھی مجھ کو اپنے پر نہ چھوڑ
 ماں سے بڑھ کر تو ہو اور باپ سے بڑھ کر بھی تو
 رات دن تیرا تخیل ہی رہے مجھ کو سلام
 تو بھی میرا سو رہے اور میں بھی نہرا سو رہوں
 تیرے کانوں سے سنوں گریں سنوں اے کردگار
 کیونکہ یہ بدکار اب تو ہے بہت رسوا ہوا
 تیری رحمت کے سوا چارہ نہیں اب تو رحیم
 یا الہی بجز عصیاں میں مری کشتی نہ توڑ
 بار و مونس میرا تو ہو اور سب کچھ تو ہی تو
 ایک ساعت بھی نہ ہو تیرے سوا مجھ کو آرام
 تیری وحدت ذات میں ہو محو میں جیوں مروں
 تیری ہی آنکھوں سے دیکھوں گریں دیکھوں بار بار

کچھ ارادہ ہونے میں سر اگر ارادہ میں کروں!

جو ارادہ تو کرے پھر وہ ارادہ میں کروں!



قیمت: تیس روپے

طباعت دوم

آفتاب عالم پریس ہسپتال روڈ لاہور



